مولا علیؑ

مدینے میں پچیس (۲۵) سال

(رحلتِ رسولؐ سے خلافت تک)

الحاج پروفیسر ڈاکٹر سیّد منظر حسین کاظمی

اپنے بچوں کیلئے scan کیا
سید نزر عباس

مولا علیؑ

مدینے میں پچیس سال
(رحلت رسولؐ سے خلافت تک)

مؤلف
الحاج پروفیسر ڈاکٹر سیّد منظر حسین کاظمی

ناشر

محفوظ بک ایجنسی
مارٹن روڈ کراچی
MBA
Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

جملہ حقوق دائمی بنام مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : مولا علیؑ...... مدینہ میں پچیس سال (رحلت رسولؐ سے خلافت تک)

مولف : پروفیسر ڈاکٹر سیّد منظر حسین کاظمی

تعداد : پانچ سو

بار : چہارم اکتوبر ۲۰۱۱ء

کمپوزنگ : مطبوعات توحید

ناشر : محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی

ہدیہ : پاکستان میں =/325 روپے، غیر ممالک 20 امریکی ڈالر

مراکز حصول:

پاکستان ۱۔ محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی۔

۲۔ کرنل (ر) سیّد شاہد نقوی۔ اسلام آباد۔ فون نمبر: ۲۲۹۲۱۴۶

بھارت ۱۔ ڈاکٹر غضنفر عباس۔ دسہری ہاؤس، بھیروں جی روڈ، لکھنؤ۔ یوپی

۲۔ سیّد محمد ضیاء ۵۷۷۔P، پیر بٹاون، بارہ بنکی۔ یوپی

امریکہ ۱۔ جناب صفدر رضا کاظمی فون: ۲۸۱۔۹۸۰۵۲۲۱

۲۔ جناب فہیم کاظمی فون: ۲۸۱۔۸۹۰۳۱۷۷

۳۔ ڈاکٹر کلیم کاظمی فون: ۲۸۱۔۶۴۸۲۲۹۲

ناشر

محفوظ بک ایجنسی ❀ مارٹن روڈ کراچی

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk

محفوظ MBA

انتساب

مولود کعبہ، شاہ لافتیٰ، تاجدار ھل اتیٰ، شہنشاہِ اولیاء، سردار اوصیا، پیکرِ جود وسخا، نورالہدیٰ، وصی مصطفیٰ ؐ، مشکل کشاء، شیر خدا، حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ارواحنالہ الفداء............کے

بارھویں جانشیں

خدا کی آخری حجت، آفتاب ہدایت، آیۂ رحمت، مصطفیٰؐ سیرت، مرتضیٰ ؑ صورت، بارھویں تاجدار برجِ امامت، سراپا رحمت، سرچشمۂ عدالت، گوہر عصمت، امام وقت حضرت قائم آل محمد عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

کی خدمت اقدس میں

بصد خلوص وادب اور بصد تکریم وتعظیم

گر قبول افتد زہے عز وشرف

گزارش

کتاب میں مشہور و معروف کتابوں اور مولفوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔ جہاں بھی محترم شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے پورا پورا پاسِ ادب رکھا گیا ہے۔ کوئی نام یا نشان رہ گیا ہو تو وہ کتابت کی کمزوری ہوگی۔ اختلافی امور پر کوئی ناگوار بحث نہیں کی البتہ تاریخی حقائق کو بدلنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ کمپوزنگ یا کتابت کی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے غلطیوں کو نظر انداز کردیجئے گا۔ پروف ریڈنگ کے باوجود غلطی رہ گئی ہو تو کاتب اور پروف ریڈر دونوں کی طرف سے میں خود معذرت خواہ ہوں۔

مولف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجات

مضامین	صفحہ نمبر
عرضِ ناشر	۱۵
۱۔ ڈاکٹر منظر کاظمی آستانۂ جناب امیرؑ پر......علامہ رضی جعفر نقوی	۱۷
۲۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام......علامہ طالب جوہری	۲۱
۳۔ ڈاکٹر منظر کاظمی ایک محقق......پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید	۲۵
۴۔ ایک قابلِ قدر تحفہ......علامہ محمد اصغر درس	۲۹
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں سے......منظر کاظمی	۳۱
حصہ اول	۴۷
حضرت علیؑ......مدینہ میں پچیس سال (رحلت رسولؐ سے خلافت تک)	۴۸
نبوت، رسالت، امامت اور خلافت	۵۶
مقام نبوت	۶۱

کارِ رسالت ——— ۶۱
مقامِ امامت ——— ۶۱
مقامِ خلافت ——— ۶۲
رسولؐ کا وصی اور جانشین ——— ۶۴
بوقت رحلت، رسولؐ اکرم کی وصیت ——— ۷۷
۵۔ تدفینِ رسولؐ ——— ۸۲
۶۔ بیعت علیؑ ——— ۸۸
۷۔ حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی ——— ۹۹
۸۔ بیعت طلبی کے اثرات ——— ۱۰۹
۹۔ مصحفِ علیؑ ——— ۱۱۱
۱۰۔ حضرت علیؑ کے مشورے ——— ۱۲۲
۱۱۔ دورِ خلافت حضرت ابوبکرؓ ——— ۱۲۶
حضرت علیؑ کی تعریف ——— ۱۲۸
مسئلہ فدک ——— ۱۲۸
۱۲۔ دورِ خلافت حضرت عمرؓ ——— ۱۳۱
فارس کی فوج کشی میں حضرت علیؑ کا مشورہ ——— ۱۳۳
نظم و نسق اور اراضی کے سلسلہ میں مشورہ ——— ۱۳۴
بیت المقدس روانگی میں حضرت علیؑ کا مشورہ ——— ۱۳۵
حضرت علیؑ کا مشورہ بسلسلہ تقسیم فرشِ نو بہار ——— ۱۳۶
مشورہ برائے تحفظ کتب خانہ اسکندریہ ——— ۱۳۷

اسلامی مشورے ـــــــ ۱۴۰
اسلام میں سنِ ہجری کا آغاز ـــــــ ۱۴۲
اسلام میں سڑکوں کی تعمیر کی بنیاد ـــــــ ۱۴۳
مشوروں کے علاوہ جانی امداد ـــــــ ۱۴۵
علم نحو کی ایجاد ـــــــ ۱۴۵
تاریخ کی غلط بیانی ـــــــ ۱۴۶
حضرت عمرؓ کا انتقال ـــــــ ۱۵۳
۱۳۔ دورِ خلافتِ حضرت عثمانؓ ـــــــ ۱۵۶
انعامات ـــــــ ۱۵۹
پابندِ مدینہ افراد کی آزادی ـــــــ ۱۵۹
حکم کا مدینہ میں داخلہ ـــــــ ۱۶۰
مروان ـــــــ ۱۶۰
حارث ـــــــ ۱۶۰
دولت کی تقسیم ـــــــ ۱۶۱
بیت المال پر تصرف ـــــــ ۱۶۱
بیت المال سے اخراجات پر حضرت علیؑ کی مخالفت اور تنبیہ ۱۶۳
مشورہ متعلق زکوٰۃ ـــــــ ۱۶۴
ابوذر کی مشایعت ـــــــ ۱۶۴
عمار بن یاسر کی سفارش ـــــــ ۱۶۶
واقعۂ عبداللہ بن مسعود ـــــــ ۱۶۸

اصلاحِ حکومت کے لئے حضرت علیؑ کی جدوجہد ——— ۱۷۰
حضرت علیؑ کی مشاورت ——— ۱۷۲
دوسری مشاورت ——— ۱۷۳
حضرت علیؑ کی شکایت ——— ۱۷۴
حضرت علیؑ نے پانی کی مشکیں پہنچائیں ——— ۱۷۵
حضرت عثمانؓ کا قتل ——— ۱۷۶
۱۴۔ امیر المومنین کے فیصلے ——— ۱۷۹
ماں کا اپنے بیٹے سے انکار ——— ۱۸۱
عورت کے دودھ سے پہچان ——— ۱۸۳
چھ ماہ بعد بچہ کا پیدا ہونا ——— ۱۸۴
قتل ہونے کے بعد زندہ بچ جانا ——— ۱۸۵
ایک مقتول اور کئی قاتل ——— ۱۸۶
گائے اور اونٹ ——— ۱۸۶
یہ ممکن ہے ——— ۱۸۷
شراب خور اور حرمت سے لاعلم ——— ۱۸۸
غلام شوہر ——— ۱۸۹
دو شخص کی امانت کا فیصلہ ——— ۱۹۰
سترہ اونٹوں کی تقسیم ——— ۱۹۰
بینائی، قوتِ شامہ اور گویائی ——— ۱۹۱
دس بھائیوں کی ایک بہن ——— ۱۹۲

کنواری حاملہ ——— ۱۹۳

بچہ کی میراث ——— ۱۹۴

اصلی اور نقلی کی پہچان ——— ۱۹۵

۱۵۔ نشر علوم محمدی ——— ۱۹۶

جہل مٹانا حضرت علیؑ اپنا فرض سمجھتے تھے ——— ۱۹۷

فقہ اسلامی کی پہلی کتاب ——— ۱۹۸

رسولؐ کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا ——— ۱۹۸

عربی زبان کو زندگی اور علمی مرتبہ دیا ——— ۱۹۹

تحریک علمی ——— ۲۰۰

مقصد براری کے لئے جدید شہر چاہتے تھے ——— ۲۰۱

فقہ اسلامی میں ایک اہم باب کا اضافہ ——— ۲۰۲

۱۶۔ خلافت حضرت علیؑ ——— ۲۰۴

اسلام کی چوتھی خلافت ——— ۲۰۵

خلافت علیؑ کی بیعت ——— ۲۰۹

امامت اور انتخابِ خلافت ——— ۲۱۲

خلافت پر اعتراض ——— ۲۱۵

حضرت علیؑ کی حکمرانی ——— ۲۱۸

اسلامی دستور کو تحریری شکل دی ——— ۲۲۱

امیر المومنینؑ کا طرزِ جہاں بانی ——— ۲۲۱

سندھ میں اسلام حضرت علیؑ نے پہنچایا ——— ۲۲۶

حضرت علیؑ میدان جنگ میں ———— ۲۲۸
حق علیؑ کے ساتھ ———— ۲۳۱
جنگ جمل ———— ۲۳۱
جنگِ صفین ———— ۲۳۴
سازشیں ———— ۲۳۵
جنگِ نہروان اور خوارج ———— ۲۴۶
اثراتِ تحکیم ———— ۲۴۷
فرقۂ خوارج کی ابتدا ———— ۲۴۸
جنگ کی ابتدا ———— ۲۴۹
خوارج سے جنگ ———— ۲۵۱
سیاست علویہؑ ———— ۲۵۳
حضرت علیؑ کو شہید کرنے کی سازش ———— ۲۶۰
۱۷۔ حضرت علیؑ کی شہادت ———— ۲۶۳
حضرت علیؑ کے آخری لمحات ———— ۲۶۴
ضربت پر اعلانِ کامیابی ———— ۲۶۶
وقت آخر ———— ۲۶۸
۱۸۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے اثرات ———— ۲۶۹
حصہ دوم ۲۷۹
۱۔ حضرت علیؑ... مختصر جائزہ ———— ۲۸۰
علیؑ آیات قرآنی میں ———— ۲۸۵

آیاتِ قرآنی ———— ۲۸۷
علیؑ رسولؐ اللہ کی نظروں میں ———— ۳۰۴
حضرت علیؑ خلفاء ثلاثہ کی نظروں میں ———— ۳۱۲
روایات حضرت ابوبکرؓ ———— ۳۱۲
روایات حضرت عمرؓ ابن خطاب ———— ۳۱۶
حضرت علیؑ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی نظر میں ———— ۳۱۹
علیؑ شناسی ———— ۳۲۴
علیؑ محققین کی نظروں میں ———— ۳۲۵
علیؑ غیر مسلمین کی نظر میں ———— ۳۳۰
حضرت علیؑ کے دستور اسلامی کی چھ دفعات اقوام متحدہ میں ———— ۳۳۹
۲۔ حضرت علیؑ اور زراعت ———— ۳۴۲
جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی ———— ۳۴۴
گٹھلیوں سے نخلستان سجا دیئے ———— ۳۴۵
حضرت علیؑ کے جانشین بھی کاشتکاری کرتے تھے ———— ۳۴۵
زراعت عبادت کے مترادف ہے ———— ۳۴۵
امام جعفر صادقؑ خود محنت کرتے تھے ———— ۳۴۶
رسولؐ خدا نے بھی کاشتکاری کی ———— ۳۴۷
زراعتی سائنس علیؑ کی ایجاد ہے ———— ۳۴۷
۳۔ حضرت علیؑ اور دولت دنیا ———— ۳۴۹
وقف نامہ کا ترجمہ ———— ۳۵۴

۴۔ یہ فیصلہ نہ ہوا آج تک کہ کیا ہیں علیؑ ——— ۳۵۹

علیؑ کو سمجھنا معمہ حل کرنا ہے ——— ۳۶۰

رسولؐ اور علیؑ نہ ہوتے تو کوئی اللہ کی عبادت نہ کرتا ——— ۳۶۱

حیرت انگیز تاریخ ——— ۳۶۲

عالمِ علم لدنی ——— ۳۶۵

بغیر الف کے خطبہ ——— ۳۷۲

خطِ تصاویر ہیرو غلفی ——— ۳۷۳

کیا علیؑ عالم الغیب تھے؟ ——— ۳۷۷

۵۔ مشکل کشائی ——— ۳۸۵

پنجتنؑ کے نام سے حضرت آدمؑ کی دعا قبول ہوئی ——— ۳۹۰

حضرت نوحؑ نے انہی پانچ مقدس ناموں کے واسطے سے مدد طلب کی ۳۹۰

عکس لوح چوبی سفینۂ حضرت نوحؑ ——— ۳۹۲

حضرت سلیمانؑ نے انہی پانچ پاک ناموں کے وسیلے سے فریاد کی ۳۹۸

عکس لوح نقرئی حضرت سلیمانؑ ——— ۳۹۸

۶۔ مرثیہ امام شافعی ——— ۴۰۵

۷۔ کاش یہ دنیا دنیا ہوتی ——— ۴۰۷

۸۔ حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات ——— ۴۱۷

۹۔ تمام محبان رسولؐ، اہل بیتؑ و اصحابؓ کے لئے دعائے امام زین
العابدینؑ ——— ۴۲۰

۱۰۔ حضرت علیؑ کے دست مبارک سے خط کوفی میں لکھا ہوا قرآن پاک کا
ایک صفحہ ———— ۴۲۳
۱۱۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے دست مبارک سے خط کوفی میں لکھا ہوا
قرآن کا صفحہ ———— ۴۲۴
۱۲۔ کتابیات ———— ۴۲۵

چوتھے ایڈیشن پر مولف کا بیان

میں بیحد خوش ہوں کہ مولا علیؑ کے کارناموں پر میری یہ کتاب بیحد مقبول ہوئی۔ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن کراچی کے مشہور و معروف ناشر محفوظ بک ایجنسی میری اجازت سے شائع کر رہے ہیں۔

کتاب لکھنے میں نہ پتھر تراش کر آئینہ بنایا گیا ہے نہ ہی ہیرا تراش کر الماس۔

حضرت علیؑ کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ اللہ نے آپؑ کو رسولؐ کا وصی و امام بنایا۔ جنابؒ عطا رحمتہ اللہ علیہ ناقل ہیں کہ میں نے جناب ام المومنین حضرت عائشہؓ سے حضرت علیؑ کی نسبت پوچھا وہ فرمانے لگیں وہ تمام خلقت سے بہترین ہیں۔ سوا کافر کے اس میں کوئی شخص شک نہیں لاسکتا۔ (ارجح المطالب۔ ص ۵۵۵، اخرجہ ابوبکر ابنِ مردویہ)

ایسی محیر العقول ذات گرامی کی عظمت پر بیشمار کتابیں موجود ہیں لیکن وفات پیغمبرؐ سے خلافت تک مدینہ میں ۲۵ سال مولا علیؑ نے جو کارہائے اسلامی انجام دیے ان پر کسی مؤلف نے قلم نہیں اٹھایا۔ میری نظر سے جتنی کتابیں گزریں ان میں یہی درج ہے کہ آپؑ نے ۲۵ سال خاموشی میں گزارے۔ میرے حلق سے یہ بات نہیں اترتی تھی کہ مولا علیؑ جیسا امام پچیس سال خاموش رہے۔ یہ تائید غیبی تھی کہ اس طویل عرصہ کے کارنامے سامنے آتے گئے اور یہ کتاب تیار ہوگئی جس پر علامہ طالب جوہری، علامہ رضی جعفر نقوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید اور علامہ اصغر درس نے اسے قابل قدر تحفہ قرار دیا۔

علامہ طالب جوہری نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ "امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب رسول اکرمؐ کے بعد ہر عہد کے لیے سب سے بڑے رجحان ساز ہیں۔ غالباً اس موضوع پر یہ پہلی کوشش ہے اس معین موضوع پر اب تک کوئی کتاب میری نگاہ سے نہیں گزری۔"

کتاب سے متعلق تمام تبصرہ نگاروں کے اظہار خیالات میرے لیے سند کا درجہ رکھتے ہیں اور میں ان سب کا بیحد ممنون ہوں۔ یقین جانئے

؎ "جو ملا مجھ کو وہ توفیق الٰہی سے ملا۔"

منظر کاظمی

۱۵/اکتوبر ۲۰۱۱ء

علامہ رضی جعفر نقوی

ڈاکٹر منظر کاظمی آستانۂ جنابِ امیرؑ پر

ملت جعفریہ کی بلند مرتبہ شخصیت، اور ہمارے واجب الاحترام بزرگ، عالی جناب ڈاکٹر منظر کاظمی صاحب دام مجدہ کو پروردگارِ عالم نے بہترین کمالات سے نوازا ہے اور آپ ان کمالات سے، مسلسل بندگانِ خدا کو فیض پہنچا رہے ہیں۔

آپ کا جاذبِ نظر چہرہ، آپ کی پروقار و متبسم شخصیت، بزرگانہ رکھ رکھاؤ، کریمانہ شفقت، بزلہ سنجی، بیان کی چاشنی، اخلاق کی شیرینی، مریضوں کے ساتھ انتہائی ہمدردی، غریبوں کے ساتھ حسنِ سلوک، دینی اداروں کے ساتھ مسلسل تعاون، فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، مایوس مریضوں کے اندر بھی زندہ رہنے کا حوصلہ بیدار کر دینا اور پھر اپنی مسیحائی سے ان کے اندر زندگی کی نئی تازگی و شادابی پیدا کر دینا ـــــ ان میں سے انسان کن کن خوبیوں کو گنوا سکتا ہے یا نوکِ قلم کے ذریعہ سے ان میں سے کسی کا حق ادا کر سکتا ہے۔

صبح سے دوپہر تک، اور پھر شام سے رات تک، اطراف و اکناف سے آئے ہوئے مریضوں کو دیکھنا، پھر شہر بھر کی قومی، مذہبی، سماجی اور معاشرتی تقریبات میں

شرکت کرنا، اوران تمام مصرافیات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے لئے وقت نکال لینا۔۔۔۔۔۔۔یہ آپ ہی کا کمال ہے۔

اور پھر پاکستان اور اہل پاکستان ہی کے ساتھ آپ کی عنایت مخصوص نہیں ہیں، بلکہ سال کا بہت بڑا حصہ، اپنے وطن سے دس بارہ ہزار میل دور۔۔ریاستہائے متحدہ میں گذارنا، اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچانا، یہ سب آپ کے معمولات کا حصہ ہے۔

آپ نے طب وحکمت، سلاطین اودھ، سفرنامہ حج وزیارات' وزیراعظم لیاقت علی خان اور میر انیس وغیرہ جیسے موضوعات پر بکثرت کتابیں اہلِ ذوق اور صاحبانِ علم وادب کی نذر کردیں۔

اب آپ نے ایک اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے، کیونکہ یہ حضور سرورِ کائناتؐ کے بعد کائنات کی سب سے اہم شخصیت : مولائے کائنات' امیر المومنین' امام المتقین 'یعسوب الدین' قائد الغرالمحجلین 'اسد اللہ الغالب حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہے۔ جن کے بارے میں کائنات کے سید وسردار آقائے دوجہاں، خاتم الانبیاء احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

زَيِّنُوا مَجَالِسَكُمْ بِذِكْرِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ

(اپنی مجلسوں کو علی ابنِ ابی طالب کے ذکر سے زینت دو)

اس لحاظ سے آپ کی یہ تصنیف، دیگر تمام تصانیف سے الگ، ممتاز، منفرد اور سب سے بلند و بالا ہے۔ جسے آپ نے قرآنِ مجید' نہج البلاغہ' تاریخِ طبری' اسوۃ الرسول' تفسیر نمونہ' حیات القلوب' بحار الانوار' اور برادرانِ اہلِ سنت کی صحیح بخاری' صحیح مسلم ینابیع المودۃ اور دیگر ۵۶ کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کر کے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔

اگرچہ آپ کے پیشِ نظر، بنیادی موضوع یہ تھا کے جنابِ امیرؑ کی ۲۵ سالہ زندگی کے معمولات اوراس دور کی آپؑ کی خدمات کو پیش کریں۔۔۔۔۔۔۔لیکن موضوع کی وسعت اور مولاؑ کی حیاتِ طیبہ کی ہمہ گیری میں ایسی جاذبیت ہے کہ مصنف کا قلم خود بہ خود دوسرے عناوین کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔اورتقریباً تین سو صفحے کی ضخیم کتاب، قارئین کرام تک پہنچی۔

میری دعا ہے کہ پاک پروردگار بتصدق محمد وآلِ محمد علیہم السلام' جناب ڈاکٹر منظر کاظمی صاحب دام مجدہ کوصحت وعافیت کے ساتھ طولِ حیات عطا فرمائے' تا کہ آپ ایک طرف مریضوں کے اندر رمقِ حیات پھونکتے رہیں ان کی مسیحائی کرتے رہیں اور دوسری طرف اپنی نگارشات سے صاحبانِ ذوق کے ضیافت مطالعہ کا سامان فراہم کرتے رہیں۔۔۔۔۔۔۔آمین بحقِ محمد وآلہ الطاہرین۔۔۔۔

احقر رضی جعفر نقوی

علامہ طالب جوہری

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ایسی محیر العقول ہے کہ اس کے ابعاد و جہات تک کما حقہٗ رسائی ناممکن ہے۔ اگر وہ میدانِ شجاعت کے سب سے بڑے شہسوار ہیں تو محرابِ عبادت کے سب سے بڑے عبادت گذار بھی ہیں۔ وہ اگر مسندِ قضاوت پر شخصِ اوّل ہیں تو ممبر خطابت پر خطیبِ اعظم ہیں۔ یہی سبب ہے کہ امیر المومنین کی شخصیت پر مختلف زبانوں میں لاتعداد کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ایک نے اپنے مذاق طبیعت کے مطابق خامہ فرسائی کی ہے۔ کسی نے آپ کے فضائل و مناقب جمع کیے، کسی نے قضایا اور فیصلے مدون کیے، کسی نے آپ کے خطبات کے مصادر پر تحقیق کی، کسی نے ان کی شرحیں لکھیں، کسی نے معجزات رقم کیے، کسی نے جنگوں کے واقعات جمع کیے اور کسی نے آپ کی سیرت تحریر کی۔

زیرِ نظر کتاب کا موضوع امیر المومنین کی زندگی کے وہ پچیس سال ہیں جو وفاتِ رسول اکرمؐ سے شروع ہو کر آپ کی ظاہری خلافت پر ختم ہوتے ہیں۔ غالباً یہ اس موضوع پر پہلی کوشش ہے اس معین موضوع پر اب تک کوئی کتاب میری نگاہ سے نہیں

گزری۔ یہ تحریر بزرگ دانشور پروفیسر ڈاکٹر سید منظر حسین کاظمی دام فضلہء کی فکری کاوش کا ماحصل ہے۔ جناب منظر کاظمی کی تحریری خدمات کا دائرہ کسی ایک موضوع تک محدود نہیں ہے۔ آپ نے شعروادب سے ہومیوپیتھی تک اور تاریخ وشخصیات سے سفر نامہ تک جس موضوع پر قلم اٹھایا' سیر حاصل گفتگو کی۔

زیرِ نظر کتاب فقط تاریخ نویسی یا فقط سیرت نویسی نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص دور کے سیاسی' معاشرتی اور دینی رجحانات کا مطالعہ ہے اور وہ بھی امیر المومنین ابنِ ابی طالب کے حوالہ سے۔ جناب کاظمی دام فضلہ امیر المومنین کو منصوص من اللہ امام جانتے ہیں اور فریضہ ء ہدایت کو ان کے عہد میں ان سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ لہذا انھیں جستجو تھی کہ جب امیر المومنین بظاہر معاشرے سے الگ رہ کر زندگی گذار رہے تھے تو ان کی امامت وہدایت کا طریقہ کیا تھا۔ یہ مبارک جستجو اس کتاب کی صورت میں منتج ہوئی۔ جو آج قارئین کی دسترس میں ہے۔

اس کتاب کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ بعدِ رسولؐ علیؑ کی زندگی کا وہ دور شروع ہوتا ہے جسے خانہ نشینی کا دور کہا جاسکتا ہے۔ مورخ کی نگاہ درباروں' سرکاروں' جنگی میدانوں اور شاہراہوں پر چلتے ہوئے افراد کو دیکھتی ہے اسے اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ گھروں میں بیٹھے لوگ کیا کر رہے ہیں۔ جناب منظر کاظمی کا تصور اس کے برعکس ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی بھی عہد میں رجحان سازی کا سبب ہوا سے تاریخ میں اس کا جائز مقام ملنا چاہئے۔ امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب رسولِ اکرمؐ کے بعد ہر عہد کے لئے سب سے بڑے رجحان ساز ہیں۔ اور اس دعوے کی دلیل یہ پوری کتاب ہے۔

میں نے اس کتاب کے چند مقامات دیکھے اور اس بات کا معترف ہوا کہ

جناب کاظمی دام فضلہ، نے بہت صاف اور واضع اسلوب میں اپنے نقطہ ہائے نظر کو پیش کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو باتیں تحریر کی جارہی ہیں ان پر جناب کاظمی کا ذہن مطمئن ہے۔ شستہ عبارت اور سلیس اندازِ بیاں کے ساتھ ہر صفحہ پر حوالوں کی کثرت مصنف کی محنت کی آئینہ دار ہے۔ میں جناب مصنف کے حق میں دعا گو ہوں کہ اللہ ان کے وجود کو طویل مدت عطا فرمائے کہ وہ علمی ذخیروں پر اضافہ فرما سکیں۔

طالب جوہری

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید

ڈاکٹر منظر کاظمی ایک محقق!

ڈاکٹر منظر کاظمی صاحب تحقیق و تحریر کے آدمی ہیں۔ ماضی میں تعلیم کے شعبے سے وابستہ تھے آج کل مسیحائی فرما رہے ہیں۔ (ناظم آباد میں اپنا کلینک چلا رہے ہیں) وہ زمانہ درس وتدریس میں بھی قلم قبیلہ کے معتبر فرد تھے اور آج بھی ان کا شمار محکمہ تعلیم کے سینئر اساتذہ میں ہوتا ہے۔

ان کی زیرِ تبصرہ کتاب مولا علیؑ کی تمام روایات سے میرا مکمل اتفاق ضروری نہیں تاہم جس ذات گرامی کے بارے میں یہ کتاب تحریر کی گئی ہے اس سے کسی بھی مسلمان کو ذرہ برابر اختلاف و انکار نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں جن عنوانات کا انتخاب کیا ہے وہ مختلف مسالک کے مابین ہمیشہ اختلافی رہے ہیں تاہم یہ موضوعات اپنی جگہ بحث طلب اور تحقیق طلب ضرور ہیں۔ رحلت رسولؐ سے خلافت تک رسول کا وصی و جانشین، تدفین رسولؐ، بیعت علیؑ، دور خلافت عمرؓ میں ایک تاریخ کی غلط بیانی، حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی، جیسے موضوعات پر ڈاکٹر صاحب کا نظریہ ایک مکتب کا نظریہ ہے۔ اس سے کسی مسلک میں وہ فطری تبدیلی واقع نہیں کر سکتے، تاہم ان کی معروضات و نظریات پر غیر جانب دارانہ غور و فکر بھی ضروری ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت کرم اللہ وجہہ کے فضائل، خصائل، شمائل کی عظمتوں کا ادراک بشری فکر و فہم سے بالاتر ہے۔ آپ کی ایک صفت حمیدہ ہزاروں فضیلتوں کی حامل ہے اور ہر صفت کی دلیل میں حضرت نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی موجود ہے۔ آپ کے کمالات و فضائل کے ادراک سے کما حقہ رو شناسی بشری ممکنات میں سے نہیں ہے۔ آپ کا روحانی اقتدار چودہ سو سال سے آج تک درخشاں و ضوفشاں ہے۔ بلاشبہ آپ شہنشاہ ولایت اور اہل عرفان کے سرتاج ہیں۔ روحانی کمالات کا کتنا ہی بلند تصور ہمارے پاس موجود ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس سے بھی ماورا اور بالاتر ہیں کیونکہ وہ نبی کریم رؤف و رحیمؐ کے شاگرد تھے اور خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ''مجھے رسول اللہ نے علم اس طرح سکھایا ہے جس طرح چڑیا اپنے بچے کو دانہ بھراتی ہے۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہر عمل پیغمبر اسلامؐ کی ہدایت کا پابند، ان کی سیرت و کردار کا آئینہ دار اور ان کی تعلیم کا مکمل نمونہ تھا۔ تاریخ کتب و سیر کا طالب علم جب حضرت علیؑ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ آپ بیک وقت صاحب سیف بھی ہیں اور صاحب قلم بھی۔ عبادت گزار بھی ہیں اور شجاع بھی۔ حاکم بھی ہیں اور مزدور بھی۔ بادشاہ بھی ہیں اور فقیر بھی۔ سپاہی بھی ہیں اور سپہ سالار بھی۔ مقنن بھی ہیں اور مدبر بھی، مفسر بھی ہیں اور محدث بھی۔ آپ مظہر ارتقائے انسانیت اور کمالات بشری کا کامل نمونہ ہیں۔ آپ کی مثال ایک شمع ہدایت کی مانند ہے جس کی روشنی میں ملت اسلامیہ کے قلوب و اذہان کو قیامت تک منور کرتی رہے گی اور دعوت اتحاد دیتی رہے گی۔

ڈاکٹر منظر کاظمی کی کتاب میں متانت فکر و اسٹائل، حسن بیان، لطف زبان پورے شعور کے ساتھ موجود ہے ان کی تحریر میں حضرت علیؑ سے مودت و محبت کی پوری

جھلک موجود ہے جس سے ان کی عقیدت اور تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور ان کی دیدہ ریزی اور محنت شاقہ لائق ستائش ہے۔

محمد سعید
ایم اے پی ایچ ڈی
صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ ڈگری کالج
کورنگی کراچی

علامہ محمد اصغر درس

''ایک قابلِ قدر تحفہ''

مخدوم ومحترم جناب پروفیسر ڈاکٹر منظر حسین کاظمی صاحب راقم السطور کے دیرینہ کرم فرما ومحسن ہیں۔میری انکی پہلی ملاقات سراج الدولہ کالج میں ایک جلسہ کے موقع پر ہوئی تھی اور موصوف کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز تھے میں نے شروع ہی سے انہیں علم پرور وعلم دوست پایا۔ان کا مطالعہ بہت وسیع اور گہرا ہے۔زیرِنظر شاہکار ''مولا علی علیہ السلام'' کے پچیس سال مدینے میں رحلت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت تک انکے سریع الاثر قلم کا ایک قابل قدر تحفہ ہے جسے انہوں نے بے حد عرق ریزی وجانفشانی سے مرتب فرما کر حقائق ومعارف کا مرقع بنادیا ہے۔

قبلہ کاظمی صاحب ایک کھرے اور سچے انسان ہیں سچائی درحقیقت وہ وصف ہے جس میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں۔سورج کے مشرق سے ابھرنے اور مغرب میں غروب ہونے سے متعلق اختلاف اگر ہو بھی جائے گو اس کی عمر پہر دو پہر ہی ہوسکتی ہے مگر فروغ تجارت کی غرض سے بحث یوں چھیڑ دی جائے کہ سورج شمال سے نکلتا ہے یا جنوب سے تو اس طرح اختلاف ختم ہی نہیں ہوسکتا۔خصوصاً مولائے کائنات علیہ السلام کا دور جہاں ہاشمی واموی خونی معرکہ آرائیاں' جبر واستبداد کی آندھیاں'

آپسکی خانہ جنگیاں، سیاسی ناہمواریاں، قبائیلی گروہ بندیاں، نسلی چیرہ دستیاں غرضیکہ فتنہ وفساد کا ایک مضبوط جال بچھا اور الجھا ہو جس پر بہت کچھ لکھا بھی جا چکا ہو لہذا کسی نئی اور انوکھی تخلیق کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ دشوار ہے لیکن قبلہ کاظمی صاحب نے اس موضوع پر محققانہ وفاضلانہ انداز سے جو کچھ لکھا ہے اس سلسلہ میں بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کاغذ کے چند صفحات نہیں بلکہ زندہ و پائندہ شخصیت پر ایک معیاری وسنجیدہ تبصرہ و جائزہ ہے جو پوری دیانتداری و ذمہ داری سے سپرد قلم کرتے ہوئے زورِ استدلال سے ایک جانب ذکر سے انصاف اور دوسری جانب فکر سے نئی راہوں کا تعین فرمایا ہے یہ علم و حکمت اور عقیدہ وعقیدت کا وہ سرمایہ ہے جسکے متعلق حضرت میرزا مظہر جان جاناں مجددی دہلویؒ فرما گئے کہ:

''ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت ایمان کا سبب اور تصدیق وایقان کے بقاء کا سرمایہ ہے انکی محبت کے سوا ہم اپنی نجات کا وسیلہ وذریعہ نہیں رکھتے۔''

نہ کرو مظہر ما طاعتے و رفت بخاک
نجاتِ خود تبولائے بوتراب گذاشت

ترجمہ: ہمارے مظہر نے کوئی طاعت نہ کی اور خاک میں جا بسا اور اپنی نجات بوتراب ہی کی محبت پر چھوڑ دی۔

محمد اصغر درس
صدر مرکزِ اہل سنت وجماعت پاکستان
جامعہ ازہر العلوم گیلانیہ
گلستان جوہر کراچی

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان سے

انسان کی ظاہری شخصیت بڑی ثانوی شے ہے۔ خوبصورت گفتگو، دلکش لہجہ، مختلف موضوعات پر دسترس اور بولنے کا مہذب انداز اسے خاص بنا دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ میرے ناشر کو میری ظاہری شخصیت میں میرے متعلق یہ غلط فہمی ہوئی کہ میں اپنی دوسری کتابوں کے حوالے سے ہر موضوع پر لکھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کے عروج و زوال کی داستان میں حضرت علیؑ کے عظیم کارناموں پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کر دی جس کے لئے میں نے یوں معذرت کر لی کہ قلم اور زبان سے نکلے ہوئے جو الفاظ تاریخ کو جنم دیتے ہیں ان میں کبھی دیکھا گیا ہے کہ فن کاری شامل کر دی جاتی ہے جس سے تاریخ کی حقیقی شکل پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ قلم تاریخ میں نامناسب رنگ بکھیر کر اور زبان اپنی قوت گویائی سے خیالات کو پراگندہ کر کے تاریخی تصویر کے رنگ و روغن کو ضائع کر دیتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تاریخ کے متضاد بیانات میں پھنس کر اپنے قلم کی زبان پر کسی فکری انصاف کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے۔

ویسے بھی عام تاریخ اور اسلامی تاریخ لکھنے میں بڑا فرق ہے۔ اسلام مختلف مذاہب کی طرح سنی سنائی روایات کا مجموعہ نہیں۔ یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید اور رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وارشادات پر مبنی دین حیات اور نظام زندگی ہے۔ یہ محض خالق اور بندے کے درمیان واجب تعلقات ہی کا نام نہیں بلکہ انسانوں کے لئے دنیا میں ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کا جامع نظام ہے جو آخرت کی زندگی پر بھی حاوی ہے۔ اس انفرادی' اجتماعی اور نوعی زندگی کی عمارت میں داخل ہونے کے لئے میری علمی تہی دامنی قدم رکھنے اور اس کی عظیم بنیادوں پر لکھنے کے لئے قلم اٹھانے میں مانع ہے۔

آپ خود سوچیں جہاں اسلام کی تاریخ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ: میں نے جناب رسول خدا کو یہ فرماتے خود سنا ہے: "**کنت انا و علی' نوراً بین یدی اللہ من قبل ان یخلق آدم باربعة عشر الف عام**" ("میںؐ اور علیؑ حضرت آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار برس قبل خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں اپنی تمام تر نورانیت کے ساتھ موجود تھے") یعنی نور محمدیؐ و نور علویؑ حضور خداوندی میں حضرت آدمؑ کی پیدائش سے چودہ ہزار برس قبل موجود تھا۔(۱)

اس عرصہ دراز کے بعد حضرت آدمؑ نے دنیا میں قدم رکھا ہو اور ان کی اولاد قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کر کے ظلم کی ابتداء کی ہو جس کے بعد مخلوق بھٹکتی چلی گئی ہو اور قابل غور بات یہ ہو کہ انبیاء میں سے گنتی کے چند حضرات عرب تھے باقی انبیاء مختلف اقوام میں بھیجے گئے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "**وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خلا**

۱۔ "سیرت مولائے کائنات علیؑ"۔ از سید مراد علی جعفری صفحہ ۴۷

فِیهَا نَذِیرٌ ‘‘(اور کوئی امت ایسی نہیں گذری کہ اس کے پاس ہمارا ڈرانے والا پیغمبر نہ آیا ہو)(۱)

تخلیق کائنات کی جتنی بھی چھوٹی بڑی کہانیاں عرب خصوصاً عراق سے ملی ہیں وہ عجیب سیاسی نظریات اور حالات کی آئینہ دار ہیں۔ان کے یہاں مذہب' نظریات اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔وہ اپنے رائج کردہ نظام کو اپنے دیوتاؤں کا عطا کردہ نظام سمجھتے تھے جنہوں نے آسمانوں پر اپنی دنیا بسا رکھی تھی۔ان کا عقیدہ تھا کہ کائنات ایسی ریاست ہے جس کے اراکین چاند' ستارے' پانی' ہوائیں اور پتھر وغیرہ ہیں۔ان ہی نے انسان اور بادشاہ پیدا کئے اور وہی سزا اور جزا دینے کے مالک ہیں۔ عربوں کی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ دوسرے ملکوں سے مال تجارت کے ساتھ خوبصورت سجے سجائے نئے نئے دیوتا اور بت بھی ساتھ لائے جاتے تھے۔اس لین دین میں دیوتاؤں کی تعداد بڑھتے بڑھتے روم اور یونان کے دیوتاؤں تک پہنچ گئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آدمؑ بھی اسلام کے حامی تھے تو یہ پتھر کے دیوتا کہاں سے آکودے اور بت پرستی کیسے شروع ہوگئی۔

علل الشرائع جلد اول صفحہ ۴ پر شیخ الصدوق نے باب ۳ میں بت پوجے جانے کا سبب بیان کیا ہے کہ:’’میرے والد رحمہ اللہ نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے سعد بن عبداللہ نے ان کا بیان ہے کہ کہا مجھ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ نے ان کا بیان ہے کہ کہا مجھ سے محمد بن خالد برقی نے ان کا بیان ہے کہ کہا مجھ سے حماد بن عیسیٰ نے روایت کرتے ہوئے عزیز ابن عبداللہ بجستانی سے اور انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام

۱۔سورہ مبارکہ فاطر آیت ۲۴ (ترجمہ مولانا فرمان علی مرحوم)

سے ”وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا“ (اور کہنے لگے کہ تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دا ورنہ ”ود“ اورنہ ”سواع“ کو اورنہ ”یغوث“ اور ”یعوق“ اور ”نسرا“ کو)۔(سورۂ نوح۔ آیت نمبر۲۳) کے متعلق روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جن کے نام لئے گئے ہیں یہ سب اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے جب یہ مر گئے تو ان کی قوم چیخنے پیٹنے لگی۔اوران کی موت ان لوگوں پر شاق ہوئی تو ان کے پاس ابلیس علیہ اللعن آیا اور بولا (صبر کرو) میں ان لوگوں کی شکل کا بت بنا دیتا ہوں کہ تم انہیں دیکھنا ان سے انس رکھنا اور اللہ کی عبادت کرنا چنانچہ ابلیس نے ان کے ہمشکل چند بت بنا دیئے اور وہ لوگ اللہ کی عبادت کرتے اوران بتوں کی شکلوں کو دیکھتے رہتے۔اور جب جاڑے اور بارش کا موسم آتا تو انہیں گھروں میں لیجا کر رکھتے اور اللہ کی عبادت کرتے رہتے۔یہاں تک کہ وہ نسل ختم ہوگئی۔ان کی اولاد بڑی ہوئی تو کہنے لگی کہ ہمارے باپ دادا ان ہی کی تو عبادت کرتے تھے چنانچہ وہ لوگ ان کی عبادت کرنے لگے اور اللہ کی عبادت ترک کردی اسی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولا تذرن و دا ولا سواعا۔“

ابلیس اوراس کے پیروکاروں کی بڑھتی ہوئی بت پرستی اوراس کے اثرات کا سدباب کرنے کے لئے اللہ نے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیجا۔آنحضرتؐ کی آمد سے قبل بھی حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑا تھا لیکن رسولؐ اللہ کی آمد تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ متعدد خداؤں کی پرستش کرنے والوں نے کعبہ میں بھی دوبارہ ۳۶۰ بت رکھ چھوڑے تھے جنہیں رسولؐ خدا نے خود اور اپنے بھائی ووصی حضرت علیؑ کو اپنے کاندھوں پر چڑھا کر توڑا(۱)۔یہاں سے مخالفت

۱۔عبیداللہ امرتسری ٗارجح المطالب باب چہارم صفحہ ۴۹۷

بڑھتی چلی گئی' غزوات کے علاوہ بڑی جنگیں احد' خیبر اور خندق ہوئیں' جس میں حضرت علیؑ پیش پیش رہے۔ اسی کے ساتھ اسلام پھیلتا گیا لیکن جنگوں میں مارے جانے والوں کے اعزء و ہمدردوں میں حضرت علیؑ کی مخالفت بڑھتی گئی۔ آخرکار دین مکمل ہوگیا جس کا اللہ نے بذریعہ آیت اعلان بھی کر دیا۔

یہ ہزاروں سال کی گزری ہوئی دنیا جس میں کافر بھی تھے مومن بھی' انسانوں میں عقیدت کا اقرار بھی تھا انکار بھی' جس میں علماء بھی تھے جہلا بھی' ظالم بھی تھے مظلوم بھی' حاکم بھی تھے ماتحت بھی' بت پرست بھی تھے بت شکن بھی' جس میں خلافت بھی تھی ملوکیت بھی۔ اس ماحول میں آنحضرتؐ کو مستقل مزاجی کے ساتھ اسلام پھیلانے میں ان کی ہمت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ صراطِ مستقیم دکھلانے میں انہیں کن کن صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ تربیت اخلاق' تعمیر سیرت اور تزکیہ نفس وغیرہ کے تمام شعبوں میں انہوں نے مخلوقِ خدا کی اصلاح اور تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ اپنی مدد کے لئے انہوں نے مثلِ ہارون اپنے بھائی حضرت علیؑ کا انتخاب کیا۔ خانۂ خدا میں پیدا ہونے والے علیؑ کو گود لیا' ایام طفولیت ہی سے سرور کائناتؐ کے دامن عاطفت میں تربیت پانے والے علیؑ قدم بہ قدم رسولؐ کے ساتھ چلنے والے علیؑ' بچپن ہی سے رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والے علیؑ' دعوت ذی العشیرہ میں رسالت کی تصدیق کرنے والی علیؑ' آنحضرتؐ کی جگہ شعب ابی طالب میں بستر پر سونے والے علیؑ' رسولؐ کی جان بچانے کے لئے ان کے بستر پر شب ہجرت لیٹنے والے علیؑ' جنگ بدر' احد اور خندق میں اسلام کی عزت بچانے والے علیؑ' سیدہ کونینؑ کے شوہر ہونے کا شرف پانے والے علیؑ' غدیرخم میں مومنین کا مولا بننے کا شرف پانے والے علیؑ اور مباہلے میں سرور کونینؐ سے اپنا نفس اور اہلبیت ہونے کا مرتبہ حاصل کرنے والے علیؑ رسولؐ نے تو یہ بھی فرمایا

کہ ''علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں''(۱)

پوری اسلامی تاریخ لکھنا تو دور کی بات ہے صرف حضرت علیؑ کے فضائل اور ان کے کارناموں کا ذکر کرنا ہو تو ان کے دامن میں لپٹے ہوئے اتنے حقائق ہیں کہ کسی ایک تہہ کو کھولیں تو سینکڑوں کتابوں کے دفتر لگانا پڑیں گے۔ علیؑ جو رسول کا بھائی، وصی، داماد اور جانشین ہو، جس کی ولادت خانہ کعبہ اور جائے شہادت مسجد کوفہ ہو، جس کا ذکر آیات قرآنی میں ہو، جس کی مدح میں بیشمار احادیث رسولؐ ہوں، جو پیغمبرؐ کے زمانہ میں شجاعت و شہامت سے پہچانے جاتے ہوں، جو بحیثیت امامِ اوّل خلافائے ثلاثہ کو دینی مسائل میں مشورے دیتے رہے ہوں، جن کے لئے خلیفہ ثانی کہیں کہ ''علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا''(۲) جو خلفاء کے ہی زمانہ میں علم جودت رائے اور تدبیر و دانش میں مشہور ہو، جو اپنی چوتھی دنیاوی خلافت کے مختصر زمانے میں بھی طلاقت، بلاغت و خطابت میں شہرت رکھتا ہو، جس کے لئے متعدد اقوام کے اکابرین نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہو، جس کے علم، افکار، خیالات اور تعلیمات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو، جس کے لئے آنحضرتؐ کہیں کہ ''میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں''(۳) جس کے لئے یقین کیا جائے کہ رسول اللہؐ کے دو باقی رہنے والے معجزے علیؑ اور قرآن ہیں، جو پیغمبر کی صداقت نبوت کے ثبوت ہیں، قرآن اپنی فصاحت و بلاغت و اعجاز کے اعتبار سے اس پر دلیل ہے کہ وہ وحی رب جلیل ہے، اور علیؑ

۱۔ تاریخ طبری حصہ اول (سیرت نبیؐ) صفحہ ۲۳۴

۲۔ ترجمہ: علیؑ بن ابی طالب۔ احمد ذکی ص ۷۹، تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن الجوزی، صفحہ ۸۷ مندرجہ منہاج نہج البلاغہ، از سید سبط الحسن ہنسوی صفحہ ۱۳

۳۔ صحیح ترمذی جلد دوم ص ۲۱۴، صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۷۳ وغیرہ مندرجہ منہاج نہج البلاغہ سید سبط الحسن ہنسوی ص ۱۱

اپنے علم و فضل و عظمت و کرامت اور متضاد محاسن اخلاق کے مظہر ہو کر اس کا ثبوت ہیں کہ یہ تلمیذ پیغمبر آخر الزماںؐ ہیں' اسی لئے قرآن اور علیؑ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے' جیسا کہ خود پیغمبرؐ کا ارشاد ہے "علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ' یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں" (۱) جس کے لئے امیر معاویہ کا سا دشمن بھی اقرار کرتا ہو (۲) کہ "رسولؐ نے معزز کیا علیؑ کو علم سے جو حق معزز کرنے کا ہے۔" اور جب حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر ملی تو اس کی زبان سے بیساختہ یہ فقرہ نکل پڑا "علیؑ کی موت سے علم و فقہ کا خاتمہ ہو گیا" (۳) جس کے لئے مشہور عالم اہلسنت علامہ مصطفیٰ بک نجیب مصری "علیؑ" کی محیر العقول شخصیت کے متعلق لکھیں کہ "کہنے والا اس امام کے متعلق آخر کیا کہے' ثنا و صفت بیان کرنے والا آپکے کمال ثنا و صفت کو بیان کرنے سے عاجز و قاصر ہے' رسولؐ اللہ کا یہ ارشاد کہ آپ مدینہ علم کے در ہیں' آپ کے کمال فضل و شرف کے لئے کافی ہے۔ آپ ہی علوم میں سب سے اول' شجاعت میں سب سے اول' جود و سخا میں سب سے اول' علم اور درگذر کرنے میں سب سے اول' فصاحت و بلاغت میں سب سے اول' زہد و ریاضت میں سب سے اول' بندگی و عبادت میں سب سے اول' تدبر و سیادت میں سب سے اول' آپ کمال صحت و یقین کی وجہ سے اپنی رائے و تدبیر پر قائم رہنے والے تھے' سب سے بہتر آپ کی فکر و تدبیر تھی' اگر خوف

۱۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۷۴ طبع مصر) مندرجہ منہاج نہج البلاغہ سید سبط الحسن ہنسوی ص ۱۳

۲۔ " " " " ص ۱۰۷ ذخائر العقبیٰ لمحب طبری ۷۹) سید سبط الحسن ہنسوی ص ۱۳

۳۔ (استیعاب ابن عبد البر' جلد ۳ ص ۴۵) سید سبط الحسن ہنسوی ص ۱۳

خدا اور پرہیزگاری کا خیال نہ ہوتا تو آپ عرب میں سب سے بڑے ڈپلومیٹ ہوتے' ہر قلب میں آپ کے لئے جگہ ہے' اور ہر ایک آپ کو دوست رکھتا ہے' آپ حجاب عظمت میں ایسی بزرگیوں کے ساتھ جلوہ نما ہوئے کہ بہت سے لوگ آپ کے متعلق حیرانی میں مبتلا ہو گئے اور حدود عقل و شریعت سے نکل کر آپ کو معبود سمجھنے لگے' اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) آپ کو دوست رکھتے ہیں' فلاسفر آپ کی عظمت و بزرگی کے سامنے سرنگوں ہیں' شاہان روم اپنے محلوں اور عبادت گاہوں میں آپ کی تصویر بناتے تھے اور لشکر کے سردار آپ کے مبارک نام کو تلوار پر کندہ کراتے ہیں اور اس کو اپنے لئے خیر اور فتح و نصرت کا سبب سمجھتے ہیں"۔(۱)

تاریخ کی طویل داستان میں سے یہ چند جملے ہی میری کتاب لکھنے سے معذرت کی دلیل میں کافی تھے کہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ پہلے طویل ترین تاریخ کا مطالعہ کروں مختلف خیالات کا تجزیہ کروں پھر اپنے خیالات تاریخ کی روشنی میں مجتمع کر کے کچھ لکھوں۔ عافیت اسی میں تھی کہ خاموش رہوں۔ ویسے رسولؐ خدا کی علیؑ سے محبت کے تقاضے میں حضرت علیؑ پر کتاب لکھنا مستحسن عمل ہے "آنحضرتؐ حضرت علیؑ سے بہت محبت رکھتے تھے اور ہر مسلمان کو ان سے محبت رکھنا ضروری ہے"(۲) لیکن کیا کرتا' اسلامی تاریخ لکھنا ایک فن ہے جسے اسی فن کا ماہر لکھ کر حق ادا کر سکتا ہے میں استاد ضرور ہوں کالجوں میں درس بھی دیتا رہا ہوں لیکن اسلامیات کا طالب علم نہیں۔ اپنی دوسری کتب میں ادبی گلدستہ سجانے کی کوشش کی ہے مگر اسلامی کردار' وہ بھی

۱۔(حماۃ الاسلام جز اول ص ۹۸ طبع' مصر) سید سبط الحسن ہنسوی ص ۱۳ اور ۱۴

۲۔صحیح مسلم شریف اول و دوم صفحہ ۱۱۷۲-۱۱۷۱ (حاشیہ نمبر ۷۷) طباعت اپریل ۱۹۷۵ء ناشر مشتاق بک کارنر لاہور

حضرت علیؑ جیسی عظیم شخصیت پر لکھنا میرے کیا ہر شخص کے دائرۂ علم سے باہر ہے کیونکہ علیؑ کی شخصیت اور ان کے کمالات بجز خدا اور رسولؐ دنیا میں کوئی نہ سمجھ سکا۔ وہ تو میرے عزیز ناشر محمد ایوب نقوی نے میری مشکل یوں آسان کر دی کہ مجھے صرف حضرت علیؑ کے مدینہ میں پچیس سال رحلت رسولؐ سے خلافت تک کے صبر آزما حالات اور ان کی اسلامی خدمات پر لکھنا ہے چنانچہ میں کتاب لکھنے پر تیار ہو گیا۔ سوچا کہ مورخین اور مصنفین نے رسولؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ پر ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کتابیں ضرور تحریر کی ہوں گی اور لکھ بھی رہے ہوں گے تو ان میں جو مواد فراہم کیا گیا ہوگا اس کے اندر بکھرے ہوئے جواہرات کو یکجا کر کے ایک کتابی شکل دے دوں گا۔ بیشمار کتابیں اردو اور انگریزی زبانوں میں پڑھیں۔ عربی میٹرک تک پڑھنا نہ پڑھنے کے برابر ہے اس لئے متعدد بار ایران اور شام کے قیام میں وہاں موجود علماء سے عربی و فارسی زبان میں تحریرکئی مستند کتابوں کا ترجمہ اکٹھا کیا لیکن دیئے گئے موضوع پر کتابوں کی کم یابی کی ایک وجہ یہ بھی بتلائی گئی کہ ''بلاشبہ محبان علیؑ نے ارشادات پیغمبرؐ برگزیدہ صحابۂ کرام سے سن کر اور اپنے اماموں سے دریافت کر کے اپنی اپنی جگہ پر لکھ رکھے تھے لیکن وہ حدیثیں ایسی حدیثوں کی تردید کرتی تھیں جو حکومتوں نے مشہور کرائی تھیں ۔۔۔۔احادیث کے مجموعے ڈھونڈھنے کے لئے بھی چھاپے مارے جاتے تھے جس کے نتیجہ میں چار سو مجموعوں میں سے صرف چار بچ سکے' باقی کسی نہ کسی طرح برآمد کر کے جلا دیئے گئے۔''(۱) اس کے علاوہ یہ کہ: ''حکومت وقت کی طرف سے گورنروں اور حکام کو تاکیدی احکام جاری کئے گئے کہ وہ اپنے زیر اختیار علاقوں

۱۔ ''سیاست نامہ عرب'' علی حسین رضوی صفحہ ۲۳۰۔ اسی صفحہ پر سلیم بن قیس ہلالی کا حوالہ بھی درج ہے۔

میں حدیث نقل کرنے سے اجتناب برتیں اور فقط قرآن مجید کے الفاظ پڑھنے پر اکتفا کریں''۔(۱) یہ اور اسی طرح کی بہت سی روایتیں ملیں جن کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہا یہاں تک کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو مخالفت کے تمام دروازے بند کردیئے گئے اور کتابیں بھی لکھی جانے لگیں۔ ''تاریخ خلفاء میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ میں ایسا تھا جیسے فرعون کے خاندان میں ایک مومن تھا۔''(۲)

یہ معجزہ ہی ہے کہ ان حالات کے باوجود حضرت علیؑ پر چھوٹی بڑی ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ ہیوسٹن امریکہ میں متعدد بار کے قیام میں اپنے چھوٹے بیٹے ڈاکٹر کلیم کاظمی اور ایک عزیز سید قیصر مہدی کی لائبریری کے نایاب ذخیروں میں کچھ کام کی کتابیں مل گئیں چنانچہ امریکہ کے قیام ہی میں، میں نے کتاب لکھنے کا کام شروع کردیا۔

اللہ کا احسان کہ کتاب مکمل ہوئی اور مطالعہ کے لئے حاضر ہے۔

موضوع کے اعتبار سے سب سے پہلے میں نے یہ بات درج کی ہے کہ رسولؐ اللہ کے پاس منجانب اللہ رسالت، امامت اور خلافت سارے عہدے تھے۔ رسالت آنحضرتؐ کی رحلت کے ساتھ ختم ہوگئی۔ رسولؐ نے غدیر خم میں بحکم خدا علیؑ کو اپنا وصی بنانے کا اعلان کردیا تھا لیکن تاریخ کہتی ہے کہ امت نے حضرت علیؑ کے حقوق کی ادائیگی میں اپنے فرائض پورے نہ کئے اور خلافت کے حق سے محروم کردیا اس پر انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ہاں امامت جو منجاب اللہ اور رسولؐ تھی وہ علیؑ کے پاس

۱۔ ''فلسفہ معجزہ'' مولف آیت اللہ الخوئی، مترجم ایم اے انصاری صفحہ ۸ بحوالہ سنن ابن ماجہ، جلد ا باب ۳۔

۲۔ ''دشمنان اہلبیت'' از علی جواد بسونوی

محفوظ تھی۔ امامت کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جناب ابراہیمؑ کو خدا نے نبوت کے امتحان کے بعد امامت کا درجہ عطا کیا تھا: ''اللہ نے فرمایا اے ابراہیم میں نے تجھے لوگوں کا امام بنا دیا۔ آپ نے عرض کیا اور میری ذریت میں بھی عہدہ امامت رکھ۔ اللہ نے فرمایا مگر ایک شرط ہے۔ تیری ذریت کے ظالم میرے اس عہدے کو حاصل نہ کر سکیں گے''۔(۱)

غایۃ المرام ص ۲۷۰ پر علامہ بحرانی نے ابوالحسن ابن مغازلی کے حوالے سے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ثمر میں اور علی ہیں۔ ہم میں سے کسی نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ ذات احدیت نے مجھے نبی اور علی کو میرا وصی قرار دیا''۔ (علی فی القرآن از آقائے سید صادق حسینی شیرازی صفحہ ۳۲-۳۳)

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ ''امت (جو خلافت کے بجائے ان کی مخصوص اصطلاح ہے) مصالح عامۃ میں سے نہیں ہے کہ امت پر اس کا انتخاب چھوڑ دیا جائے اور امت کے بنانے سے کوئی شخص امام بن جائے' بلکہ وہ دین کا ایک رکن اور اسلام کا بنیادی پتھر ہے اور نبی کے فرائض میں سے یہ ہے کہ امام کا انتخاب امت پر چھوڑنے کے بجائے خود بحکم صریح اس کو مقرر کرے''۔(۲)

''حضرت علیؑ وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد امام نامزد کیا تھا اور وہ بر بنائے نص امام تھے''۔(۳)

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

۲۔ ''خلافت وملوکیت'' صفحہ نمبر ۲۱۱ بحوالہ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۶ مطبوعہ مصطفیٰ محمد مصر وغیرہ۔

۳۔ ''خلافت وملوکیت'' صفحہ ۲۱۲ بحوالہ الشہر استانی' ج ا' ص ۱۰۸۔ ابن خلدون' ص ۱۹۶-۱۹۷

''ہر امام کے بعد نیا امام لازماً اپنے سے پہلے امام کی نص پر مقرر ہوگا' کیونکہ اس منصب کا تقرر امت کے سپرد ہی نہیں کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے منتخب کرنے سے کوئی شخص امام ہو سکے گا۔''(۱)

حضرت علیؑ نے بحثیت امام حالات اور افراد کے مبہم مقابلوں سے گریز کرتے ہوئے اسلام کی قدر شناسی میں بظاہر خاموشی کو فوقیت دی لیکن شخصیتوں کی کشمکش' افراد و تحریکات اور قوموں کو اختلافات سے دور رکھنے کے لئے خاموشی کے ساتھ اسلامی خدمت انجام دیتے رہے۔

حضرت علیؑ اور خاموشی یا خاموش زندگی یا علیؑ اور تنہائی یہ سب متضاد باتیں ہیں۔ دراصل یہ عام مسلمانوں کی فکر کو گمراہ کرنے کے لئے مسلسل پروپیگنڈہ اور تاریخ کا گمراہ کن باب ہے۔ یہ وہ تاریخ ہے جو ملوکیت کے زیر اثر کچھ پسندیدہ افراد کو نمایاں اور مخالف افراد کی آواز کو دبانے کیلئے کل بھی استعمال کی جاتی رہی اور آج بھی اس کا اثر نمایاں ہے۔

ان کی سوچ یہ ہے کہ جھوٹ اتنی تواتر سے بولا جائے کہ اگر کلی طور پر چھپایا یا مٹایا نہ جا سکے تو کم از کم سچ اس میں گم ہو جائے۔

حضرت علیؑ نے روز اول سے نہ صرف یہ کہ اپنے حق کو پہچنوایا بلکہ اس حق کو نہ مان کر ملت مسلمہ نے جو عظیم نقصان اٹھایا اور اٹھا رہی ہے اس کی بار بار نشاندہی کی۔ بزور شمشیر اپنا حق حاصل نہ کر کے یہ بھی سمجھانے اور بتلانے کی کوشش کی کہ ''علیؑ کے

ا۔ ''خلافت و ملوکیت'' صفحہ ۲۱۲ بحوالہ ابن خلدون' ص ۱۹۷۔ الاشعری' مقالات الاسلامیین' مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ طبع اول ج ا' ص ۸۷۔ الشہرستانی' ج ا' ص ۱۰۹ (اشاعت پچیسویں' جون ۱۹۹۸ء۔

نزدیک حکومت کی مثال ٹوٹی ہوئی جوتی سے زیادہ نہیں'' (۱) چہ جائے کہ علیؑ اپنے حق کے لئے اپنی قیمتی جان کو خطرے میں ڈالتے مگر یہ کہ اس حق تلفی سے ملتِ مسلمہ کا جو نقصان ہوا اس نے ہمیشہ علیؑ کو ناخوش رکھا جس کا اظہار آپ نے مسلسل پچیس سال تک ہر موقع پر کیا۔ ساتھ ساتھ ایک خاموش فکری انقلاب کی کوشش کی تاکہ مسلمانوں میں حق اور ناحق میں شعوری طور پر تمیز پیدا ہو جائے۔ جس کا بالاخر یہ نتیجہ نکلا کہ ۲۵ سال بعد مسلمان اپنی بدحالی سے تنگ آ کر پھر باب علیؑ پر آئے۔

اس کتاب میں حضرت علیؑ کی انھیں خدمات کو پیش کیا گیا ہے کہ فکری انقلاب کے ساتھ انہوں نے قرآن کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کیا جو قبول نہ کیا گیا۔ اسلامی درس دینے کا اہتمام کیا' لوگوں کو طرز بود و باش کے نئے راستے دکھانے کے ساتھ خود کنوئیں کھودے' کھیتی باڑی کے ایسے طریقے ایجاد کئے جو آج تک باقی ہیں' زمین کا سینہ چاک کر کے فصلیں پیدا کیں' باغات لگائے' دولت کا انبار وقف کر کے خود روکھی سوکھی روٹی کھانے کو پسند کیا کہ امیر و غریب کا احساس برتری ختم ہو' رسولؐ کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا' عربی زبان کو زندگی بخشی' فقہ اسلامی کے اہم باب کا اضافہ کیا' اسلامی دستور کو تحریری شکل دی' خلفائے ثلاثہ کو ان کی مشکلات حل کرنے کے مشورے دیئے' مقدمات میں وہ فیصلے دیئے جن سے اسلامی شریعت کے تمام تقاضے پورے ہوئے' علمی بصیرت اور علم لدنی کے چراغ روشن کئے' اپنے دور خلافت میں بھی جنگوں میں شرکت کے باوجود منشاء پیمبری ادا کرتے رہے اور آخر میں جام شہادت نوش کیا۔ شہادت کے بعد ملوکیت نے ایسے قدم جمائے کہ جس کی زنجیروں میں ہم آج تک

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۳۳ ص ۷۲ طبع بیروت

جکڑے ہوئے ہیں۔

میں واقعات کے تاریخی تسلسل' ان کے ارتباط اور نفسیاتی ردعمل کو برقرار رکھنے کا اہل تو نہیں لیکن واقعات کی صحت ودرستی کی خاطر میں نے بغیر حوالہ دیئے کوئی بات نہیں کی۔ ان تمام شواہد کو جو میری دسترس میں تھے نہایت ایمانداری اور غیر جانبداری سے پرکھا اور پیش کر دیا۔ اس میں نہ فنکارانہ مہارت ہے' نہ حیرت انگیز بیان' مسلم الثبوت تاریخی حقائق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ میں اتحاد بین المسلمین کا قائل ہوں۔ طرز بیان چاہے گراں خواہ' بے لطف و بے مزہ ہی کیوں نہ ہو میں نے ہر قسم کے استعارے اور مبہم عبارات سے گریز کیا ہے۔ بعض کتب کے حوالوں سے کہیں کہیں تنقیدی وجوہات کی بناء پر معاصرین کے نقطہ نظر سے اختلاف کرنا پڑا ہے لیکن اس میں دل آزاری کا کوئی پہلو نہیں۔ فطرت انسانی سے مجبور مختلف کتابوں میں درج عقیدے کی کشمکش سے بچ کر نکلنا آسان کام نہ تھا۔

خدانخواستہ اگر عقیدت مند بھائیوں کے عقیدے کسی مستند تاریخ کے حوالے سے بھی مجروح ہوں اور گراں گزریں تو ان سے معذرت خواہ ہوں۔ یہ قصور تالیف لکھنے والے کا نہیں کتابوں میں موجود مواد کا ہوگا۔

بڑھاپے میں غلط نویس بھی ہوگیا ہوں اکثر الفاظ وحروف چھوڑ جاتا ہوں۔ کسی غلطی یا بیان میں کوتاہی کی نشاندہی پر دستاویزی استدلال سے اس کی تصحیح بھی ہوسکتی ہے۔

میں اپنے بیٹے ڈاکٹر کلیم' تمام اعزہ واحباب بالخصوص ہیوسٹن امریکہ میں مقیم سید قیصر مہدی صاحب اور کراچی میں مقیم ماجد حسین صاحب کا مشکور ہوں' جنہوں نے کتاب کی تیاری میں مفید مشورے دیئے اور نظر ثانی کی۔ اپنے بیٹے فہیم کاظمی کی

صلاحیتوں کا معترف ہوں کہ پچھلی کتابوں کی طرح اس کتاب کا بھی سرورق تیار کیا۔

آخر میں قابل صد احترام علامہ رضی جعفر نقوی کا بیحد ممنون ہوں کہ اپنے قیمتی اوقات میں نہ صرف مسودہ کتاب کا مطالعہ کیا بلکہ ضروری ترمیم کے ساتھ اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا۔ خدا ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ آمین۔

علامہ طالب جوہری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید نے جو تبصرے لکھے ہیں وہ میرے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ خدا انہیں خوش رکھے اور مزید درجات بلند کرے آمین۔

پروردگار! تیری بارگاہ میں نذرانۂ تشکر ادا کرتے ہوئے یہ کتاب عوام کے لئے پیش کر رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ تو پیغمبرؐ اسلام اور ان کی پاکیزہ آل پر رحمت نازل فرما جو سفینۂ نجات ہیں۔ تو نے جن ہستیوں پر صلوات کو نمازِ واجب کا اہم رکن قرار دیا ہے انہی کے وسیلے سے میں بھی دعا گوں ہوں کہ تو میرے اس عمل کو کارِ خیر قرار دے امت مسلمہ میں تفرقہ دور ہو اور اقبال کی زبان میں

ع۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے......

آمین و ثمہ آمین

والسلام

منظر کاظمی

۵ جنوری ۲۰۰۶ء

❁❁❁❁

حصہ اوّل

حضرت علیؑ۔۔۔۔مدینہ میں پچیس سال

(رحلت رسولؐ سے خلافت تک)

عالمگیر انسانی معاشرے کے ارتقاء سے لیکر دور حاضر تک تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشرہ حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک ہر دور کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہے جس کی رفتار ہمیشہ بڑھتی تو رہی لیکن اسے کم نہ کیا جاسکا۔ مادی ترقی کی رفتار جس تناسب سے بڑھتی گئی اخلاقی اقدار اور باہمی انسانی رشتے یا تو محدود ہوتے گئے یا ان میں مہلک اثرات شامل ہو کر غلط رجحانات پیدا کرنے کا سبب بنتے گئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان جب اشرف المخلوقات ہے تو عام ذہنی انتشار اور غیر یقینی حالات کے پھیلنے اور پیدا ہونے کی وجوہات کیا ہیں۔ تعصب و نفرت کی آگ کیوں بھڑکی اور انسانی رشتوں نے بکھر کر معاشرے کا نظام کیوں درہم برہم کر دیا۔

یہ ایک طویل داستان ہے جس کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ موضوع کے اعتبار سے بس اتنا سمجھ لیں کہ معاشرہ افراد سے بنتا ہے اور زیادہ تر افراد ذاتی مفاد کو مفاد عامہ پر فوقیت دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے کہ

زمانے نے نہ جانے کتنی کروٹیں بدلیں' نہ جانے کتنی آندھیاں چلیں اور گزر گئیں۔ سیلاب آئے اور گندگیاں بہاتے رہے لیکن ذاتی مفاد کے پتھر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ طاقت کو حق کا کلمہ پڑھانے والے کل بھی تھے اور آج بھی۔ حد تو یہ ہے کہ آج جبکہ دنیا تمدن اور تہذیب میں بڑے بلند درجے پر بتلائی جاتی ہے آج بھی طاقت ہی کا بول بالا ہے جس کے نتیجے میں نوع انسانی کے پرخچے اڑ رہے ہیں اور انسانیت و معاشرت کے دامن کی دھجیاں ہوا میں تحلیل ہو رہی ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی سارا عرب خون میں نہا رہا تھا۔ فرقہ وارانہ جنگیں اور قبائل کی نااتفاقیاں نئے نئے گل کھلا رہی تھیں۔ لوگ جہالت میں ڈوبے فحش اور ناپاک طریقہ ہائے عبادت کے ساتھ اوہام پرستی کا شکار تھے اور اپنے تمام بدوی اوصاف کے زیر اثر ظالم اور قانون شکن تھے تو اچھا معاشرہ کہاں سے آتا۔ وہ تو حضرت محمد مصطفیٰؐ نے تمدن اور معاشرت میں ایک انقلاب کا پیغام دیا اور اسی الٰہی پیغام کو اسلام کہتے ہیں۔ اسلام نے زندگی کے ہر حصہ میں انقلاب برپا کیا۔ نوع انسانی کو برادری اور برابری کا سبق پڑھایا۔ وہ حدود و امتیازات جن کی بنیاد پر خدا کی مخلوق کو اونچے اور نیچے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ان پر رسولؐ خدا نے جنگیں لڑیں' ان کے بھائی حضرت علیؑ اور اصحابؓ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور تمام لوگوں کو ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی گئی۔ اس طرح عرب میں جو قوم و نسل کے امتیاز کا خیال غالب تھا' غیر عرب کو ذلیل سمجھا جاتا تھا' اپنے قانونی احکام میں بڑے اور چھوٹے کا فرق قائم کر لیا تھا' اپنے بڑوں کی جانیں مہنگی اور چھوٹوں کی سستی کر دی گئی تھیں' خاندانی جاہ و حشم اور مال و دولت عزت کا معیار سمجھ لی گئی تھیں اور جوان نعمتوں سے محروم تھے ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا تو

آنحضرتؐ نے ان حدود اور امتیازات کو ختم کیا اور بڑائی کا ایک نیا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جو یہ تھا کہ آدمی سب ایک ہیں فرق صرف انسانی فرائض کے ادا کرنے میں ہے۔ جو ان فرائض کو سب سے زیادہ ادا کرے گا وہی سب سے بڑا آدمی ہے۔ یہ وہ فیصلہ تھا جس سے ان تمام لوگوں کے اقتدار کو کاری ضرب لگی جو عزت اور اقتدار کے بٹوارے میں بڑے حصہ دار تھے۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ رسولؐ کے مقابلہ میں قبیلہ بنی امیہ کا لیڈر ابوسفیان سب سے آگے تھا۔ حضرت علیؑ کی تلوار نے بدرؐ احد اور خندق کی جنگوں میں سب کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اور حضرت محمد مصطفیؐ کے سامنے سب نے سرخم کر دیا۔ بظاہر اسلام قبول کیا بباطن دل کا چور سر اٹھانے کے مواقع تلاش کرتا رہا۔

افسوس کہ پیغمبرؐ کی زندگی نے زیادہ ساتھ نہیں دیا اور ۱۱ھ میں آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جس مشن کے لئے آپؐ اٹھے تھے وہ مکمل ہو گیا جس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ دین کامل ہونے کی سند بھی اللہ نے بذریعہ آیت بھیج دی' کچھ لوگ عملی طور سے اس کے پابند بھی ہو گئے مگر جمہور کی ذہنیت تبدیل ہونے اور اس تبدیلی کے پائیدار ہونے میں خاصی مدت درکار ہوتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ لبادۂ اسلام میں سرداران عرب اور امراء مانع رہے۔

۱۱ھ میں آنحضرتؐ کی وفات پر حسب وصیت علیؑ نے آپ کے غسل وکفن او رتجہیز و تدفین اور نماز جنازہ کا شرف حاصل کیا اور اس طرح جو رفاقت روز ولادت علیؑ سے شروع ہوئی تھی وہ وفات سرکار کائنات تک غیر متزلزل رہی اور جب علیؑ مسجد کوفہ میں سجدہ کی حالت میں ۱۹ رمضان کی صبح ابن ملجم کے ہاتھوں زخمی ہو کر ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو خاک نجف اشرف میں پنہاں ہوئے اس وقت تک کسی لمحہ علیؑ نے

اتباعِ رسولؐ کی راہ نہیں چھوڑی' خواہ وہ جمع قرآن کا کام ہو یا تفسیر وتشریح کا' جمع احادیث واحکام فقہ کا کام ہو یا نشر علوم محمدیؐ کا' قضا وفصل قضا کا کام ہو یا خلفائے مسلمین کو مشورے دینے اور خود خلافت مسلمین کے بار اٹھانے کا' ان تمام مراحل میں علیؑ کے قول وفعل وعمل سے آغوش وتربیت رسولؐ کی خوشبو آتی رہی۔

علیؑ نے فقہ اسلام میں ایک اہم باب کا اضافہ کیا اور وہ "باغیانِ حکومت اسلامی" کے متعلق احکام ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ اسلام کی پہلی کتاب جو تعلیمات واحکام نبوی پر مشتمل تھی اور ایک پوست پر لکھی ہوئی تھی وہ علیؑ کی تالیف وتدوین تھی جو آپ نے سب کو دکھائی تھی اور اس میں دیت کے احکام بھی تھے۔ یعنی وہ قرآن مجید کے علاوہ توریت وانجیل پر بھی حاوی تھے۔

آپ نے اپنے شاگردوں کو علم وادب کی تصنیف وتالیف کی بھی تربیت دی مثلاً ابوالاسود دوئلی سے علم صرف ونحو اور قواعد زبان عرب مرتب کرائے تاکہ غیر عرب مسلمان تلاوت قرآن میں غلطی سے محفوظ رہیں۔

آپ کو رسولؐ نے اپنے علم کا دروازہ کہا تھا۔ آج جو علوم اسلامی کہلاتے ہیں ان سب کا سلسلہ آپ تک منتہی ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا حکم تھا کہ علیؑ کی موجودگی میں نہ کوئی اور فتویٰ دے نہ مقدمہ کا فیصلہ کرے۔ حضرت عمرؓ ان کے عدالتی فیصلوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کے مطابق اپنے انتظامی احکام میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ قانون کی بالادستی اور آزاد عدلیہ کا تصور بھی ہم کو اسلام نے عطا کیا ہے اور اس پر عمل میں علیؑ ابن ابی طالب کی ذات مثالی نمونہ ہے۔ (۱)

۱۔ ماخوذ از مضمون "باب مدینۃ العلم کا فیض آج بھی جاری وساری ہے" تحریر ضیاء الحسن موسوی "روزنامہ جنگ یوم علیؑ ایڈیشن" ۱۹۷۴ء

پیغمبرِ اسلامؐ کو اللہ نے صرف اتنی مہلت دی کہ شریعت اسلامی کے اہم اصولوں اور فقہ اسلامی کی بنیادی تفصیلات کو عام کر دیا اور اللہ نے ولایت علیؑ کے اعلان کے بعد اپنی آیت کے ذریعہ دین کے مکمل ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔ دین کے اعلان پر عمل کرنے کے لئے نبوت کی طرف سے قدرتی اور روحانی قائم مقام امامت میں علیؑ نے جو ایمان کے پھول کھلائے ان میں علم وعمل کا گہوارہ، تہذیب وتمدن کا منبع، ایثار و اخلاق حسنہ کا مینار اور نظم وضبط کا معیار سمجھا جانے لگا۔

خلافت کے مسئلہ پر مختلف روایات ملتی ہیں۔ رسولؐ خدا کے غدیر خم میں اپنا وصی حضرت علیؑ کو مقرر کرنے کے باوجود خلافت قائم ہوئی جس کے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ ہوئے اور ان ہی سے خلفاء راشدہ کا سلسلہ قائم ہوا۔ علیؑ بیعت کرنے کے جبر پر بھی بیعت کے منکر رہے۔ چھ ماہ ناراضگی بھی رہی لیکن خلفاءؓ نے اپنا لہجہ درست کیا تو علیؑ نے بھی فرائض امامت نبھاتے ہوئے پورے دورِ خلافت میں اپنا دست تعاون بڑھا دیا اور خلفاءؓ نے کھلے دل سے حضرت علیؑ کی مدح سرائی کی جس کی تفصیل مناسب مقامات پر آئے گی۔

مولانا مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے معتبر روایات کی رو سے شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کے پورے دورِ خلافت میں ان تینوں حضرات ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ تعاون کیا اور ان کے درمیان محبت کے تعلقات رہے۔ انہیں وہ روایات کمزور محسوس ہوتی ہیں جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے خلیفہ بنائے جانے پر ناراض تھے۔(۱) نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے احتجاج کا ذکر ملتا

۱۔ ''خلافت وملوکیت'' صفحہ ۳۴۷

ہے اور یہ بھی کہ انہوں نے رسولؐ کی ہدایت پر صبر سے کام لیا۔ تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ اپنے نیک مشوروں اور صلاحیتوں ہی کی بنیاد پر ان کے انکار کے باوجود انہیں چوتھا خلیفہ بنایا گیا۔ انہوں نے عرصہ بعد حضورؐ کے طرز کی طرۂ امتیاز خلافت قائم کی جو اس وقت کے مال و دولت کے پجاریوں کو پسند نہ آئی اور انہیں شہید کر دیا گیا بقول مودودی صاحب خلافت نے ملوکیت کا تاج پہن لیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جس طرح بقول مولانا مودودی پہلے "حضرت طلحہ و زبیر نے مجبوراً بیعت کی تھی اور کہا تھا کہ ہمارے ہاتھوں نے علیؓ کی بیعت کی مگر ہمارے دلوں نے بیعت نہیں کی" (۱) اسی طرح امام حسنؓ سے صلح نامہ سے منکر ہو کر حضرت علیؓ کے ہاتھوں اپنے والئی شام ہونے کی برطرفی کا غبار دل سے نکالنے کے لئے امیر معاویہ نے حضورؐ اور خلفاء راشدینؓ کے مشن کو کمال مطلوب تک نہ پہنچنے دیا جس کے باعث خلافت اور ملوکیت میں حد فاصل تھا۔ ملکویت کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے انہوں نے اپنے فرزند یزید کو خلیفہ بنا دیا جس نے معاشرے کو ایک بار پھر پرانے ڈگر پر پہنچا دیا جس کا نتیجہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ یزید کی ولی عہدی کے بارے میں ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ "سب سے زیادہ حیرت مجھے اس استدلال پر ہے جس سے یزید کی ولی عہدی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض حضرات یہ تو مانتے ہیں کہ اس کارروائی سے برے نتائج برآمد ہوئے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ اگر یزید کو جانشین نامزد کر کے اپنی زندگی ہی میں اس کے لئے بیعت نہ لے لیتے تو ان کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی اور قیصر روم چڑھ آتا اور

۱۔ "خلافت وملوکیت" صفحہ ۳۴۰

اسلامی ریاست ہی کا خاتمہ ہو جاتا' اس لئے ان بدترین نتائج کی بہ نسبت وہ نتائج کم تر ہی برے ہیں جو یزید کے ولی عہد بنانے سے رونما ہوئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر فی الواقع حضرت معاویہ کا یہ خیال تھا کہ ان کے بعد کسی جانشینی کے لئے امت میں خانہ جنگی برپا نہ ہو' اور اس بناء پر وہ یہ ضرورت محسوس فرماتے تھے کہ اپنی زندگی ہی میں اس کا فیصلہ کر کے اپنے ولی عہد کے لئے بیعت لے لیں تو کیا اس نہایت مبارک خیال کو عمل میں لانے کی یہ صورت اختیار نہ فرما سکتے تھے کہ بقایائے صحابہ اور اکابر تابعین کو جمع کرتے اور ان سے کہتے کہ میری جانشینی کے لئے ایک موزوں آدمی کو میری زندگی ہی میں منتخب کر لو اور جس کو وہ لوگ منتخب کرتے اس کے حق میں سب سے بیعت لے لیتے؟ اس طریقہ کار میں آخر کیا مانع تھا؟ اگر حضرت معاویہ یہ راہ اختیار کرتے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خانہ جنگی پھر بھی برپا ہوتی اور قیصر روم پھر بھی چڑھ آتا اور اسلامی ریاست کا خاتمہ کر ڈالتا''۔(۱)

یزید نے اسلام کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ امامت نے پھر ایک بار آگے بڑھ کر اسلام کی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ علیؑ کے جانشین حسینؑ نے جان کا نذرانہ پیش کر کے پیغمبرؐ اسلام کے دین کی حفاظت کی۔ علیؑ اور ان کے فرزندان کو لوگ آج بھی اسی طرح یاد کرتے ہیں کہ بقول شاعر:

علیؑ کا ذکر محمدؐ کا نام باقی ہے
حسینؑ تجھ سے خدا کا کلام باقی ہے

معاشرہ جسے یزید نے تباہ کیا تھا وہ بدستور قائم ہے اور اسی لئے مجھے چند حقائق پر

۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت) صفحہ ۳۴۶۔۳۴۷

روشنی ڈالنی پڑی ورنہ میرا موضوع سخن تو محدود ہے۔ آیئے تفصیل سے حضرت علیؑ کی ان خدمات کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے وفات پیغمبرؐ سے اپنی خلافت تک انجام دیں۔

اس سلسلے میں مجھے کئی منازل سے گذرنا ہوگا۔ سب سے پہلے نبوت، رسالت، امامت اور خلافت پر مختصر روشنی ڈالنی ہوگی اس کے بعد رسالت کی منزل آخر سے لیکر بات آگے بڑھے گی۔ یہ ذکر ہوگا کہ خلیفہ نہ ہوتے ہوئے بحیثیت امام حضرت علیؑ نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے جنہیں نہ جانے کیوں لوگ ان کی پچیس سالہ خاموش زندگی کہتے ہیں۔

نبوت' رسالت' امامت اور خلافت

ملحدوں کو چھوڑ کر ساری دنیا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات' انسان اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے جن سے اشرف المخلوقات انسان دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔ خالق کائنات نے سورۂ بقرہ آیت ۱۰۷ میں اعلان کیا ''کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے''۔ سورۂ الفرقان آیت ۲ میں کہا ''اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے''۔ سورۂ انعام آیت ۵۷ میں بتایا کہ ''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ کے''۔

زمین پر اللہ کی بادشاہی میں حضرت آدمؑ سے لیکر ختم المرسلینؐ کے دور تک کافر ہوں یا نام کے مسلمان' یہود ہوں یا نصاری کفر سازی کی صنعت کو فروغ دیتے رہے جس کے حوالے سے اکثر تفاسیر میں اسے عربوں کی جہالت کہا گیا جسے دیکھ کر بعض دور جدید کے محققین بھی کہنے لگے کہ اس دور کی جہالت ہی دور کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے لیکن ان محققین کا آج کی دنیا کے بارے میں کیا خیال ہے۔ ظہور اسلام کے بعد کا کچھ عرصہ چھوڑ کر خلافت راشدہ کے بعد جس جہالت کی

نت نئی اقسام نظر آتی ہیں ان کے سامنے تو عربوں کی جاہلیت ماند پڑ گئی۔قرآن مجید کی پیش گوئیاں اسی دور کی عکاسی کرتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ عرب کی جاہلیت میں جنگ اور غارتگری کا بازار گرم رہتا تھا۔ خوں ریزی روج پر تھی زیادہ تعداد میں لوگ مجروح اور معذور ہو جاتے تھے۔کیا یہ سب کچھ آج نہیں ہو رہا؟ عرب کی جاہلیت میں عورتیں زینت اور بناؤ سنگھار میں دوپٹے کا استعمال اس طرح کرتیں کہ گلا گردن کا ہار اور سینہ نمایاں ہوتا تھا تو کیا یہ آج کے دور میں نہیں؟ آج کے دور میں تو بعض ''برہنوں کے کلبوں'' میں جو امریکہ اور انگلستان میں موجود ہیں لوگ برہنہ ہو کر جاتے ہیں۔ساحل سمندر کے ہٹوں' سوئمنگ پولوں اور اب تو شارع عام پر نظر آنے والی اخلاق باختگی کا اظہار کرنے میں شرم آتی ہے۔بڑے بڑے شریف گھرانوں میں دوپٹہ تو تقریباً ناپید ہو رہا ہے' اخلاق سوز حرکات بھی ڈھکی چھپی نہیں۔

''عربوں کی جاہلیت کے دور میں ''جھنڈے تلے والی بدمعاش عورتیں'' گناہ کی دعوت دیتی ہوئی اپنے مکانوں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں تو ہماری صدی کی جہالت میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اس بارے میں مخصوص روزناموں میں ایسے مطالب شائع کرتے ہیں جن کے ذکر سے قلم شرماتا ہے اور اس کے مقابلے میں عربوں کی جہالت' شرافت نظر آتی ہے''۔(۱)

آج کے دور کا انسان شاید یہ بھول گیا ہے کہ ہماری حیات دو طرح کی ہے۔ ایک حیاتِ دنیا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورتوں میں بار ہا آیا ہے۔یہ دنیا عارضی اور

ا۔تفسیر نمونہ''بیسویں صدی کی جاہلیت''صفحہ ۳۴

مائل بہ پستی اور فانی ہے دوسری دنیا حیاتِ آخرت اور زندگیٔ جاودانی ہے۔ دنیائے فانی کی نعمتوں کی لالچ میں جو لوگ کفر کو ایمان پر اور شرک کو توحید پر ترجیح دیتے ہیں وہ گھاٹے کا سودا کرتے ہیں اور وہ شخص جس کا ضمیر بیدار ہے اور خدا کے نیک وعدوں پر یقین رکھتا ہے اور عملِ صالح کو ترجیح دیتا ہے اس کی حیاتِ آخرت میں نعماتِ جنت ہیں۔ دراصل ان ہی حقائق کو بتلانے انبیاء ورسول آئے اور الٰہی احکام کو عمل کر کے سمجھایا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ جب آخری رسولؐ تھے تو کیا اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے ہدایت کے دروازے بند کر دیئے؟ ایسا ناممکن ہے اس سلسلے میں خالقِ کائنات نے امام مقرر کئے۔ اس سلسلے کی ۳۲ روایات علل الشرائع میں شیخ الصدوق علیہ الرحمۃ نے صفحہ ۲۲۶ سے ۲۳۲ تک پیش کی ہیں جن میں سے طوالت سے پرہیز کرتے ہوئے صرف ایک روایت درج کر رہا ہوں:

''میرے والد رحمۃ اللہ نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے محمد بن یحیٰی نے روایت کرتے ہوئے عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ سے انہوں نے محمد بن ابراہیم سے انہوں نے زید شحام سے انہوں نے داؤد بن علا سے انہوں نے ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اس وقت سے لے کر تا قیامت زمین کبھی امام عادل سے خالی نہیں رہے گی اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت تمام کرنے کے لئے۔''

تاریخ بتلاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آنحضرتؐ پیغمبر ہونے کے ساتھ مقام امامت پر بھی فائز تھے۔ حضورؐ کی رسالت تو آخری تھی لیکن امامت کا تسلسل تو قائم رہنا تھا جو بہ مصداق دعائے ابراہیمؑ منجانب اللہ ہے۔ اور آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو منجانب

اللہ امامت کا منصب عطا کر دیا۔ یہ حقیقت قرآن کی آیات سے بھی واضح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ یٰسین آیت ۱۲ میں فرماتا ہے "وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْن" (ہم نے ہر چیز کا علم امام مبین کو دے دیا) یہ امام مبین کون ہیں۔ ینابیع المودۃ ص ۷۷ پر علامہ قندوزی نے امام حسنؑ سے اور امام حسینؑ نے آنحضورؐ سے روایت کی ہے کہ "صحابہؓ نے آنحضورؐ سے سوال کیا کہ کیا امام مبین سے مراد تورات ہے انجیل ہے یا زبور ہے؟ اتنے میں میرے بابا حضرت علیؑ تشریف لے آئے۔ آنحضورؐ نے دیکھ کر فرمایا۔ یہ ہے وہ امام مبین جسے اللہ نے ہر چیز کا علم دیا ہے"۔ اسی طرح کی دوسری روایت بھی علامہ قندوزی کی ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھا۔ ہم وادی نمل سے گزرے۔ میں نے چیونٹیوں کو دیکھ کر ازراہِ تعجب کہا۔ وہ ذات پاک ہے جو ان کی تعداد جانتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسا مت کہو۔ بلکہ یوں کہو وہ ذات پاک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد جاننے والا شخص موجود ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ جانتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میں ان میں سے نر اور مادہ کو بھی جانتا ہوں۔ عمار بھلا تم نے سورہ یٰسین آیت ۱۲ نہیں پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا: عمار میں ہی وہ امام مبین ہوں جسے اللہ نے تمام علم سے نوازا ہے۔"(۱)

سورہ مائدہ کی آیت ۱۲ میں ہے "وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا" اللہ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا ہے ہم نے بنی اسرائیل میں بارہ نقیب مبعوث کئے ہیں۔

غایۃ المرام صفحہ ۲۴۴ میں علامہ بحرانی نے ابوالحسن محمد ابن شاذان سے اہلسنت

۱۔ "علی فی القرآن" مولف آقائے سید صادق حسینی شیرازی مترجم علامہ اشیر جاڑوی صفحہ ۱۹ ۳

کے سلسلہ سند سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ کے ایک خطبہ میں جابر ابن عبداللہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کی قبلہ آپ کے بعد آئمہ کی تعداد کتنی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ''جابر تو نے ایک بات پوچھ کر پورے اسلام کا سوال کر دیا ہے۔ اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے۔ میرے بعد میرے اوصیاء اور تمہارے آئمہ کی تعداد نقیب ہائے بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر ہوگی۔ اے جابر امام بارہ ہیں جن میں پہلا علیؑ ابن ابی طالب اور آخری قائم حجتؑ ہے'' (۱)

قرآن کی آیات اور آنحضرتؐ کے اقوال کے بعد یہ تو طے ہے کہ کوئی دور بغیر امام نہیں رہ سکتا جس کی بارہ کڑیوں میں اول حضرت علیؑ ہیں اور آخری قائم حجتؑ ہیں جو مشیت ایزدی سے حضرت عیسیٰؑ کی طرح پردہ غیب میں ہیں۔ (۲) خلافت کے سلسلہ میں جہاں بعض مولفین نے لکھا ہے کہ رسولؐ نے رحلت کے وقت کوئی وصیت نہیں چھوڑی وہیں جیسا اوپر بیان ہو چکا یہ بھی درج کیا ہے کہ حضرت علیؑ منجانب اللہ امام تو تھے ہی وہ دنیاوی خلافت کے پانچ خلفاء میں بھی شامل تھے۔ اول خلیفہ حضرت ابوبکرؓ دوسرے حضرت عمرؓ تیسرے حضرت عثمانؓ چوتھے حضرت علیؑ اور پانچویں حضرت حسنؑ۔ تاریخی اعتبار سے ان خلفاء کی حکمرانی سے انکار بھی ممکن نہیں جن کے بعد ملوکیت شروع ہوگئی۔ یہاں یہ ضروری ہے کہ نبوت' رسالت' امامت اور خلافت کے معین کاموں کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

۱۔ ''علی فی القرآن'' صفحہ ۱۱۱۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۶۹۱ پر اماموں کے نام درج ہیں۔

۲۔ ''ائمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ'' تالیف استاد عادل ادیب اردو ترجمہ صفحہ ۴۲۷

مقام نبوت

''خدا کی طرف سے وحی حاصل کرنا۔ لہٰذا نبی وہ ہے جس پر وحی نازل ہو اور جو کچھ وحی کے ذریعہ معلوم ہو لوگوں تک پہنچا دے۔

کارِ رسالت

یعنی مقامِ ابلاغِ وحی، تبلیغ و نشرِ احکام الٰہی اور تعلیم و آگہی سے نفوس کی تربیت۔ لہٰذا رسول وہ ہے جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ماموریت کے خطے میں جستجو اور کوشش کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور ہر ممکن ذریعے سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دے اور لوگوں تک اس کا فرمان پہنچائے۔

مقام امامت

یعنی رہبری و پیشوائی اور امور مخلوق کی باگ ڈور سنبھالنا۔ درحقیقت امام وہ ہے جو حکومت الٰہی کی تشکیل کے لئے ضروری توانائیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ احکام خدا کو عملاً جاری اور نافذ کر سکے اور اگر فی الوقت باقاعدہ حکومت کی تشکیل ممکن نہ ہو تو جس قدر ہو سکے اجرائے احکام کی کوشش کرے۔

بالفاظ دیگر امام کا کام اور ذمہ داری احکام و قوانین الٰہی کا اجراء ہے جب کہ رسول کی ذمہ داری احکام الٰہی کی ترسیل وابلاغ ہے۔ دو لفظوں میں یوں کہئے کہ رسول کا کام ارائۃ الطریق ہے اور امام کی ذمہ داری ایصال الی المطلوب ہے۔(۱) رسول اکرمؐ ان تینوں عہدوں پر فائز تھے۔ وحی وصول کرتے، فرامینِ خداوندی کی تبلیغ کرتے

۱۔ تفسیر نمونہ جلد ۱، آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی ترجمہ مولانا سید صفدر حسین نجفی صفحہ ۳۲۱۔۳۲۲

نیز تشکیل حکومت اور اجرائے احکام کی کوشش کرتے اور ظاہری و باطنی طور پر بھی نفوس کی تربیت کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ امامت ہر جہت سے مقامِ رہبری کا نام ہے وہ مادی ہو یا معنوی' جسمانی ہو یا روحانی اور ظاہری ہو یا باطنی۔ امام حکومت کا سربراہ' لوگوں کا پیشوا' مذہبی رہنما' اخلاق کا مربی اور باطنی ہدایت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

مقام خلافت

خلافتِ اسلامی کا کام بھی ایک صالح اور مہذب نظام حکومت قائم کرنا' حاکمیت کے سلسلہ میں اسلام کا بنیادی نظام قائم رکھنا' قانونِ خداوندی کو اس کی اصل شکل میں انسانوں پر نافذ کرنا' قانون اور مجلسی مساوات قائم کرنا' تمام اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی اصلاح کرنا اور بجز رسالت و امامت کے مندرجہ بالا کاموں کے تشریعی' عدالتی یا انتظامی قیادت کی تمام ذمہ داریاں نبھانا بھی خلفاء کی ذمہ داری ہے۔

مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' صفحہ نمبر ۳۷۰ پر تصورِ خلافت کا ذکر سورۃ النور آیت ۵۵ کے حوالے سے کیا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ '' (اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیا ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں (مومنین صالحین کو خلیفہ بنایا تھا)۔

رحلت رسولؐ کے بعد جو خلافت راشدہ اسلامی دنیا میں رائج ہوئی اس میں پانچ خلفاء حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ تھے۔ حضرت حسنؑ کی مدت خلافت سب سے کم تھی جو چھ ماہ کی قلیل مدت پر منحصر تھی اور وہ خلافت

سیاستِ امیر معاویہ کا شکار ہوئی۔

مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' صفحہ نمبر ۱۵۸ پر درج کیا ہے کہ ''امیر معاویہ کو لوگوں نے خلیفہ نہیں بنایا' وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے' بلکہ اس کے معنی خونریزی اور بدنظمی کے تھے جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی۔ اسی لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری (ربیع الاول ۴۱ھ) کے بعد تمام صحابہؓ و تابعین اور علمائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اور اسی کو ''عام الجماعت'' اسی بنا پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی تو ختم ہوئی''۔

تاریخ کہتی ہے کہ ''حضرت معاویہ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اسی مرحلہ میں سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ درپیش ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب حضرت معاویہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیک ایھا الملک 'کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت معاویہ نے کہا اگر آپ امیر المومنین کہتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا ''خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی ہے اس طریقے سے اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا'' (۱) حضرت معاویہ خود بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ انا اول الملوک ''میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں (۲) بلکہ حافظ

۱۔ ابن الاثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۰۵

۲۔ الاستیعاب۔ ج ۱۔ ص ۲۵۴۔ البدایہ والنہایہ۔ ج ۸۔ ص ۱۳۵

ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہوگئی جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے'' (۳) مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ''معاویہ اوران کے بعد کے لوگ خلفاء نہ تھے'' (۴)

رسولؐ کا وصی اور جانشین

سیرت کی تقریباً تمام کتابوں میں اس امر پر اتفاق ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے بچپن ہی سے حضرت علیؑ کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کی اورانہیں روحانی وفکری طور پر اس طرح تیار کرتے رہے کہ حضورؐ کے بعد امت کی قیادت میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام کے تاریخی سفر کو منزل مقصود تک پہنچانے اور امت مسلمہ کی تعمیر و تربیت کے لئے علیؑ سے زیادہ علم ومعرفت رکھنے والا کوئی نہیں' فکری اور عملی قیادت کو وہی روشن ومنور رکھ سکتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں موجود اپنے خطبہ ''قاصعہ'' میں حضورؐ کے ساتھ اپنی قربت اور تربیت کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

''تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر ومنزلت کی وجہ سے ان کے نزدیک میرا مقام کیا تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود لیا تھا۔ اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے

۳۔ البدایۂ ج ۸ ص ۱۶ (مندرجہ ''خلافت وملوکیت'' ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۱۴۷۔۱۴۸)

۴۔ خلافت وملوکیت صفحہ ۳۴۰

تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مَس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے اور پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدسؑ) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاقِ حسنہ کو روشن فرماتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں پر میرے علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (ام المومنین) خدیجہؓ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ ان میں تیسرا میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔(۱)

استاد عادل ادیب کی تحقیق کہتی ہے کہ ''رسول اکرمؐ حضرت علیؑ کو خصوصی طور پر اسلام کے حقائق سے روشناس فرماتے تھے اور جب بھی آپ خواہش کرتے' حضورؐ آپ کو فکری و عملی غذا فراہم کرتے۔ آپ انہیں رات دن گھنٹوں تنہائی میں بٹھا کر اس عظیم مشن کے حقائق' راستے کی مشکلات اور طریق کار سے آگاہ فرماتے۔ یہ سلسلہ حضورؐ کی زندگی کے آخری دن تک قائم رہا''۔(۲)

عبداللہ امرتسری نے بھی ایک مشہور واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ ''ام المومنین حضرت

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۹۰

۲۔ ''آئمہ معصومین کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ'' صفحہ ۶۲ بحوالہ بحث حول الولایہ از محمد باقر الصدر

ام سلمہؓ کے گھر آنحضرتؐ تقریباً سارا دن حضرت علیؑ سے راز کی گفتگو کرتے رہے اور اس دوران حضرت اُم سلمہؓ کمرے کے باہر بیٹھی انتظار کرتی رہیں۔ بعد میں گفتگو کے خاتمہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب اُم سلمہؓ سے نہایت شفقت سے فرمایا کہ ''تم مجھے ملامت نہ کرنا' پروردگار کی طرف سے جبرئیلؑ آئے ہوئے تھے اور یہ حکم لائے تھے کہ میں علیؑ کو اپنے پیچھے وصیت کر جاؤں۔ میں علیؑ اور جبرئیلؑ کے درمیان واسطہ تھا۔ جبرئیلؑ میری داہنی طرف اور علیؑ میری بائیں جانب تھے۔ جبرئیلؑ نے مجھے سے کہا کہ میں علیؑ کو ان تمام امور سے آگاہ کر دوں جو میرے بعد قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اُم سلمہؓ تم مجھے معذور رکھو۔ خدا نے ہر ایک امت کے لئے ایک نبی مقرر کیا ہے اور نبی کے لئے ایک وصی ہوتا چلا آیا ہے اور علیؑ میرے بعد میری عترت کے اہلبیت و میری امت میں میرا وصی ہے۔''(۱)

ام المومنین جناب اُم سلمہؓ کے بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ خدا نے ہر امت کے لئے بقول رسولؐ ایک نبی مقرر کیا ہے اور نبی کے لئے ایک وصی ہوتا چلا آیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت علیؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی عترت کے اہلبیت اور ان کی امت کے وصی ہیں۔

پہلی بات کی وضاحت تو اس سے ہو جاتی ہے کہ ہر نبی نے اپنا وصی اور جانشیں چھوڑا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کی فہرست میں تو ہمیں سو سے زائد کے نام بھی معلوم نہیں لیکن جتنے انبیاء کے تذکرے ملے ہیں اس میں انبیائے سلف کی سنت پڑھی جا سکتی ہے جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔

۱۔ ارجح المطالب باب چہارم ص ۶۹۳۔۶۹۴' از خطیب خوارزمی' کتاب المناقب ص ۱۱۰

☆ ''حضرت آدمؑ کی رحلت کا زمانہ آیا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت شیثؑ کو بلا کر ان کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ حضرت آدمؑ موت سے قبل گیارہ دن بیمار رہے۔ حضرت شیثؑ کو انہوں نے اپنا وصی مقرر کیا اور وصیت نامہ لکھ کر حضرت شیثؑ کے حوالے کر دیا۔''(۱)

☆ ''حضرت شیثؑ نے اپنے بیٹے انوش اور انوش نے اپنے بیٹے قینان اور قینان نے اپنے بیٹے مہلائیل اور مہلائیل نے اپنے بیٹے یرد اور یرد نے اپنے بیٹے خنوع کو جن کا لقب یا عرف ادریسؑ تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے متوشلخ کو اور متوشلخ نے اپنے بیٹے لمک کو مقرر کیا۔''(۲)

☆ ''متوشلخ کے بارے میں علامہ طبری لکھتے ہیں کہ جب اس کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے لمک کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اسے وصی قرار دیا جس طرح سے کہ ان کے آباء و اجداد خود اپنا جانشین مقرر کرتے چلے آئے تھے۔ یہ لمک حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے۔''(۳)

☆ ''جب حضرت نوحؑ کا آخری وقت آیا تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ: ''دنیا کو تم نے کیسا پایا؟'' جواب دیا: ''مثل اس گھر کے جس کے دو دروازے ہوں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا اور انہوں نے اپنے بیٹے سام کو اپنا جانشین اور وصی مقرر کیا۔''(۴)

☆ ''حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ولی عہد و خلیفہ حضرت اسحٰقؑ کو خود مقرر کیا۔ حضرت اسحٰقؑ

---

(۱)۔ طبری (تاریخ امم الملوک) (۲) ابن الاثیر نے تاریخ الکامل میں مکمل طور پر اس سلسلہ تقرری کو تحریر کیا ہے۔

(۳) تاریخ طبری الجزء الاول صفحہ ۸۷ (۴) تاریخ الکامل الجزء الاول صفحہ ۲۶۔

نے اپنے فرزند حضرت یعقوبؑ کو اور حضرت یعقوبؑ نے اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کو (حالانکہ ان سے بڑے بھائی بھی تھے) اپنا جانشین مقرر کیا۔"(۱)

☆ "علامہ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کا مصر میں اپنی اولاد کے ساتھ سترہ برس قیام رہا اور آپ نے حضرت یوسفؑ کو اپنا وصی و جانشین مقرر کیا۔"(۲)

☆ "حضرت یوسفؑ نے جس روز انتقال کیا اس وقت ان کی عمر ایک سو دس برس کی تھی اور انہوں نے اپنے بھائی یہودا کو اپنا وصی و جانشین مقرر کیا۔"(۳)

☆ "حضرت ایوبؑ نے بھی اپنا خلیفہ و جانشین خود مقرر کیا۔"(۴)

☆ "حضرت ایوبؑ کی عمر ۹۳ سال کی ہوئی اور اپنی موت کے وقت انہوں نے اپنے بیٹے حومل کو اپنا وصی و جانشین مقرر کیا۔"(۵)

☆ حضرت موسیٰؑ نے بھی اپنا جانشین خود ہی مقرر کیا جو کلام پاک سے بھی ثابت ہے۔ اول حضرت ہارونؑ کو اور جب انہوں نے انتقال کیا تو پھر حضرت یوشع بن نون کو۔"(۶)

☆ "حضرت یوشعؑ بن نون نے اپنا وصی و خلیفہ کالب بن یوقنا کو مقرر کیا۔ کالب نے بھی اپنا جانشین خود ہی مقرر کیا یعنی اپنے بیٹے یوساقوس کو"(۷)

☆ "حضرت الیاسؑ نے الیسع کو خود خلیفہ و وصی مقرر کیا' حضرت الیسعؑ نے ذی الکفل کو مقرر کیا۔"

☆ "حضرت شعیاؑ کے خلیفہ کو بھی خدا نے ہی مقرر کیا اور اس کا نام سیتہ بن الموس تھا"

---

(۱) تاریخ روضۃ الصفا' جلد اول صفحہ ۶۲-۶۳ (۲) تاریخ طبری الجزء الاول صفحہ ۱۷۲ (۳) تاریخ طبری' تاریخ الکامل۔ روضۃ الصفا (۴) تاریخ طبری' تاریخ الکامل۔ روضۃ الصفا ۵۔ تاریخ الکامل۔(۶) تاریخ طبری (۷) روضۃ الصفا

☆ ''حضرت داؤدؑ نے اپنی عمارت کو مکمل کرنے سے قبل ہی انتقال کیا اور خلافت کی نسبت وصیت اپنے بیٹے جناب حضرت سلیمانؑ کی طرف کی۔ جب حضرت داؤدؑ نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمانؑ نے حضرت داؤدؑ کی سلطنت و نبوت و علم اپنے ورثہ و قبضہ میں لیا۔ حضرت داؤدؑ کے ۱۹ فرزند تھے لیکن ان کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے اور باقی فرزندانِ داؤدؑ وارث نہیں ہوئے۔''(۱)

☆ ''حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا وصی و خلیفہ بحکم خداوندی خود ہی مقرر کیا اور وہ شمعونؔ تھے۔''(۲)

☆ ''یوشعؑ نے بنی اسرائیل پر کالبؔ بن یوقنا بن عیسےٰ بن یہوداؔ بن یعقوب علیہ السلام کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ کالبؔ سب سے زیادہ زاہد تھے اور بنی اسرائیل میں سب سے عمدہ سیرت جمیلہ ان کی تقلید میں جاری ہوگئی۔ بنو اسرائیل ان کی اطاعت کرتے تھے یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی۔ پس اس نے بنی اسرائیل کے اوپر اپنے بیٹے یوشافاش کو خلیفہ مقرر کیا۔ جب یوشافاش کا انتقال ہوا تو حکومت و خلافت عیزار بن ہارون کی طرف گئی۔ یوشافاش نے کہا ''اے بنی اسرائیل میں نے تم پر اپنے اس بیٹے کو خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔''(۳)

☆ علامہ مسعودی تحریر فرماتے ہیں ''پس اس طرح یہ وصیت ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک منتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس نور کو صلبِ عبدالمطلب میں اور حضرت عبداللہ والد ماجد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ودیعت کیا۔''(۴)

---

(۱) ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل (۲) روضۃ الصفا (۳) محمد بن عبداللہ الکسائی قصص الانبیاء (۴)۔ برائے تفصیل حیدر کرار سید فضل حسین شاہ مشہدی ص ۱۵۰ و ۱۵۱۔

''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کچھ پیغمبر ایسے گزرے ہیں جو اپنے کو پوشیدہ رکھتے تھے اسی سبب سے ان کا ذکر قرآن مجید میں مخفی رکھا گیا ہے اور ان کا نام نہیں لیا گیا اور کچھ پیغمبر ایسے تھے جو اپنے کو ظاہر کرتے تھے اسی لئے ان کا نام لیا گیا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے: ''وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْکَ'' (سورۃ نساء آیت ۱۶۴۔ اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کے احوال ہم نے سنائے تجھ کو اس سے پہلے' اور ایسے رسول جن کے احوال نہیں سنائے تجھ کو۔ جن کا نام نہیں لیا گیا وہ پوشیدہ رہے۔)

(حکم خدا ہے) ہرگز زمین کو نہیں چھوڑوں گا مگر یہ کہ کوئی عالم رہے جس سے میرا دین اور عبادت کا طریقہ لوگ سمجھیں جو ان لوگوں کی نجات کا سبب ہو جو ایک نبی کی موت کے وقت سے دوسرے نبی کے مبعوث ہونے تک پیدا ہوتے ہیں۔ سامؑ کے بعد ہودؑ نبی ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ہودؑ کے درمیان بعض مخفی پیغمبر تھے اور بعض ظاہر بظاہر مبعوث تھے اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ایک پیغمبر بھیجے گا جس کا نام ''ہودؑ'' ہوگا۔ (چنانچہ اللہ نے بھیجا) وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (سورہ اعراف آیت ۶۵) اور قوم عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہودؑ کو'' (۱)

جب اپنے دین کے لئے اللہ اپنی زمین کو ہدایت کرنے والے کے بغیر ایک دن بھی نہیں چھوڑ سکتا تو اپنے آخری رسول کا بغیر ولی مقرر کئے کیسے چھوڑ دیتا۔ رسولؐ کے انتقال کے وقت کیا رسولؐ کا سابق انبیاء کی طرح منشائے الٰہی کے مطابق ولی نہ ہوگا۔ جب رسالت ختم تھی تو اس عہدہ اور ملت کے سنبھالنے کا منصب' امامت کو نہ مل

۱۔ ''کمال الدین وتمام النعمہ'' تالیف شیخ الصدوق علیہ الرحمہ صفحہ ۲۴۰

گیا ہوگا جس کے لئے حضرت علیؑ موجود تھے۔ اس لئے علیؑ بحیثیت امام نبوت کی نمائندگی اللہ کی مرضی سے کر رہے تھے جبکہ رسولؐ کی مقبول حدیث ہے۔ ''ان علیا من وانا منہ وھو ولی کل مومن من بعدی (علی مجھ سے ہیں میں علی سے ہوں وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں)۔(۱)

دور جدید کے محقق ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ''حضرت علیؑ وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد امام نامزد کیا تھا اور وہ بر بنائے نص امام تھے'' (۲) امامت کے لئے انہوں نے لکھا کہ ''امامت (جو خلافت کے بجائے ان کی مخصوص اصطلاح ہے) مصالح عامہ میں نہیں ہے کہ امت پر اس کا انتخاب چھوڑ دیا جائے اور امت کے بنانے سے کوئی امام بن جائے بلکہ وہ دین کا ایک رکن اور اسلام کا بنیادی پتھر ہے اور نبی کے فرائض میں سے یہ ہے کہ امام کا انتخاب امت پر چھوڑنے کے بجائے خود بحکم صریح اس کو مقرر کرے۔'' (۳)

ان تمام حقائق کو جاننے کے بعد اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آخری رسولؐ نے اپنا نائب اور امام حضرت علیؑ کو مقرر کر دیا تھا۔ ''وہ زندگی بھر امت سے آپ کا تعارف کراتے رہے کبھی علیؑ مع القران و القران مع علیؑ کہہ کے کبھی علیؑ مع الحق و الحق مع علی، کبھی اتقاکم علیؑ کبھی اقضاکم علیؑ کبھی انا مدینتہ العلم و علی بابھا کبھی انا دار الحکمہ و علی بابھا، کبھی انت منی

۱۔ ترمذی و حاکم سے عمران بن حصین کی روایت (مندرجہ کشکول نیو جرسی امریکہ صفحہ ۲۶۲)۔

۲۔ ''خلافت و ملوکیت'' صفحہ ۲۱۲۔ بحوالہ الشہر ستانی ج ا ص ۱۰۸۔ ابن خلدون ۱۹۶۔ ۱۹۷ اشاعت ۲۵ جون ۱۹۹۸ء

۳۔ ''خلافت و ملوکیت'' صفحہ ۲۱۱۔ بحوالہ ابن خلدون۔ ص ۱۹۶۔ الشہر ستانی، ج ا، ص ۱۰۹۔

بمنزلہ ھارون من موسیٰ کہہ کے' کبھی مباہلہ میں لے جاکے' کبھی کل ایمان کہہ کے' کبھی اپنا بھائی بنا کے' کبھی سفینہ کی مثال سے نجات کی ضمانت دے کے' کبھی اپنا وزیر کہہ کے' کبھی اپنا خلیفہ کہہ کے' یہاں تک کہ آپ کی زندگی کا آخری سال آ گیا اور خدا کی طرف سے حکم ہوا'' **فاذا فرغت فانصب والی ربک فرغب** '' حج سے فراغت کے بعد (اپنا جانشین) مقرر کردو اور اپنے رب کی طرف مراجعت کرو۔ آپ نے حج کیا مگر اعلانِ خلافت کے لئے مسلمانوں کی ذہنیت کے پیش نظر متردد اور وحی الٰہی کے منتظر رہے لیکن کوئی وحی نازل نہ ہوئی اور آپ نے مراجعت فرمائی۔ غدیر خم پہنچے تو وحی نازل ہوئی'' **یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس** '' (اے رسول تم پر جو (حکم) نازل ہوا ہے اس کو پہنچا دو اگر ایسا نہ کیا تو تبلیغِ رسالت ہی نہ کی خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔) اتنا تاکیدی حکم ہے کہ اگر نہ پہنچایا تو تبلیغِ رسالت ہی نہ کی ۔۔۔اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے مجمع میں آپؐ نے فرمایا'' **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** '' اس کے بعد دعا فرمائی'' **اللھم عاد من عاداہ و آلا من والاہ** ' پروردگار جو اس کو دوست رکھے اس کو تو دوست رکھ اور جو اس کو دشمن رکھے اس کو تو دشمن رکھ۔'' (۱)

خم غدیر میں مولا کے اعلان والی آیت کی تصدیق بہت سے مورخوں نے کی ہے۔ (۲)

ا۔'' اسلام پر کیا گزری'' دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۰۱ از محمد باقر شمس۔ دار التصنیف سی ۳۰ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی۔

۲۔ علی فی القران' مولف آقائے سید صادق حسین شیرازی نے ص ۱۲۷ پر حوالے درج کئے ہیں۔ شواہد التنزیل ج ا ص ۱۹۰ میں علامہ جسکانی نے ابوبکر سکری سے ابوبکر نے عبداللہ ابن ابی اوفی سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضورؐ سے سنا ہے کہ آپ غدیر خم کے مقام پر فرما رہے تھے **من کنت مولاہ فعلی مولاہ**۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

غدیرِخم میں حضرت علیؑ کے مولا ہونے کے اس اعلان کے بارے میں "تفسیر کبیر فخر الدین رازی میں مروی ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ ابن خطاب نے حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور ان سے کہا "اے علیؑ مبارک ہو تم کو تم میرے مولا ہوئے اور ہر مسلمان کے بھی مولا ہوئے۔ اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور احمد بن حنبل جیسے بہت سے مورخین اور علماء نے رسول اللہ کے سولہ صحابیوں سے روایت کیا ہے۔"(۱)

جمعۃ الوداع کے عظیم الشان خطبہ میں سرور کائناتؐ نے دو گرانقدر احادیث ارشاد فرمائیں۔ ایک حدیث ثقلین دوسری حدیث غدیر۔ حدیث ثقلین یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ "میری طلبی بارگاہ الٰہی میں ہوئی ہے اور میں نے لبیک کہہ دی ہے۔ میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے۔ قرآن کریم اور میرے اہل بیت۔ یعنی میری عترت، خیال رکھو تم ان دنوں سے میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر قیامت کے دن وارد ہوں۔ اگر تم

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) اللھم و آل من والاہ و عاد من عاداہ پھر فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا ہے۔

تفسیر طبری کے حاشیہ پر تفسیر نیشاپوری ج ۶ ص ۱۱۴ ص ۱۹۵ میں نظام الدین ابوبکر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ مذکورہ آیت غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی تھی جس کے بعد آنحضورؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا "من کنت مولا ..... الخ" اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؑ سے ملے اور کہا اے ابن ابوطالب آپ کو مبارک باد ہو آپ میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا بن گئے ہیں۔ اسی تفسیر کا ذکر عینی فی شرح بخاری اور السیوطی فی دار المنثور کے علاوہ بیشمار کتابوں میں موجود ہے۔

۱۔ "ندائے عدالت انسانی" مصنف جارج جرداق بیروت (لبنان) مترجم علامہ سید محمد باقر النقوی صفحہ ۲۹۔۳۰

ان دونوں کو پکڑے رہے تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہو گے۔''(۱)

حدیث ثقلین کے بعد حصہ دوم حدیث غدیر ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان کی جانوں پر تصرف رکھتا ہوں۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خداوند دوست رکھ اس کو جو اس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرے اور چھوڑ دے اس کو جو علیؑ کو چھوڑ دے۔''(۲)

اسی بات کو امیر علی نے اپنی کتاب ''اسپرٹ آف اسلام'' میں باب ۸ صفحہ ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۳ پر اس طرح کہا ہے کہ ''کثرت سے شہادت اس امر کی موجود ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشیں مقرر کر دیا تھا اور اس کا اعلان بہت موقعوں پر فرما دیا تھا۔ خاص طور پر حجۃ الوداع سے واپسی پر بہ مقام غدیر خم قیام فرما کر اس وقت کی اپنی تمام امت کے سامنے جو آپ کے ہمراہ تھی۔ اس امر کا اعلان ایسے الفاظ سے فرما دیا تھا کہ کسی کو بھی آپ کی تقرریِ جانشین کے اس مفہوم کے متعلق شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔'' امام ابو حامد محمد الغزالی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ''سر العالمین'' کا نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے جس میں انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی جانشینی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ غدیر خم میں اعلان ولی ہونے کے بعد ایک شخص آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے محمدؐ! تم نے دعویٰ کیا کہ

۱۔ ''حیدر کرارؑ'' سید نذر حسین مہدی ص ۱۰۴، ۱۰۵۔ بحوالہ صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، سنن ترمذی، جلال الدین سیوطی، تاریخ ابن کثیر، مودۃ القربیٰ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء، وسیلۃ النجاۃ، ابن عساکر وغیرہم

۲۔ تاریخ ابن کثیر شامی، مسند امام احمد حنبل، صحیح ترمذی، محب الدین طبری، ابن الاثیر، فخر الدین رازی، اربعین سبط ابن الجوزی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، محمد بن یوسف الکنجی وغیرہم

میرے پاس وحی آتی ہے ہم نے اسے قبول کیا' تم نے نماز زکوٰۃ کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ اب تم اپنے ابنِ عم کو ہماری گردنوں پر سوار کرتے ہو۔ کیا یہ بھی خدا کی طرف سے ہے؟"(۱)

آنحضرتؐ نے جواب دیا "ہاں یہ بھی خدا کی طرف سے ہے۔"

اس پر وہ اعرابی یہ کہہ کر چلنے لگا "خداوندا! اگر یہ تیری طرف سے ہے جو حضرت محمدؐ نے فرمایا ہے تو میرے اوپر ابھی آسمان سے عذاب نازل کر' ورنہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے عتاب میں لے۔"

ابھی اپنے ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور وہ وہیں مر گیا۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ "سَالَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ.....الخ"(۲)

"یعنی مانگنے والے نے اوپر سے گرنے والے پتھر کے عذاب کو مانگا جس سے کافرین کو کوئی نہیں بچا سکتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد اعلانات اور نزول آیات اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ رسولؐ نے کارِ رسالت انجام دیتے ہوئے اپنی رحلت سے قبل حضرت علیؑ کو مولا اور اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا جو انبیاء کی روایات کے مطابق انہوں نے انجام دیا اور اس کے بعد مزید کسی اعلان یا وصیت کی ضرورت باقی

ا۔ تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی نے روایت کی ہے کہ اس آیت کا مصداق حارث ابن نعمان فہری ہے۔ نورالابصار ص ۷۸ پر علامہ شبلنجی نے یہی روایت سفیان ابن عینیہ سے نقل کی ہے۔ (مندرجہ علی فی القرآن مولف آقائے صادق حسینی شیرازی ص ۵۰۸)

۲۔ "سورۃ المعارج" پارہ ۲۹، ۱۔۲۔۳

نہیں رہتی۔

قرآن مجید کے پارہ ۲۰ رکوع ۱۰/۷ میں بصراحت موجود ہے کہ خلیفہ اور جانشین بنانے کا حق صرف خداوند کریم کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام انبیاء کا تقرر خود کیا اور ان کے جانشین کو خود مقرر کرایا۔ اپنے کسی نبی تک کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ بطور خود اپنا جانشین مقرر کرے۔

خدا نے رسول کریمؐ کا جانشین حضرت علیؑ اور ان کی گیارہ اولاد کو مقرر فرمایا (ینابیع المودۃ) جس کا سنگ بنیاد دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رکھا اور آیت ولایت اور واقعہ تبوک (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۲) سے استحکام پیدا کیا پھر "فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ" کے حکم کے نفاذ کا فرمان جاری فرمایا اور آیۂ بلغ کے ذریعہ سے اعلان عام کا حکم نافذ فرمایا۔"(۱)

❁❁❁❁

۱۔ "چودہ ستارے"، مولانا سید نجم الحسن قبلہ کراروی صفحہ ۱۲۹۔

بوقت رحلت، رسولؐ اکرم کی وصیت

انتہائی پاک و پاکیزہ جگر گوشۂ عبداللہ، ابوطالبؑ کے گھر کا روشن چراغ، لطیف تبسم اور شیریں کلام کا پیکر' بلند پایہ سخی' بے نظیر شجاع' دلوں کا فاتح' بانیٔ اسلام' اشرف المسلمین' صادق و امین' مجسمۂ ایمانی' سراپائے یزدانی' اول خلقت نوری' نگاہ مشیت کا منتخب آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر آخر قریب ہے۔ کفر کو دور کرنے والی صدا دنیا سے رخصت ہو رہی ہے۔ لوگوں کے دلوں کی آزمائش کے لمحات قریب سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ ہر دائرۂ فکر کا بلند مرکز اور ہر صحیح دلیل و منطق کی اصل زندگی کی موت سے آخری کشمکش ہے' تاریخ کے حوالے سے زہر دیئے جانے کے اثرات شدت سے نمایاں ہیں۔(۱) آفتاب جیسی' روشن آنکھیں بند ہونے کو ہیں' شمشیر براق جیسی ارادوں کی پختگی اور زبان پر خدائی باتیں ختم ہونے سے قبل وصیت لکھنے کے لئے دوات' کاغذ و قلم طلب کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحامد محمد الغزالی کی کتاب سرالعالمین ص ۷ طبع بمبئی ۱۳۱۴ھ اور مشکوۃ شریف کے باب ۳ ص ۵۸ سے واضح ہے کہ آپ کی شہادت زہر سے ہوئی (مندرجہ "چودہ ستارے" مولانا نجم الحسن کراروی صفحہ ۸۸)

صحیح بخاری میں ہے کہ ”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں شدت ہوگئی تو آپؑ نے فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کی چیزیں لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضورؐ پر مرض غالب ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے وہ ہمیں کافی ہے پھر صحابہ نے اختلاف کیا یہاں تک کہ شور بہت ہوگیا تو آپؑ نے فرمایا کہ میرے پاس سے نکل جاؤ اور میرے پاس تم کو جھگڑنا نہیں چاہئے۔ ابن عباس یہ کہتے ہوئے باہر آ گئے کہ بے شک مصیبت ہے اور بڑی مصیبت۔ رسولؐ اللہ کی تحریر کے درمیان یہ چیز حائل ہوگئی۔“ (راوی ابن عباس) (۱)

اس روایت کے علاوہ بھی اس موضوع پر طبری، شرح نووی، مسند احمد اور شرح نہج البلاغہ، صحیح مسلم وغیرہ میں روایتیں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ صحیح بخاری ہی میں جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ پر یہ روایت بھی درج ہے کہ ”عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہا کہتے تھے کہ افسوس صد افسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختلاف اور بیکار بحث کی وجہ سے کچھ لکھوانے کا موقع نہ دیا۔“

یہاں مقصد روایات کی تفصیل میں جانے کے بجائے یہ کہنا ہے کہ جب رسولؐ بغیر مرضی رب کوئی گفتگو ہی نہ کرتے تھے تو گمراہی سے بچانے کے لئے نوشتہ لکھنے کے فرمان میں بھی مرضی رب شامل ہوگی۔ لمحۂ فکریہ ہے کہ اس حکم عدولی میں مصلحت کیا تھی۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ۳/۱۱۴ سطر ۲۷ چاپ اول مصر د آفیسٹ بیروت و جلد ۱۲/ ۷۹ سطر ۳ مندرجہ ”عدالت صحابہ کا نظریہ“ مولف ڈاکٹر احمد حسین

۱۔ صحیح بخاری جلد اول باب ۸۱ حدیث ۱۱۴ جلد سوم باب ۳۹۰ حدیث ۹۲۹ صفحہ ۲۶۴۔ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل بالمقابل مولوی مسافر خانہ اشاعت اول ۱۹۶۰ء۔

یعقوب مترجم مولانا روشن علی نجفی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ: ''خود حضرت عمر فاروقؓ نے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحریر لکھنے سے روک دیا تا کہ وہ حضرت علیؑ کے لئے خلافت نہ لکھ جائیں۔'' کیا حضرت عمرؓ یہ نہ جانتے تھے کہ غدیر خم میں رسولؐ تو بحکم خدا حضرت علیؑ کے اپنا ولی اور جانشین ہونے کا اعلان بھرے مجمع میں کر چکے تھے۔ تاریخ میں ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو مولا بننے پر مبارک باد بھی دی تھی۔

جب آنحضرتؐ اپنا جانشین حضرت علیؑ کو مقرر کر چکے تھے تو پھر یہ دوبارہ لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وصیت میں اسلام اور امت کو انحرافؔ و بربادی سے بچانے کے لئے کوئی شورائی نظام معین فرمانا چاہتے ہوں اس کے خدوخال اور حدود کی تفصیل سے آگاہ کرنا چاہتے ہوں، اسلامی معاشرے کی فکری اور روحانی تربیت کا خاکہ دینا چاہتے ہوں اور جب کاغذ نہ ملا تو حضرت علیؑ سے راز کی باتیں کیں حضرت علیؑ سے رازدارانہ گفتگو آنحضورؐ اکثر وبیشتر کرتے رہتے تھے۔ امام نسائی نے خصائص میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے:

''ابن مردویہ کہتے ہیں کہ انس سے مروی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے طائف کے روز (طائف کے محاصرہ کے روز) جناب علی مرتضےٰؑ کو بلا کر دیر تک راز کی گفتگو کی۔ لوگ کہنے لگے کہ آپؐ نے اپنے ابن عم سے بڑی طویل سرگوشی فرمائی۔ جب اس کا چرچا آنحضرتؐ تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: کہ جس نے علیؑ سے حسد کیا۔۔۔۔۔''

طویل سرگوشی کے واقعہ کو تاریخ حبیب السیر جلد اول جز سوئم صفحہ ۱۶۶ اور معارج النبوت میں اس طرح لکھا گیا ہے:

ترجمہ: ''جناب رسولؐ خدا نے علیؑ مرتضیٰ کو طلب کیا اور بہت دیر تک ان سے خلوت میں راز کی باتیں کرتے رہے یہ امر صحابہ کے لئے تعجب کا باعث ہوا۔ حضرت

عمرؓ نے آنحضرتؐ سے شکایت کی ''یارسولؐ اللہ! آپؐ ہم سے علیحدہ اپنے عم سے خلوت میں راز کی باتیں کرتے ہیں۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''اے عمر! میں نے اپنے ارادے سے اس سے راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خداوند عالم کے حکم سے یہ راز کی باتیں اس سے کی ہیں۔''

ہوسکتا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ سے جو روایت منسوب ہے کہ وقت آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے جو رازدارانہ گفتگو کی وہ اس وقت ہوئی ہوں جب انہیں لکھنے کے لئے کاغذ نہیں دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ گفتگو بھی منجانب اللہ ہی ہوگی۔

''حضرت اُم سلمیٰؓ سے مروی ہے قسم بخدا بوقت وفات آنحضرتؐ سے قریب ترین مرد علیؑ ابن طالبؑ تھے۔'' جس دن آنحضرتؐ کا انتقال ہوا اس کی صبح کو آپؐ نے فرمایا: ''علیؑ کو بلاؤ'' میرا خیال ہے کہ علیؑ کو آپ نے کسی کام کے لئے باہر بھیجا تھا۔ آپؐ نے تین دفعہ پوچھا۔ ''کیا علیؑ آ گئے'' اتنے میں قبل طلوع شمس علیؑ آ گئے۔ یہ خیال کر کے کہ شاید علیؑ سے رسولؐ اللہ کو کوئی خاص کام ہے ہم سب باہر چلے گئے۔ اس دن ہم خانہ عائشہؓ میں تھے۔ میں نکلنے والوں میں سب سے آخری تھی اور میں پردے کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ ان سب سے زیادہ میں دروازے کے نزدیک تھی۔ (۱) میں نے دیکھا کہ علیؑ نے اپنا سر جناب رسولؐ خدا کی جانب جھکایا اور آنحضرتؐ علیؑ سے بصیغہ راز سرگوشی کرتے رہے۔ بس علیؑ ہی وہ شخص ہیں جو رسولؐ مقبول کے پاس سب سے آخر تک رہے۔ پس آنحضرتؐ نے علیؑ سے راز کی باتیں کرتے کرتے انتقال فرمایا۔''

ا۔ ماخوذ ''حیدر کرار'' الحاج سید نذر حسین شاہ مشہدی ص ۱۴۱ بحوالہ الحاکم 'مستدرک علی الصحیحین' الجزالثالث صفحہ ۱۳۹' نسائی وخصائص علویہ۔

اس سلسلے میں بعض مورخ خاموش ہیں کہ حضرت علیؑ سے کیا رازدارانہ گفتگو ہوئی لیکن بسلسلہ خلافت حضرت علیؑ کی خاموشی اور صبر کرنے پر ان کے بیانات واضح کرتے ہیں کہ رسولؐ نے انہیں قیامت تک آنے والی باتوں سے آگاہ کیا تھا اور صبر کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس سلسلہ میں سلیم بن قیس ہلالی کا بیان بھی ہے۔

سلیم بن قیس کوفی عامری' ہلالی تابعی ہیں جنہوں نے پانچ ائمہ حضرت امام علی' حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت امام محمد باقرؑ کا زمانہ دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "سلیم بن قیس ہلالی" میں بسند خود صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ جب رسولؐ نے لکھنے کو کاغذ طلب کیا اور انہیں نہ دیا گیا اور وہ ناراض ہوئے' حضرت علیؑ سے رازداری میں بات کرتے رہے۔ طلحہ کے دریافت کرنے پر بتلایا کہ "رسولؐ اللہ نے مرض الموت کے وقت مجھے ایک ہزار باب کی تعلیم دی تھی۔ میرے لئے ہر باب سے ہزار باب اور کھل گئے۔ اے طلحہ جب تم لوگ باہر چلے گئے تو وہ بات رسولؐ اللہ نے مجھے بتادی تھی کہ جس کو تحریر فرمانا چاہتے تھے۔ عام لوگوں کو اس بات کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ جبرائیلؑ نے رسولؐ اللہ کو آگاہ کیا تھا کہ اللہ کو اس امت کی تفرقہ بازی اور اختلاف کا علم ہے۔ پھر رسولؐ اللہ نے ایک صحیفہ لکھا اس میں وہ چیز تحریر فرمائی جس کو آپؐ اسی کاغذ پر تحریر فرمانا چاہتے تھے۔ اس نوشتہ پر تین آدمیوں حضرت سلمانؓ، حضرت ابوذرؓ اور مقداد کی گواہی کرائی تھی۔ جن آئمہ کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے حکم دیا تھا ان کے نام بتائے تھے۔ رسولؐ اللہ نے پہلا نام میرا لیا تھا۔ پھر میرے بیٹے حسنؑ کا' پھر میرے بیٹے حسینؑ کا' پھر میرے بیٹے حسینؑ کے نو فرزندوں کا نام لیا تھا۔

حضرتؑ نے فرمایا۔ اے ابوذرؓ۔ اے مقداد ایسا ہی تھا؟

ان دونوں نے کہا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔"

تدفینِ رسولؐ

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے دنیا میں آنے اور نبوت کی توریت و انجیل میں بشارت دی گئی، جس کی آمد پر عرش سے فرش تک ایک نئی زندگی نے کروٹ بدلی، جس کی ولادت پر دنیا نے دیکھا کہ ''ہرقل کے محل کا ایک کنگرہ ٹوٹ کر زمین پر گرا، ایران میں ڈھائی ہزار سال سے جلتا ہوا آتش کدہ اچانک بھڑک کر خاموش ہو گیا۔'' پاکیزہ زندگی، اصول پسندی، ایمانداری، دیانت داری اور احساس فرائض رکھنے والا وہی روشن چراغ گل ہو گیا۔ وحی اور کلام الٰہی کا انقطاع ہو گیا۔ مسلمانوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے صدمے کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ (تاریخ وفات میں اختلافات ہیں ''اسپرٹ آف اسلام'' میں سید امیر علی نے دوشنبہ کی دوپہر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بمطابق ۸ جون ۶۳۲ء درج کیا ہے جبکہ طبری نے لکھا ہے کہ اسی ماہ کے کسی دوشنبے کو ہوئی جس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہائے حجاز نے ربیع الاول کی دوسری تاریخ دوشنبہ کے دن نصف النہار سے قبل وفات کی تاریخ مقرر کی ہے، ایک روایت

کے مطابق ۲۸ صفر ۱۱ھ کو بروز دوشنبہ بوقت دوپہر انتقال فرمایا)(۱) افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان اپنے رسولؐ کی تاریخ وفات پر متفق نہ ہوسکے تو دین کے دوسرے معاملات میں ان کی متضاد سمتیں کیسے درست ہوں گی۔ بہر طور حضرت علیؑ کی مدینہ میں پچیس سالہ صبر آزما زندگی گزارنے کا آغاز رسولؐ خدا کی تدفین کے ساتھ شروع ہوا۔

تدفینِ رسولؐ اللہ کے سلسلے میں بھی کئی روایات ہیں۔ سلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۵۔۳۶ پر روایت درج کی ہے کہ انہوں نے براء بن عازبؓ کو کہتے سنا کہ ''جب رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا وقت قریب آیا تو علی علیہ السلام سے وصیت کی کہ تم مجھے غسل دینا۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ خدا سے پوچھا۔ یارسولؐ اللہ آپؐ کے غسل کے وقت میری مدد کون کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا جبرئیل فرشتوں کے ایک لشکر کے ساتھ تمہاری امداد کریں گے۔ حضرت علیؑ حضورؐ کو غسل دے رہے تھے اور فضل بن عباسؓ آنکھوں پر پٹی باندھے پانی ڈال رہے تھے اور فرشتے آپ کے پہلو بدل رہے تھے۔ جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے ارادہ کیا کہ آپؐ کی قمیض اتار کر غسل دیں۔ تو ایک آواز دینے والے نے آواز دی۔ اے علیؑ اپنے نبیؐ کی قمیض کو مت اتارو۔ حضرت علیؑ نے قمیض کے اندر ہاتھ ڈال کر آپ کو غسل دیا۔ بعد میں رسولؐ اللہ کو حنوط کیا اور کفن دیا اور تکفین وتجہیز کے بعد قمیض کو اتارا۔''

آگے چل کر بیان ہے کہ ''براء بن عازبؓ خبر لائے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ بحیثیت خلیفہ منتخب ہوگئے جبکہ حضرت علیؑ تجہیز وتکفین ہی میں منہمک رہے۔''

تاریخ طبری میں حصہ اول صفحہ ۵۴۰ میں ابن عباس کی یہ روایت درج ہے کہ

۱۔ مودۃ القربیٰ ص ۴۹ م ۱۴ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ (مندرجہ چودہ ستارے صفحہ ۸۷)

حضرت علی ابن ابی طالبؑ عباس بن عبدالمطلبؑ، فضل بن عباس، قثم بن عباس، اسامہ بن زید اور شقران نے رسولؐ اللہ کو غسل دیا۔ حضرت علیؑ نے بنی اوج بن الخزرج کی درخواست پر انہیں بھی غسل میں شریک کرلیا جو بدوی تھے۔ حضرت علیؑ آپ کو سینے سے لگائے ہوئے لباس سمیت غسل دیتے رہے۔ قمیض آپ کے جسم پر تھی اس پر پانی ڈالا جاتا تھا اور اوپر ہی سے جسم کو ملتے تھے۔ یہ کام حجرے کے کونے سے ایک غیبی آواز پر مکمل کیا۔ علی بن حسین کی روایت ہے کہ رسول کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا ان میں دو صحاری تھے اور ایک منقش چادر تھی جس میں آپ کو لپیٹا گیا۔

''حضرت علیؑ، فضل ابن عباس، قثم بن عباس اور اسامہ و شقران جو غسل و کفن میں شریک تھے'' انہیں چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپؐ کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ ابوطلحہؓ نے قبر کھودی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپؐ کے غسل و کفن اور نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکے کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرتؐ کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی۔'(۱)

تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۵۴ پر ہے کہ ''آپ کا وہ بستر جس پر آپؐ نے وفات پائی تھی اٹھایا گیا اور وہیں آپ کے لئے قبر کھودی گئی۔ اب تمام لوگوں نے نوبت بہ نوبت رسولؐ اللہ کی نماز پڑھی۔ مردوں کے بعد عورتوں نے نماز پڑھی ان کے بعد بچوں نے اور پھر غلاموں نے نماز پڑھی ان نمازوں میں کسی نے امامت نہیں کی۔ اس کے بعد بدھ کی شب میں آدھی رات کو آپؐ سپرد خاک کر دیئے گئے۔'' کتاب ''سلیم بن قیس ہلالی' میں حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ جناب امیرؑ نے مجھے ابوذر، مقداد،

۱۔ کنزالعمال جلد ۴ ص ۱۴۰۔ ارجح المطالب ص ۶۷۰ المرتضٰی ص ۳۹۔ فتح الباری جلد ۶ ص ۴۔ مندرجہ ''چودہ ستارے'' سید نجم الحسن کراروی صفحہ ۸۷۔

جناب فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کو گھر میں داخل کیا اور خود آ گے کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور آنحضرتؐ پر نماز پڑھی۔ (حیات القلوب جلد دوم ص ۱۰۲۳)

بالآخر مکہ کا پردیسی سرزمین مدینہ کی آغوش میں سوگیا۔ روایت ہے کہ بیت حضرت عائشہؓ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

''عمرؓ بن الخطاب کا قول ہے کہ ان کے زمانہ میں صحابہ کے اجتماع میں کعب نے یہ سوال اٹھایا کہ پیغمبرؐ کے آخری کلمات کیا تھے؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا: کہ علیؑ سے دریافت کرو۔ اور پھر علیؑ نے اس کی تفصیل یوں بیان کی کہ آپؐ نے وقت آخر فرمایا کہ میرے بھائی کو بلاؤ' لوگوں نے مجھے بلایا اور آپؐ نے قریب بٹھا کر گفتگو شروع کی یہاں تک کہ باتیں کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔''(۱)

ایک اور روایت ''عجائب القصص'' علامہ عبدالواحد و روضۃ الصفا جلد ۲' ص ۲۱۶ و انوار القلوب صفحہ ۱۸۸ میں ملتی ہے جسے ''چودہ ستارے'' میں صفحہ ۸۷ پر مولانا سید نجم الحسن صاحب نے نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ:

''حضرت علیؑ سے وصیت فرمانے کے بعد آپؐ کی حالت متغیر ہوگئی۔ حضرت فاطمہؑ جن کے زانو پر سر مبارک رسالت مآبؐ تھا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذنِ حضوری چاہا۔ میں نے داخلہ سے منع کر دیا' اور کہا اے شخص یہ وقت ملاقات نہیں ہے۔ اس وقت واپس چلا جا۔ اس نے کہا میری واپسی

۱۔ طبقات ۲/۲۶۲ حدیث نمبر ۱۱۰۷۔ کنزل العمال ۴/۱۵۵ حدیث نمبر ۱۱۷' ۲/۳۹۲ حدیث نمبر ۱۰۰۹' ۴/۵۵ حدیث نمبر ۱۱۰۶' ۴/۵۵ حدیث نمبر ۱۱۰۸' شرح نہج البلاغہ ۲/۱۹۶) مندرجہ ''نظریہ عدالت صحابہ'' تحریر استاد احمد حسین یعقوب صفحہ ۲۷۶۔ تنظیم المکاتب لکھنؤ۔

ناممکن ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں حاضر ہو جاؤں۔ آنحضرتؑ کو قدرے افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت ہیں۔ حضرت فاطمہؑ نے اجازت دے دی اور وہ داخلِ خانہ ہوئے۔ پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی۔ مولا! یہ پہلا دروازہ ہے جس پر میں نے اجازت مانگی ہے اور اب آپ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت طلب نہ کروں گا۔"(۱)

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا انتقال حضرت فاطمہؑ کے زانو پر ہوا اور پھر اسی حجرے میں دفن بھی کئے گئے۔ آج بھی آپؐ مدینہ منورہ جائیں تو باب جبرئیلؑ سے داخل ہوتے ہی پہلے حجرۂ جناب فاطمہؑ ہے اور اسی سے ملحق قبر رسولؐ اللہ ہے۔ رحلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جناب سیدہؑ نے اتنا گریہ کیا کہ خصال صدوق میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ ان کا شمار کرۂ ارض پر رونے والے پانچ ناموں میں ہوتا ہے جن کی مثال قیامت تک نہ ہوگی۔

۱) جناب آدمؑ اتنا روئے کہ ان کے رخساروں پر نالیاں سی بن گئی تھیں۔

۲) جناب یعقوبؑ اس قدر روئے کہ ان کی بینائی جاتی رہی۔

۳) حضرت یوسفؑ اس قدر روئے کہ اہل زنداں تنگ آ گئے اور کہنے لگے دن میں رویا کرو یا رات میں تاکہ ہم ایک وقت آرام کرسکیں۔

۴) جناب زہراؑ اس قدر روئیں کہ مدینہ والے تنگ آ گئے اور کہنے لگے اے دختر رسولؐ ہم لوگ آپ کے مسلسل گریہ سے پریشان ہیں۔ بالآخر بنت رسولؐ قبرستان شہداء

۱۔ الفاظ میں قدرے فرق کے ساتھ یہی روایت "اللامعۃ الساکبہ" مولف آقائے محمد باقر دہدشتی بہبانی نجفی جلد اول صفحہ ۹۴ پر بھی درج ہے۔

میں صبح سے لے کر شام تک روتی تھیں۔

۵) جناب سجادؑ ۳۵ برس اس قدر روئے کہ پانی کی جگہ خون بہنے لگا تھا۔ جب بھی پانی یا کھانا سامنے آتا' رونے لگ جاتے۔ نوکر نے ایک دن عرض کیا۔ قبلہ آپ بہت زیادہ روتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: تجھے کیا تکلیف ہے۔ اپنا غم والم اللہ سے عرض کرتا ہوں جب بھی مجھے تین دن کے بھوکے اور پیاسے بابا میدانِ کربلا کی خاک پر نظر آ جاتے ہیں میرے آنسو بس میں نہیں رہتے۔(۱)

رحلت رسولؐ' جناب سیدہ کا گریہ اور حضرت علیؑ کا پچیس سالہ صبر و ضبط ملت اسلامیہ کا عظیم المیہ اور دانشوران دین کے لئے لمحہ فکر ہے۔

❁❁❁❁

ا۔ ''الامعتہ الساکبہ'' مولف آقائے محمد باقر دہدشتی بہبانی نجفی۔ جلد اول صفحہ ۱۳۲۔

بیعت علیؑ

وفات سرور کائنات کے بعد تاریخ نے وہ مناظر پیش کیۓ جن سے دامنِ اسلام پر ایک دھبہ آ گیا اور مورخین کو اعتراضات کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کے غدیرخم میں ولایت علیؑ کے اعلان کے بعد کچھ لوگ خائف ہوئے کہ وفات رسولؐ کے بعد کہیں علیؑ ہی خلیفہ نہ بنادیئے جائیں کیونکہ اس اعلان سے قبل بھی آنحضرتؐ اس طرح کے اعلانات کرتے رہے تھے۔ پھر حضرت علیؑ کے ذاتی کمالات' ان کا علم' حلم' فہم وفراست' طاقت اور وجاہت کے ساتھ ان کے لئے دو بار سورج غروب ہوکر واپس ہوتا دیکھ کر(۱) لوگ نبیؐ کے بعد علیؑ ہی کی ذات کو صحرائے عرب کا معجزہ سمجھتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سابقہ قرابت ودامادی کی وجہ سے بھی حضرت علیؑ کی خلافت میں جھگڑا پیدا کرنا آسان کام نہ تھا اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ اٹھے یا نہ اٹھے

۱۔ ''مشکل الاثر' ج ۴ ص ۳۸۸۔۳۸۹'' (معجزات آل محمدؐ حصہ اول۔ علامہ سید ہاشم البحرانی صفحہ ۱۲۴)

خلافت کا معاملہ طے ہو جانا چاہئے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں طے ہو گیا۔ تفصیل دینے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ چھوٹی بڑی تاریخ کی سب کتابوں میں تفصیل موجود ہے ہاں مولانا شبلی جیسے قابل اور عقیدت مند سیرت نگار کی تحریر ان کی کتاب (الفاروق) سے پیش کرنا کافی ہے۔

''یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے ثقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے' گویا ان پر کوئی حادثہ پیش آیا ہی نہیں تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا' گو بنی ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔'' (الفاروق)

آگے مولانا شبلی کا بیان ہے کہ ''ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔'' پروفیسر اختر رضا زیدی کا ان جملوں پر تبصرہ ہے کہ ''مولانا کے یہ دونوں ٹکڑے اجتماع ضدین ہیں۔ ایک ٹکڑے میں حقیقت کا اعتراف ہے اور دوسرے میں حقیقت سے انکار۔'' (۱)

پروفیسر زیدی صاحب نے کئی یورپ کے محققین کے غیر جانبدارانہ انداز کے تبصرے پیش کئے ہیں لیکن میں ان میں سے بھی صرف ایک مسٹر ایرونگ کا تبصرہ دے رہا ہوں جو اس نے سکیسرس آف محمد ص ۱۶۵ پر درج کیا ہے۔ باقی تبصروں میں لہجہ ذرا سخت ہے اس لئے دینا مناسب نہیں۔

۱۔ تاریخ کے پروفیسر اختر رضا زیدی ''علی ابن ابی طالب جلد اول'' صفحہ ۲۳۲۔

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کے سب سے زیادہ اہل امیدوار حضرت علیؑ تھے جن کا دعویٰ سب سے زیادہ فطری تھا کیونکہ حضرت محمدؐ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور حضرت فاطمہؑ سے جو ان کی اولاد تھی صرف وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار رہ گئی تھی۔'' (ایرونگ)

بہرحال سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث ومباحثہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اوّل خلیفہ منتخب ہوئے اور لوگوں نے بیعت کرلی' لیکن کافی لوگوں نے بیعت سے انکار بھی کردیا جو فطری نتیجہ تھا کہ حضرت علیؑ اور جماعت بنی ہاشم رسولؐ اللہ کی تجہیز وتکفین میں رہے اور انہیں انتخابِ خلافت سے بے خبر رکھا گیا۔

مدینہ میں منکرین بیعت میں حضرت علیؑ بن ابی طالب، عباس عمِ رسول اور تمام بنی ہاشم ہیں، انصار میں سعد بن عبادہ سردار خزرج اور ان کے ساتھی (سعد بن عبادہ خلافت کے امیدوار تھے) جبکہ اصحاب میں سلمان فارسی' ابوذر غفاری' عمار یاسر' ابی بن کعب' مقداد اسود' خزیمہ بن ثابت اور حذیفہ یمانی وغیرہ تھے۔ ان اکابر صحابہ کے علاوہ محمد باقر شمس نے ''اسلام پر کیا گزری'' میں درج کیا ہے کہ مدینے کے باہر پورا ملک خلافت حضرت ابوبکرؓ سے انکار کررہا تھا۔ اگر سب کے ساتھ یکساں طرزِ عمل اختیار کیا جاتا اور سب کو چھوڑ دیا جاتا تو خلافت ختم ہوجاتی۔ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد فوراً ان کے بھائی وداماد اور چچا کے ساتھ تمام اہلِ خاندان کو ختم کردینا آسان نہ تھا اور اگر سب قتل کردیئے جاتے تو مسند خلافت کے ساتھ اسلام کا باقی رہنا ممکن نہ تھا۔

وفات پیغمبرؐ کے بعد یہ پہلا اتفاق تھا کہ مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہوگئے خلافت اور امامت اور دونوں جماعتیں یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ وہی حق مبین کی منزل پر فائز ہیں۔ حکومت وقت کو مشورے دیئے جانے لگے کہ حکومت قائم کرنے کے لئے

ملوکانہ سیاست پر عمل کیا جائے کسی کو منصب اور کسی کو صدقے کے امور سپرد کر کے ان کے دلوں کو نرم کیا جائے۔ محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ بن خطاب اور بیشتر مسلمانوں کی رائے تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والوں سے ہرگز نہ لڑنا چاہیے بلکہ ان کو ساتھ ملا کر مرتدین کے خلاف مصروف پیکار ہونا چاہیے۔"
(ابوبکر صدیق اکبرؓ صفحہ ۱۸۵)

حضرت ابوبکرؓ کی سیاست و بصیرت نے تمام مشوروں کو مدینے تک محدود رکھنا مناسب سمجھا اور یہ فیصلہ کیا کہ مدینے کو چھور کر باہر ہر اس شخص سے جنگ کی جائے جو بیعت کرنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے۔ یہ بھی طے ہوا کہ حضرت علیؑ اور رسولؐ کے جلیل القدر صحابی سعد بن عبادہ سے بیعت لے لی جائے تو پھر حکومت کو کسی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔

"حصولِ بیعت کا حکم جاری ہوا جہاں جبریہ بیعت کارگر نہ ہوئی وہاں تخویف' تہدید اور تشدد کا حربہ استعمال کیا گیا اور ایسا بھی ہوا کہ قبیلوں کے سرداروں کے ضمیر خریدے گئے لیکن ان پست حربوں سے اسلام کی عظمت کو صدمہ پہنچا اور آجکل کی شعبدہ بازیوں اور اسلام کی الٰہی حکومت میں امتیاز باقی نہ رہا۔" (۱)

سعد بن عبادہ کے پاس پیغام بھیجا گیا کہ وہ آ کر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کریں۔ سعد بن عبادہ نے انکار کر دیا۔ ان کا جواب تاریخ طبری میں کچھ اس طرح درج ہے:

"خدا کی قسم ہرگز نہیں جب تک میں اپنے ترکش کے سب تیر تم لوگوں پر نہیں چلا لوں گا اور اپنے نیزے' برچھوں' بھالوں کو تمہارے خون میں رنگین نہیں کر لوں گا اور

ا۔ "علی ابن طالب جلد اول" پروفیسر اختر رضا زیدی ص ۲۵۷' ۲۵۸۔

جس وقت تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی اس وقت تک تم کو اس سے ذبح نہیں کرلوں گا اور اپنے اہل وعیال واعزہ اقربا کے ساتھ تم سے جہاد نہیں کرلوں گا اور خدا کی قسم اگر سب جن وانس بھی تمہاری طرف ہو جائیں تب بھی تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔"

تاریخ میں ہے کہ جب سعد بن عبادہ کا پیغام حضرت ابوبکرؓ تک پہنچا تو حضرت عمرؓ نے غصہ کے عالم میں فرمایا کہ سعد کو ہرگز نہ چھوڑو جب تک وہ تم سے بیعت نہ کرے لیکن بشیر کے مشورہ پر کہ سعد قتل ہونا پسند کرے گا لیکن بیعت نہ کرے گا اور پھر وہ تنہا آدمی تمہارا کیا بگاڑے گا سعد کو نظر انداز کر دیا گیا۔ طے ہوا کہ حضرت علیؑ سے ہر حال میں بیعت لی جائے۔

میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ حضرت علیؑ کو بیعت پر مجبور کرنے کے لئے کس طرح لایا گیا اور حضرت عمرؓ کا غصہ کس حد تک بڑھا ہوا تھا لیکن بیعتِ علیؑ کے سلسلے میں دو طرح کی تاریخیں موجود ہیں بعض مورخین نے درج کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کیا لیکن وفاتِ جنابِ سیدہ کے چھ ماہ بعد بیعت کرلی اور خلفاء کو کارِ خلافت میں مشورے دیتے رہے۔ دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی بیعت نہیں کی۔ آج کی دنیا پرانی دنیا سے مختلف ہے وہ ہر مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بال کی کھال نکالتی ہے۔ عقلی دلائل کے ساتھ ہی لوگ حقیقت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واقعات کی روشنی میں وہ اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ علیؑ نے بیعت کرلی تھی۔ پہلی بات تو یہی کہ جنابِ سیدہ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کا بیعت کرنا یوں محال تھا کہ وہ بنتِ رسولؐ تھیں اور رحلتِ رسولؐ کے بعد چھ ماہ مسلسل حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے جدوجہد کرتی رہیں۔ گھر گھر گئیں' خلیفہ سے ملنا گوارہ نہ کیا تو ان کے انتقال کے

بعد حضرت علیؑ بیعت کر کے ان کی دل آزاری کیسے کر سکتے تھے۔ دوسرے علیؑ امامِ برحق تھے اور بحیثیت امام وہ ایسا کر ہی نہ سکتے تھے۔ ہاں دین اور اسلام کی حفاظت کے سلسلے میں مشورے دینا ان پر فرض تھا جسے وہ پورا کرتے رہے۔ جب صحابیٔ رسول سعد بن عبادہ نے بیعت نہ کی تو حضرت علیؑ کیسے کر لیتے۔ آیئے تاریخ بھی دیکھتے ہیں۔

''سلیم بن قیس ہلالی'' کی بیان کردہ تاریخ مستند ہے جس کے درست ہونے کی تصدیق امام زین العابدینؑ نے فرمائی تھی اور جو کتاب چار سو کتابوں کے جلانے کے بعد بھی محفوظ رہ گئی۔ اس میں صفحہ ۵۶ پر درج ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے حضرت علیؑ کے آنے پر حضرت عمرؓ نے کہا ''اے ابوطالبؑ کے بیٹے! اٹھو اور بیعت کرو۔'' حضرت علیؑ نے فرمایا' میں بیعت نہیں کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم' ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ حضرت علیؑ نے تین مرتبہ یہ کہہ کر حجت تمام کی کہ:

''میں بیعت نہیں کروں گا' نہیں کروں گا' نہیں کروں گا۔''

اس کے آگے اس سلسلے کا کوئی بیان نہیں کہ حضرت علیؑ نے بیعت کی۔

''کشکول نیوجرسی' مسلم فاؤنڈیشن' نیوجرسی امریکہ میں صفحہ ۲۱۱ پر حضرت علیؑ اور بیعت شیخین'' کے عنوان سے علامہ سید سعید اختر رضوی مرحوم نے بڑی وضاحت سے حضرت علیؑ کے انکار بیعت کے بارے میں دلائل دیئے ہیں۔

پہلی دلیل دیتے ہوئے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی ترتیب دی جسے اسلامی تاریخ شوریٰ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس کمیٹی میں حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف شامل تھے اور خلیفہ کا انتخاب ان کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے درمیان میں سے ایک خلیفہ منتخب کر لیں۔ پابندیاں بھی عجیب و غریب تھیں جن کی

تفصیل دینا بیکار ہے۔ ہاں جو کچھ شوریٰ کے طریقہ کار میں ہوا وہ اس طرح تھا کہ ابتدا ہی میں طلحہؓ نے عثمانؓ کی حمایت میں اپنا نام واپس لے لیا۔ تب زبیر حضرت علیؑ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور سعد ابن ابی وقاص نے عبدالرحمٰن بن عوف کی حمایت میں دست برداری اختیار کی۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اگر مجھے خلیفہ بنانے کا اختیار دے دیا جائے تو میں بھی خلافت کی امیدواری سے دست کش ہو جاؤں گا۔ اس طرح اب مقابلہ حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان رہا۔ دو دن تک حضرت علیؑ نے اپنے حق کی اثبات کے لئے مسلسل دلائل دیئے کہ سب لاجواب ہو گئے اور جو اصل منصوبہ تھا کہ عثمانؓ کو خلافت مل جائے وہ ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا۔ شب کے وقت عبدالرحمٰن بن عوف عمرو بن عاص کے پاس گئے اور صورتحال کی نزاکت بیان کی۔ عمرو بن عاص نے یہ مشورہ دیا کہ کل صبح تم علیؑ کو اس شرط پر خلافت پیش کرو کہ وہ کتاب خدا' سنت رسولؐ اور سیرت شیخینؓ پر عمل کریں گے لیکن علی سیرت شیخین کو قبول نہیں کریں گے' اس وقت تم عثمان کے سامنے یہی شرطیں رکھنا اور وہ یقیناً قبول کر لیں گے تو تم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے تشویش ظاہر کی کہ اگر علیؑ یہ شرطیں قبول کر لیں تو کیا ہوگا؟ عمرو بن عاص نے کہا: علیؑ سیرت شیخین کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

تیسرے دن یہی ہوا' حضرت علیؑ نے سیرت شیخین کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ شرطیں رکھی گئیں اور انہوں نے قبول کر لیا اور خلیفہ بنا دیئے گئے۔

یہ روایت تو کئی مولفوں نے درج کی ہے لیکن علامہ سعید اختر مرحوم نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ حضرت علیؑ کے بیعت نہ کرنے کا اہم ثبوت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمرو بن عاص کو کیوں یہ یقین تھا کہ حضرت علیؑ

سیرت شیخین کو کبھی قبول نہیں کریں گے اور اگر حضرت علیؑ نے ان دونوں حضرات کی بیعت کرلی تھی تو پھران کی سیرت کے اتنے مخالف کیوں تھے کہ ہاتھ آئی خلافت کو ٹھوکر ماردیا؟ مزید برآں اگراس جلسہ میں نہیں تو کم ازکم بعد میں کسی نے حضرت علیؑ سے کیوں نہیں کہا کہ آپؑ تو حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی بیعت کرچکے تھے پھران کی سیرت پر چلنے سے انکار کیوں کیا۔ ان سوالات پر بے تعصبی سے غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوجائے گا کہ حضرت علیؑ نے ان حضرات کی بیعت نہیں کی تھی۔

سعید اختر کی دوسری دلیل یہ کہ عمر ابن سعد نے حضرت امام حسینؑ سے ملاقات کے بعد ابن زیاد کو خط لکھا کہ امام حسینؑ اس پر آمادہ ہیں کہ مدینہ واپس چلے جائیں یا کسی سرحدی علاقہ میں جاکر ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کریں یا یزید کے پاس جاکر اس کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اس کے فیصلے کو قبول کرلیں (یہ تیسری بات عمر سعد نے اپنی طرف سے بڑھائی تھی جس کی تصدیق آگے چل کر اسی کی گفتگو سے ہوجاتی ہے) ابن سعد یہ خط پڑھ کر خوش ہوا لیکن شمر نے اسے بھڑکادیا اور کہا کہ ''حسینؑ اگر تیرے علاقہ سے تیرے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر نکل گئے تو ان کی طاقت اور بڑھ جائے گی اور تیری طاقت پر ضرب لگے گی۔'' بہر حال ابن زیاد نے عمر سعد کی تجویزیں مسترد کردیں اور لکھا کہ ''میں نے تجھے حسینؑ سے گفتگو کرنے کے لئے یا مجھ سے ان کی سفارش کرنے کے لئے نہیں بھیجا ہے' اگر حسینؑ اور ان کے ساتھی میرے حکم پر راضی ہوں تو انہیں میرے پاس بھیج دے ورنہ ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کردے اور بعد از قتل حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کردے اور اگر اس حکم کی تعمیل تجھے منظور نہ ہو تو ہمارے کام سے الگ ہوجا اور لشکر کو شمر کے حوالے کردے کہ ہم نے اس کو یہ اختیار دیا ہے۔''

جب یہ خط شمر کے ہاتھ سے عمر سعد کو ملا تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ شمر کی چال بازی کا نتیجہ ہے اس نے شمر سے غصہ میں کہا کہ گمان کرتا ہوں کہ تو نے ہی ابن زیاد کو میری بات ماننے سے روکا ہے اور میں جو معاملات سلجھانا چاہتا تھا تو نے ان کو بگاڑ دیا ہے۔

''خدا کی قسم! حسینؑ کبھی اطاعت قبول نہیں کریں گے کیونکہ ان کے سینے میں ان کے باپ کا دل دھڑک رہا ہے۔''

بحوالہ: (۱) انسان الاشراف ق ا۔ ج ا مخطوط (۲) شیخ مفید: کتاب الارشاد' المؤتمر العالمی الشیخ المفید ۱۴۱۳ھ ص ۸۹ (۳) باقر شریف القریشی: حیاۃ الامام الحسین علیہ السلام طبع اول ۱۳۹۶ھ جلد سوم ص ۱۳۴۔

''اس کا صاف مطلب تھا کہ نہ تو حضرت علیؑ نے کسی سے بیعت کی تھی اور نہ حضرت امام حسینؑ کسی کی بیعت کریں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ نے بیعت کر لی تھی تو شمر نے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ جب علیؑ نے بیعت کر لی تھی حسین کیوں انکار کریں گے۔ اس گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ۶۱ھ کے محرم تک دوست اور دشمن ہر ایک کو یہ بات معلوم تھی کہ حضرت علیؑ نے بیعت نہیں کی تھی۔''

سعید اختر صاحب کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جیسا یہ کہا جاتا ہے اور بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ جناب سیدہ کے انتقال کے بعد یعنی چھ ماہ بعد حضرت علیؑ نے بیعت کر لی تو یہ اس لئے ناممکن ہے کہ جناب سیدہ کی نظر میں امیر المومنین علیؑ امام زمانہ تھے وہ انہی کو امام مانتی تھیں اور اس لئے وہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اگر بعد وفات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ امام تھے تو بعد وفاتِ جنابِ سیدہ وہ امامت سے معزول کیسے ہو جائیں گے اور کیسے بیعت کر لیں گے۔ وہ سورہ یٰسین ۱۲ میں امام مبین تھے اور رسولؐ خدا نے بھی اسی امام مبین کی وضاحت کی ہے۔ شیخ مفید علیہ

الرحمہ کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت علیؑ نے کبھی بیعت نہیں کی (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کے دل پر اس کوہِ غم کا بوجھ ہی کیا کم تھا کہ جس رسولؐ کی زندگی بچانے کے لئے بچپن سے جوانی تک اپنی جان خطرے میں ڈال کر جنگیں لڑیں، دشمنیاں مول لیں اسے مشیتِ پروردگار میں اپنے ہاتھوں سپرد خاک کر دیا جبکہ رسولؐ کے دم بھرنے والے ساتھی غائب رہے اب انہیں دوسرے کوہِ گراں کا سامنا خلیفہ کی بیعت کرنے کے سوال میں تھا۔ بیعت طلب کرنے والے یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ اقتدار کی خاطر تلوار نہ اٹھائیں گے۔ ان کا منصب اسلام اور اسلام کی دستگیری ہے انہیں اپنی توقعات پر یقین کامل تھا اسی لئے شیر بن کر بیعت کرنے کے لئے قتل کی دھمکی بھی دی جا رہی تھی۔ دوسری طرف حضرت علیؑ جانتے تھے کہ بعد رسولؐ انہیں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ انہیں رسولؐ سے اپنی گفتگو یاد رہی ہوگی کہ ایک دن جب رسولؐ خدا ان کا ہاتھ پکڑے مدینہ کی بعض گلیوں سے گزر رہے تھے تو ''جب ہم ایسے راستے پر آئے جہاں اور کوئی نہ تھا تو جناب رسولؐ خدا مجھے گلے لگا کر رونے لگے۔ میں نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ آپ کے گریہ کا کیا باعث ہے؟ تو فرمایا ''ان لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عداوتیں بھری ہیں جن کو وہ اب تو چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے''۔ میں نے عرض کیا کہ ''یہ سب میری سلامتی دین کے ساتھ ہوگا؟ فرمایا ''ہاں'' تیری سلامتی کے ساتھ۔'' (۲) تو ایسی صورت میں بیعت سے انکار میں بھی ان کی

۱۔ شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے الفصول المختار من العیون والمحاسن (ص ۵۶۔۵۷) کشکول نیو جرسی صفحہ ۲۱۹۔

۲۔ محب الدین طبری، ریاض النضرۃ الجزء الثانی، الباب الرابع صفحہ ۲۱۰۔ (ماخوذ ''حیدر کرار'' سید فضل حسین شاہ مشہدی صفحہ ۱۴۷۔)

سلامتی کا کوئی خطرہ نہیں جبکہ امامت کو اللہ نے اپنے قرآن کی سورہ زخرف نمبر ۲۸ میں انہیں کے ذریعہ بقادی ہے "ہم نے اس کی نسل میں اپنے کلمہ کو باقی رکھا تا کہ ممکن ہے یہ لوگ پلٹ آئیں" (ینابیع المودۃ ص ۱۱۷ پر علامہ قندوزی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ: زخرف نمبر ۲۸ ہمارے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اللہ نے امامت تا قیامت نسل حسینؑ میں ودیعت کردی ہے۔)(۲)

انہی حالات میں حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کردیا اور حضرت ابوبکرؓ نے بغیر بیعت لئے انہیں جانے دیا۔

بیعتِ حضرت علیؑ کے سلسلہ میں کوئی مورخ حضرت ابوبکرؓ کے اس اقدام کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ اگر وہ مشورہ مان کر بیعت سے انکار پر حضرت علیؑ کو قتل کرادیتے تو یہ بعد کی بات تھی کہ دنیائے اسلام کا پہلا خلیفہ کون ہوتا' بنی ہاشم' بنی امیہ اور قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ مل کر خون کی ندیاں بہادیتے' قیامت برپا ہوتی اور بقائے اسلام ہی خطرے میں پڑ جاتی۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؑ سے بیعت طلبی کا خیال ہی نہ چھوڑا بلکہ انہوں نے خود حضرت علیؑ کی فضیلت کا اظہار کیا۔ امام غزالی نے سرالعالمین میں اور سبط ابن الجوزی نے تذکرہ خواص الامت کے صفحہ ۳۶ پر لکھا ہے کہ خلافت حاصل کرنے کے بعد پہلا خطبہ جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا اس میں انہوں نے تسلیم کیا "لست بخیر کم و علیؑ فیکم" "یعنی میں تم میں کا بہتر شخص نہیں ہوں کیونکہ علیؑ تم میں موجود ہیں۔"(۲)

۱۔ "علی فی القرآن" مولف آقائے سید صادق حسین شیرازی۔ صفحہ ۴۰۰۔
۲۔ "حیدر کرار" سید فضل حسین شاہ مشہدی صفحہ ۱۷۲۔

حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی

سقیفہ کے انتخابات کے بعد خلافت کے قیام میں حضرت علیؑ کو جبریہ بیعت کے لئے مجبور کرنے اور ان کا بیعت کئے بغیر واپس چلے جانے پر خاموشی اختیار کر لینے کے بارے میں چودہ سو سال سے زائد گزر جانے کے بعد آج بھی اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر خلافت پر حضرت علیؑ کا حق تھا تو انہوں نے اپنے حق کے حصول کے لئے تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ بدر، احد، خیبر اور فتح مکہ کی ہولناک جنگوں کے ہیرو نے خاموشی کیسے اختیار کر لی۔ یہ سوال کرنے والے وہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے حضرت علیؑ کی عظیم شخصیت، فہم و فراست اور اسلامی ذہنیت کو نہیں سمجھا۔ جنگوں میں حضرت علیؑ کی شجاعت کا ذکر تو پڑھا لیکن یہ نہ پڑھ سکے کہ ان کی جنگ ہمیشہ حفاظتِ دین و اسلام کے لئے تھی۔ ایسے لوگوں نے نہ ان کے بارے میں قرآنی آیات سمجھیں نہ ان کے بارے میں رسولِ خدا کے اعلان کردہ خصوصی فضائل پڑھے۔ حضرت علیؑ کے کارنامے خداشناس ذہن، ان کی انکساری، خاکساری، تواضع، عبادت، خلوص، محبت، فہم و فراست پیدائشی و فطری ایمان کے بارے میں بھی مکمل معلومات نہیں رکھتے۔ جو مرکزِ علومِ فرقِ

اسلامی ہو' اور علومِ الٰہی کا سرچشمہ ہو' جو حادثاتِ زمانہ کے سمندر کی خوفناک موجوں میں کشتی نجات کا ناخدا ہو' جس کے ایمانِ محکم کی قسم کھائی جاسکتی ہو' جس کے عقل و وجدان میں عادلانہ شان ہو' جو اسلامی' دینی اور دنیاوی امور کا ماہر ہو' جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے علم کے شہر کا دروازہ کہیں' جو روح کی قدسی قوت کا حامل ہو' جس کے دل و دماغ میں میراثِ پیغمبر پیوست ہو' جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے ہیں' جو یہ جانتا ہو کہ اسلام کا آفاقی نظام پوری دنیا کی تہذیبوں کے لئے رہنے کا نظام ہے جو ایک عالمی معاشرے کی بنیاد رکھتا ہو تو وہ اس اسلام کی بنیاد پر اپنی ذات کے لئے کیسے تلوار اٹھالیتا۔ ایک بہادر کے لئے تلوار اٹھانا آسان ہے لیکن اس کے نتائج سمجھنے کے لئے حضرت علیؑ ہی جیسا دماغ چاہئے۔ تلوار اٹھ جاتی تو خون کی تحریر میں اسلامی زوال کی داستان درج ہوتی۔ حضرت علیؑ خدا اور رسولؐ کی طرف سے مقرر کردہ امام مبین تھے (سورہ یٰسین ۱۲)(۱) اور امام کی شانِ امامت یہ ہے کہ وہ اسلام اور دین کی حفاظت کرتا ہے۔ صورتحال یہ تھی کہ نظمِ مملکت تو بزور حاصل کی گئی لیکن اسلام پر ڈاکہ نہیں ڈالا گیا۔ امت مسلمہ سنت رسولؐ اور اجتہاد میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر مصروف تھی اور خلافت کے مسئلہ پر کسی اجماع کا اب امکان ہی نہ تھا۔ اگر حضرت علیؑ صرف خلافت نہ ملنے پر تلوار اٹھا لیتے تو ان کے مخالفین کے لئے جواز بن جاتا۔ خلافت' اسلام کے نام پر قائم کی گئی حکومت اگر

ا۔ ''سورہ یٰسین'' (ہم نے ہر چیز کا علم امام مبین کو دے دیا) ینابیع المودہ صفحہ ۷۷ پر علامہ قندوزی نے امام حسینؑ اور امام حسینؑ نے آنحضورؐ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے آنحضورؐ سے سوال کیا کہ کیا امام مبین سے مراد توراۃ ہے انجیل ہے یا زبور ہے؟ اتنے میں میرے بابا حضرت علیؑ تشریف لائے۔ آنحضورؐ نے دیکھ کر فرمایا۔ یہ ہے وہ امام مبین جسے اللہ نے ہر چیز کا علم دیا ہے۔

اسلامی قوانین کے خلاف کام کرتی تو پھر جنگوں میں چمکنے والی تلوار کی دھار کند نہ تھی' خیبر کا در اکھاڑنے کی قوت اب بھی باقی تھی جس کے لئے دنیا نے ان کی خلافت کے زمانے میں جنگِ جمل اور صفین کے نتائج دیکھ لئے تھے۔

اس تفصیل کے علاوہ تلوار نہ اٹھانے کی حقیقت حضرت علیؑ کے خطبوں میں بھی ملتی ہے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ رحلت رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ سے کیا گفتگو کی تھی۔ حضرت علیؑ کے اس سلسلے میں بیشمار خطبات ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لئے صرف چند خطبوں کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

☆ ''خدائے جلیل کی قسم اگر محمدؐ رسول اللہ ہم سے عہد نہ لیتے اور ہم کو اس امر کی اطلاع نہ کر چکے ہوتے تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا اور کسی کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔'' (۱)

☆ ''میں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ رسول اللہ کا انتقال ہو چکا ہے کوئی خلافت کے متعلق ہم سے نزاع نہ کرے کہ ہم ہی اس کے وارث ہیں لیکن قوم نے میرے کہنے کی پرواہ نہیں کی۔ خدا کی قسم' اگر دین میں تفرقہ پڑنے اور عہد کفر کے پلٹ آنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کی ساری کاروائیاں پلٹ کر رکھ دیتا۔'' (۲)

☆ ''حضرت علیؑ نے اس طرح چشم پوشی کی جس طرح رسولؐ اللہ منافقوں اور مولفتہ القلوب سے کرتے تھے کہ کہیں وہ کفر تک پلٹ نہ جائیں۔'' (۳)

''کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۹' کتاب خصائص سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸' روضتہ الاحباب جلد ا صفحہ ۳۶۳' ازالتہ الخفا' جلد ا' صفحہ ۱۲۵'' میں آنحضرتؐ کے حضرت علیؑ

۱۔ تاریخ اعثم کوفی (اردو ترجمہ صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مکتب تعمیر ادب لاہور' (سیاست نامہ عرب) علی حسین رضوی صفحہ ۲۳۶۔

۲۔ استعاب جلد ا صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن' (سیاست نامہ عرب) علی حسین رضوی صفحہ ۲۳۷۔

۳۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۴۰۔ (سیاست نامہ عرب) علی حسین رضوی صفحہ ۲۳۸۔

سے عہد لینے اور صبر سے کام لینے کی وصیت پر بحث کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے اس قول کا حوالہ دیا گیا ہے کہ:

☆ ''اگر میں تلوار اٹھاتا تو اسلام منزل اول ہی میں ختم ہو جاتا۔'' (۱)

''خورشید خاور ترجمہ شبہائے پشاور'' مصنف آقائے سید محمد شیرازی صفحہ نمبر ۲۴۴ پر ''وفاتِ رسولؐ کے بعد خدا کے لئے حضرت علیؑ کا صبر و سکوت'' کے عنوان سے جو درج ہے اس سے نقل کر رہا ہوں۔

''امیر المومنین علیہ السلام وہ یکتا انسانِ کامل تھے جنہوں نے زندگی بھر کبھی اپنی ذات کی طرف نہیں دیکھا بلکہ ہر وقت خدا پر نظر رکھتے تھے یعنی ہر حیثیت سے فنا فی اللہ کی منزل میں تھے۔

آپ اپنے کو اپنے متعلقین کو اور امامت و خلافت اور ریاست کو محض خدا اور خدا کے دین کے لئے چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ کا صبر و تحمل و خاموشی اور اپنا مسلم الثبوت حق حاصل کرنے کے لئے مخالفین سے مقابلہ نہ کرنا بھی صرف خدا کے لئے تھا تاکہ ایسا نہ ہو مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے۔ لوگ اپنے سابق کفر کی طرف پلٹ جائیں۔ چنانچہ اس موقع پر جب حضرت فاطمہؑ مظلومہ کا حق چھینا جا چکا اور آپ مظلومی و مایوسی کی حالت میں گھر پلٹیں تو آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کو مخاطب کر کے عرض کیا (عربی میں ہے) یعنی آپ جنین کی مانند سمٹ کر بیٹھ رہے ایک متہم انسان کی طرح گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اپنے شکاری پرندے والے شہپر توڑ دیئے۔ پس کمزور پرندے والے پروں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ (طولانی ہے) حضرت علیؑ سارا بیان سنتے رہے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا خاموش ہوئیں تو ایک

۱۔ ''چودہ ستارے'' مولف مولانا سید نجم الحسن کراروی مطبوعہ امامیہ کتب خانہ۔ لاہور

مختصر جواب دے کران معصومہ کو مطمئن کر دیا۔ من جملہ اس کے فرمایا۔ فاطمہؑ! میں نے امر دین اور احقاق حق میں جہاں تک ممکن تھا کوتاہی نہیں کی آیا تم یہ چاہتی ہو کہ یہ دین مبین باقی اور پائیدار رہے اور تمہارے باپ کا نام ابد تک مسجدوں اور اذانوں کے اندر لیا جاتا رہے؟ آپ نے کہا میری سب سے بڑی آرزو اور خواہش یہی ہے۔ حضرت نے فرمایا' پس اس صورت میں تم کو صبر کرنا چاہئے کیونکہ تمہارے باپ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اس کے لئے وصیتیں فرمائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ مجھ کو صبر سے کام لینا چاہئے ورنہ میں اتنی طاقت رکھتا ہوں کہ دشمنوں کو زیر کر کے تمہارا حق وصول کرلوں' لیکن یہ جان لو کہ پھر دین ختم ہو جائے گا لہٰذا خدا کے لئے اور دین خدا کی حفاظت کے لئے صبر کرو کیونکہ آخرت کا ثواب تمہارے لئے اس حق سے بہتر ہے جو تم سے غصب کرلیا گیا ہے۔

اسی بنا پر حضرت نے صبر کو اپنا لائحہ عمل قرار دیا اور حوزۂ اسلام کے تحفظ کی غرض سے خاموشی اختیار کی تا کہ پارٹی بندی نہ پیدا ہونے پائے' چنانچہ اپنے اکثر خطبات و بیانات میں ان پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی فرماتے رہے۔

ابراہیم بن محمد ثقفی' ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ اور علی بن محمد ہمدانی کے حوالے سے صفحہ ۲۳۵ پر خورشید خاور ہی میں ذکر ہے کہ جب طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت توڑ دی اور بصرے کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں اس کے بعد ایک طویل خطبہ دیا۔ (اردو ترجمہ) ''مطلب یہ کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد ہم نے کہا کہ ہم پیغمبرؐ کے اہل بیت آپ کے عزیز' آپ کے وارث' آپ کی عزت' آپ کے اولیاء اور اہلِ عالم میں آپ کی جانب سے سب سے زیادہ حق دار۔ آن حضرتؐ کے حق اور سلطنت میں ہمارا کوئی فریق نہیں تھا لیکن منافقین کے ایک گروہ

نے گٹھ جوڑ کر کے ہمارے نبی کی حکومت اور سلطنت کو ہم سے چھین لیا اور ہمارے غیر کے سپرد کر دیا۔ پس خدا کی قسم اس کے لئے ہماری آنکھیں اور ہمارے دل رو دیئے اور خدا کی قسم ہم سب کے سینے غم اور غصے سے لبریز ہو گئے۔ خدا کی قسم اگر مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اپنے دین سے پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے تو ہم اس خلافت کا تختہ پلٹ دیتے (لیکن ہم نے سکوت اختیار کیا) وہ لوگ اس مسند پر قابض رہے یہاں تک کہ وہ اپنے ٹھکانے لگ گئے اور خدا نے امر خلافت کو پھر میری طرف پلٹایا چنانچہ ان دونوں (طلحہ اور زبیر) نے بھی میری بیعت کی اس کے بعد محض اس لئے بصرے کی طرف کوچ کیا کہ تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈال دیں اور تمہارے اندر خانہ جنگی پیدا کر دیں۔"

میرے ایک عزیز ہندوستان کے مشہور عالم مولانا غلام عسکری مرحوم نے "حکیمانہ خاموشی" کے عنوان سے اپنی تحریر میں اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جسے "کشکول نیوجرسی۔ امریکہ" میں صفحہ ۲۲۰ پر شائع کیا گیا ہے۔ مضمون طویل ہے اس لئے میں نے اسے قدرے مختصر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"وفات پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ کی حکیمانہ خاموشی ہوش کے تقاضے کو پورا کرتی ہے۔ نہ بھولنا چاہئے کہ وفات پیغمبرؐ کے پہلے بھی حضرت علیؑ ہوش نہیں کھوتے تھے۔ شب ہجرت نبیؐ کے ساتھ رہنے کے جوش کے بجائے حضرت علیؑ بستر نبیؐ پر سو کر فداکارانہ ہوش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔۔ سراپا جوش اور کل کفر عمر ابن عبدود کے مقابلے پر علی سراپا ہوش کل ایمان بن کر جاتے ہیں۔۔۔۔ عمرو کے سینے سے اتر کر جوش پر ہوش کی بلندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ایسے باہمہ ہوش علیؑ سے وفاتِ پیغمبر کے بعد "مجسم جوش" بن جانے کا مطالبہ اندازہ کی غلطی ہے بلکہ حضرت علیؑ سے زندگی

کی قدروں کو بدلنے کا مطالبہ ہے جو اگر کسی کے لئے قابلِ عمل بھی ہو تو روش پر مر مٹنے والے حسینؑ کے باپ علیؑ کے لئے بہر حال نا قابلِ عمل بلکہ عملاً ناممکن ہے۔

یقیناً حضورؐ سرور کائنات نے اپنی زندگی میں مسلسل اور واضح طور پر امت کی قیادت کے لئے حضرت علیؑ کو نامزد کیا تھا۔ یہ بات امت بھی جانتی تھی اور حضرت علیؑ بھی لیکن یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ نبوت نے جہاں امامت کے حقوق اپنے جیسے قائم کئے تھے وہاں فرائض بھی اپنے جیسے رکھے تھے۔ حقوق کو یاد رکھنا اور پورا کرنا امت کا کام تھا' فرائض کو انجام دینا حضرت علیؑ کا فرض تھا۔ اگر امت حقوق کی ادائیگی میں خلاف ورزیٔ حکمِ رسولؐ کرتی ہے تو حضرت علیؑ سے مطالبہ کرنا کہ وہ فرائض کو بھول کر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے تلوار اٹھالیں کتنا بے جا مطالبہ ہے۔ مسلمانوں کے غلط طرز عمل پر جناب امیرؑ اپنے فرائضِ مشکل کشائی اور فرائضِ قیادت کیوں کر چھوڑ دیتے۔

جناب امیرؑ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے تلوار اٹھاتے تو ساتھی نہ ملتے۔ جوشیلی طبیعتیں کہیں گی کہ کچھ بھی تھا مگر آپ کو تلوار اٹھانا چاہئے تھا۔ نتیجہ کیا ہوتا کہ آپ شہید ہو جاتے۔ جس طرح کربلا میں امام حسینؑ تب ہی شہید ہوئے جب کوئی نہ تھا۔ اگر تلوار اٹھاتے تو نہ صرف خود شہید ہوتے بلکہ کل سرمایۂ ایمان ختم ہو جاتا اور واقعۂ کربلا افراد و اشخاص کی تبدیلی کے ساتھ ۵۰ سال قبل کربلا کے بجائے مدینہ میں واقع ہو جاتا اور آسانی سے یہ بات کہی جاتی کہ حضرت علیؑ ناحق لڑے اور قتل ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ امامت جو اب تک قائم ہے جس کی پوری تاریخ ہے اور جس تاریخ میں حقیقی اسلام کے مکمل خدوخال مل جاتے ہیں۔ آج نہ یہ تاریخ ہوتی اور نہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے والا کوئی مذہب موجود ہوتا۔

شہادت عظیم درجہ ہے۔اس کے لئے محل اور موقع کا اچھا ہونا بھی ضروری ہے۔ صبح ہجرت اگر پیغمبرؐ شہید ہو جاتے تو حضورؐ کو درجۂ شہادت مل جاتا لیکن آج اسلام نہ ہوتا۔لہٰذا اللہ نے شہادت کے بجائے نبی کی حفاظت کر کے بتلایا کہ اسلام کو نئی زندگی کی ضرورت ہے۔

اس طرح اگر جناب امیرؑ تلوار اٹھاتے اور قتل ہو جاتے تو آج ایمان اور اس کی تاریخ کا وجود نہ ہوتا۔ وفاتِ آنحضرتؐ کے بعد ایمان کو حضرت علیؑ کی زندگی کی ضرورت تھی جس کے لئے آپ نے خاموشی اختیار کی مگر صرف خاموشی نہیں بلکہ حکیمانہ خاموشی جس کے سائے میں ایمان بچا بھی' پلا بھی اور یوں پروان چڑھا کہ آج تک قائم ہے اور وہ دن بھی انشاء اللہ آئے گا جب حضرت علیؑ کا آخری دلبند۔۔۔۔

واشرقت الارض بنور ربھا کے مطابق زمین کو اسلام سے جگمگا دے گا۔''

حضرت علیؑ کے تلوار نہ اٹھانے کی وجوہات کے سلسلے میں بے شمار روایات ہیں۔ ایک روایت حضرت علیؑ ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے بھی ہے کہ جب حیثم بن عبداللہ رمانی نے آپ سے سوال کیا کہ فرزند رسولؐ یہ بتائیں کہ رسولؐ کی وفات کے پچیس سال تک حضرت علیؑ نے اپنے دشمنوں سے جہاد کیوں نہیں کیا پھر اپنے عہدِ خلافت میں کیوں جہاد کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''حضرت علی علیہ السلام نے اس سلسلہ میں رسولؐ اللہ کی اقتدا کی اور ان کی سیرت پر عمل کیا۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال اور مدینہ میں (بعد ہجرت) انیس ماہ مشرکین سے ترکِ جہاد کیا اور یہ اس لئے کہ مشرکین کے مقابلے کے لئے آپؐ کے اعوان و انصار کم تھے پس اسی طرح علیؑ بھی قلتِ اعوان کی وجہ سے اپنے دشمنوں سے جہاد ترک کئے رہے۔غور کرنے کی بات ہے جب تیرہ سال انیس ماہ ترکِ جہاد کی وجہ سے رسولؐ

اللہ کی نبوت باطل نہیں ہوئی تو پچیس سال تک ترک جہاد کرنے سے حضرت علیؑ کی امامت کیسے باطل ہو جائے گی جبکہ ان دونوں کے ترکِ جہاد کا سبب ایک ہے۔"(۱)

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت علیؑ اگر تلوار اٹھا ہی لیتے تو وہ اپنی ذات میں خود ایک لشکر تھے ان کی جنگی مہارت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ قتل ہو جاتے ہاں خون کی ندیاں بہہ جاتیں اور اسلام کے نقوش دھندلے پڑ جاتے۔ حضرت علیؑ کا تلوار نہ اٹھانا مرضیٔ رب تھا۔ بس یہ ضرور ہوا کہ رسولِؐ خدا جو دینی اور دنیاوی طاقت یکجا کئے تھے وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی دنیاوی طاقت خلافت کے پاس رہی اور دینی طاقت امام کے حصہ میں آئی۔ یہی وقت تھا جب کئی فرقوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ فرض کیجئے حضرت علیؑ شہید ہو جاتے تو دنیا ہی ختم ہو جاتی اس لئے کہ بغیر امام دنیا باقی نہیں رہ سکتی۔

"علل شرائع" (اردو) میں شیخ الصدوق علیہ الرحمہ نے صفحہ ۲۲۶ سے ۲۳۳ تک ۳۲ روایتیں درج کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت نقل کر رہا ہوں: "میرے والد رحمہ اللہ نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے عبداللہ بن جعفر حمیری نے روایت کرتے ہوئے سندی بن محمد سے انہوں نے علا بن رزین سے انہوں نے محمد بن مسلم سے انہوں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین بغیر امام کے باقی نہیں رہ سکتی خواہ امام ظاہر ہو یا غائب۔"

اور یہی حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ نے تلوار نہیں اٹھائی کہ شاید خدا کو ابھی دنیا کی بقا منظور تھی۔ چنانچہ "آپؑ نے حفاظتِ دین اور استحقاقِ خلافتِ مسلمین کے درمیان

۱۔ "علل الشرائع (اردو)"، شیخ الصدوق علیہ الرحمہ مترجم سید حسن امداد صفحہ ۲۰۷ جلد اول

سے ایک راستہ نکالا اور جب بھی اسلام کو خطرہ میں دیکھا اور دشمنوں کے خطرہ کو دفع کرنے کے لئے مدد کی ضرورت محسوس کی حکومت وقت کے ساتھ مسالمت آمیز رویہ اختیار کیا اور اس کی مشکل کشائی کرتے رہے تاکہ امت محفوظ رہے۔ دین تباہ نہ ہونے پائے' واجبِ شرعی و عقلی ادا ہو جائے اور دنیا آخرت پر مقدم نہ ہونے پائے۔"(۱)

منصبِ خلافت اور علیؑ کا اس پر حق' یہ نہ صرف حضرت علیؑ کی ذات کا مسئلہ نہ تھا۔ یہ تو امتِ رسولؐ تعلیماتِ رسولؐ ملت کی بقا' دین اسلام کے دوام اور ملت کو بعد رسولؐ اختلافات سے بچانے کا مسئلہ تھا۔ اب اگر حضرت علیؑ تلوار اٹھائیں یا نہ اٹھائیں' حضرت علیؑ کے نزدیک ملت اور اسلام کی بقا مقدم تھی۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ دلوں کو فتح کرنے سے پھیلا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ خود اپنی ذات میں لشکر تھے مگر ایسا لشکر جو دین کی مصلحت' رسولِؐ خدا کی وصیت' امامت کی ذمہ داریوں اور شرعی مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑا تھا۔

اب فیصلہ آپ کریں کہ دین کو اس وقت کیا ضرورت تھی' حضرت علیؑ کی تلوار کی یا صبر علیؑ کی۔

۱۔ "المراجعات للسید شرف الدین العاملی ص ۳۳۲۔۲۴۴" مندرجہ "نظریہ عدالت صحابہ" تحریر استاذ احمد حسین یعقوب ترجمہ علامہ جوادی صفحہ ۳۶۱۔

بیعت طلبی کے اثرات

وفاتِ سرورِ کائناتؐ کے بعد رسولِ خدا کی تجہیز و تکفین میں شرکت نہ کر سکنے' خلافت قائم کر لینے اور حضرت علیؑ سے بیعت طلبی نے مدینہ کے سیاسی حالات میں ہلچل مچا دی اور انتہائی انسانیت سوز واقعات نے جنم لیا۔ اسلام نے جس تیز مزاجی کو اخلاق و انکساری کے سائے میں ڈھالا تھا اور پیغمبرؐ اسلام نے جس حسنِ سلوک کی تبلیغ ہی نہیں عمل کی شمع ہدایت روشن کی تھی وہ مدھم پڑنے لگی۔ ایک طرف بنی ہاشم رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول' حالات سے بے خبر رہنے پر قانونی احتجاج پر مجبور ہوئے دوسری طرف سعد بن عبادہ اور ان کے اعزہ و اقارب انتہائی برہم ہوئے اور بیعت سے منکر ہو کر جہاد کی دھمکی دینے لگے۔

لوگوں کے دلوں میں یہ سوالات پیدا ہونے لگے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خلافت کے مسئلہ کو با قاعدہ انتخابی شکل دی جاتی۔ جیسا کہ تاریخ میں درج ہے کہ مدینہ کی سیاسی فضا حضرت علیؑ کے لئے انتہائی ناسازگار تھی تو یہ بھی ممکن تھا کہ ایک پر امن ماحول میں حضرت ابو بکرؓ ہی خلیفہ چن لئے جاتے اور پھر کسی سیاسی تحریک کے ابھرنے کی گنجائش بھی نہ ہوتی۔ سقیفہ میں انتخاب

کی عجلت سے مدینہ میں جو لوگ رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اسلامی تاریخ کو مشکوک نگاہ سے دیکھنے لگے جس کے نتائج کچھ اس طرح ابھر کر سامنے آئے۔

۱) وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو کر دو فرقوں میں تقسیم ہو گئی اور علوی تحریک وجود میں آ گئی۔

۲) اسلامی اخوت اور مساوات رخصت ہو کر قریش کے سر کا تاج بن گئی۔

۳) اس صورت حال کو دیکھ کر عرب کے دوسرے قبیلے جو مسلمانوں کو برابر کا شریک سمجھتے تھے باغی ہو گئے۔ پہلے دو خلیفہ کا تو دبے ہوئے حالات میں جائزہ لیتے رہے لیکن تیسرے خلیفہ کو شہید کر بیٹھے۔

۴) چوتھے خلیفہ حضرت علیؑ نے رسولؐ اللہ کی اسلامی مساوات کو فروغ دیا تو انہیں بھی شہید کر دیا گیا۔

۵) پانچویں خلیفہ امام حسنؑ منتخب ہوئے تو انہیں صلح پر مجبور کر کے صلح نامے کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔

۶) مولانا مودودی کو اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں لکھنا پڑا کہ امیر معاویہ نے ملوکیت کو جنم دیا اور بادشاہت کو فروغ ملا۔ رہی سہی کسر ان کے فرزند یزید نے پوری کر دی پھر حضرت علیؑ کے فرزند امام حسینؑ نے کربلا میں اپنا گلا کٹوا کر اور بھرا کنبہ لٹا کر اسلام کو بچا لیا لیکن جسم اسلام پر ۷۳ زخم ایسے لگے کہ ہم آج تک کراہ رہے ہیں۔ رسولؐ نے اسی لئے کہا تھا کہ "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔"

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ۷۳ فرقوں کے اختلافات ختم ہو کر اسلام میں یکجہتی ہو جائے اور سارے مسلمان مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔

مجھے مسلمانوں کی تاریخ نہیں کتاب کے حوالے سے ادوارِ خلفاء میں حضرت علیؑ کے کردار پر روشنی ڈالنی ہے ورنہ اس موضوع پر تو پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

مصحفِ علیؑ

قرآنِ کریم ایک عظیم ایمانی معجزہ ہے جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کی بلند ترین اور زندہ سند ہے۔ انہی پر نزول ہونے کے واسطے وہ حضورؐ کا بولنے والا عالمگیر، روحانی اور ادبی معجزہ کہلاتا ہے۔ انسانی اذہان، افکار اور ارواح سے سروکار رکھنے والا ایسا معجزہ ہے جس میں خالق و معبود کے رشتے، اسلامی قوانین اور زمان و مکان کے وہ تمام ذخیرے موجود ہیں جن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ ایسا ادب ہے جس کے ایک سورہ کا جواب کوئی بڑے سے بڑا عالم نہ لا سکا۔

معجزات کی اپنی زبان نہیں ہوتی۔ انہیں بیان کرنا اور عملی طور پر پیش کرنا پڑتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیات بیان کیں اور عملی نمونہ بھی پیش کر دیا اب ضرورت اس بات کی تھی کہ تحریری شکل دی جائے جس کے لئے انہوں نے اپنے بھائی، داماد اور وصی حضرت علیؑ کو منتخب کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نہ صرف اپنا علمی خزانہ دیا بلکہ بچپنے سے ان کی پرورش کی۔ حضرت علیؑ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، نماز ساتھ پڑھی، پیدائشی مسلمان تھے، کسی بت کو سجدہ نہیں

کیا' اس گھر اور کوہ پر رہے جہاں قرآن کا نزول ہوا تو ان سے بہتر کاتب وحی الٰہی کون ہوسکتا تھا اس لئے رسولؐ نے انہیں حکم دیا کہ مختلف چیزوں میں منتشر آیات کو کتابی شکل دے دیں اور انہوں نے حکم کی تعمیل کر دی۔ (تاریخ القرآن' ابوعبداللہ زنجانی ص ۴۴) یعنی قران کو علیؑ نے رسولؐ کی زندگی ہی میں مرتب کر دیا۔ رسولؐ سے قربت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ حضرت علیؑ قرآن کو اچھی طرح جمع کرتے۔ اسے دیکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہوگا (**انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی و انھما لن تفترقا حتی یردا علی الحوض**) میں تمہارے درمیان دو عظیم امانتیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت یعنی اہل بیتؑ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس پہنچیں گے (۱) مطلب یہ ہوا کہ امانت میں قرآن کتابی شکل میں موجود تھا۔

بعدِ وفاتِ پیغمبرؐ جب حضرت علیؑ کو خلافتِ ظاہری نہ ملی تو انہوں نے اسی قرآن کو تنزیل کے مطابق جمع کرنا شروع کر دیا جیسا کہ وہ نازل ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ کونسی آیت کب اور کہاں اتری۔ وہ اس کے ظاہر اور باطن سے آگاہ تھے کہ اس کی تعلیم خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی جس پر قرآن کا نزول ہوا۔ اس سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علیؑ نے قرآن شریف اس ترتیب سے جمع کیا تھا جس طرح نازل ہوا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں (۲) کہ اگر وہ قرآن ہمارے پاس ہوتا تو علم کا بہت بڑا

۱۔ صحیح الترمذی جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۰۔۲۰۱ مناقب اہلبیتؑ
۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱ مندرجہ ''اسلام پر کیا گزری'' محمد باقر شمس صفحہ ۱۲۳۔

ذخیرہ ہوتا۔"

جب خلیفہ اوّل نے حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے بلایا تو انہوں نے کہہ دیا کہ "میں مصروف ہوں میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ نماز کے سوا چادر تک نہ اوڑھوں گا جب تک قرآن نہ جمع کرلوں" (کتاب سلیم بن قیس ہلالی صفحہ ۴۴) چنانچہ حضرت علیؑ نے قرآن ترتیب دے دیا۔ اتقان سیوطی صفحہ ۵۷، حبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں کہ "علی کا قرآن تنزیل کے مطابق تھا۔"

"امیر المومنینؑ نے پورا قرآن جمع کر کے چادر میں لپیٹا اور مسجد میں پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ وہاں موجود تھے۔ آپؑ نے ان سے کہا کہ یہ وہ قرآن ہے جسے میں نے تنزیل کے مطابق جمع کیا ہے اور جو آنحضرتؐ کی نظر سے بھی گزر چکا ہے۔ اسے لے لو اور رائج کر دو۔ آپ نے یہ بھی کہا میں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ مجھے آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا۔ میں اتمام حجت کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ کتاب فصل الخطاب کی رو سے حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: اسے واپس لے جاؤ مجھے ضرورت نہیں ہے۔" (۱)

خود حضرت علیؑ نے اپنی خلافت میں بھی وہ قرآن اس لئے نہ پیش کیا کہ مخالفت کی انتہا میں کہیں دو قرآن نہ ہو جائیں۔ بس قرآن جمع کرنے کی حقیقت اسی حد تک ہے۔ قرآن جواب تک موجود ہے وہ بھی علی بن ابراہیم کی حضرت امام صادقؑ کی روایت کے حوالے سے حضرت علیؑ ہی نے جمع کیا تھا۔ پہلے درج ہونے والی ابوعبداللہ زنجانی کے علاوہ یہ دوسری روایت ہے کہ:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ قرآن ریشم کے ٹکڑوں، کاغذ کے پرزوں اور ایسی دوسری چیزوں میں منتشر ہے اس کو جمع کر دو۔ اس

۱۔ بحار الانوار و مناقب جلد ۲ صفحہ ۶۶ مندرجہ "سیاست نامہ عرب" علی حسین رضوی ص ۲۳۹

پر حضرت علیؑ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کو ورد رنگ کے پارچے میں جمع کیا اور پھر اس پر مہر لگا دی۔''(۱)

روایات درج کرنا اچھی بات ہے وہی معلومات کا خزانہ ہوتی ہیں لیکن تاریخ پر نظر ڈالئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری طور پر حدیث سازی کی فیکٹریاں قائم تھیں جس سے حدیث پر حدیث بنتی رہیں۔ انہیں دیکھ کر پڑھنے والا حیران ہوتا ہے کہ کس حدیث کو معتبر اور کسے فرضی قرار دے۔ معتبر حدیث وہی ہوسکتی ہے جو گھر کا آدمی بیان کرے باہر بیٹھ کر گھر کے حالات کون جان سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق جو بھی حدیث ہو ان کے اہلبیت ہی معتبر راوی کہے جا سکتے ہیں۔

صرف قرآن جمع کرنے ہی کے بارے میں دوسری متعدد روایات موجود ہیں۔

جماعت المسلمین کے مشہور مولف حاکم نے کتاب مستدرک میں زید بن ثابت سے نقل کیا ہے:

''ہم پیغمبرؐ کی خدمت میں قرآن کے پراگندہ ٹکڑوں کو جمع کرتے تھے اور ہر ایک کو نبی اکرمؐ کی راہنمائی کے مطابق اس کے مناسب محل و مقام پر رکھتے تھے لیکن پھر بھی یہ تحریریں متفرق تھیں چنانچہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک جگہ جمع کریں (اسی جمع آوری کے بعد) اب آپ ہمیں اسے ضائع کرنے سے ڈراتے تھے۔''

☆ اہل تشیع کے بہت بڑے عالم سید مرتضیٰ کہتے ہیں:

''قرآن رسول اللہ کے زمانے میں (۲) اسی حالت میں موجودہ صورت میں

۱۔ ''تفسیر نمونہ جلد اول'' آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی صفحہ ۴۳۔

۲۔ مجمع البیان جلد اول ص ۱۵۔ مندرجہ تفسیر نمونہ جلد ا ص ۴۲۔۴۳ زیر نظر آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی۔

جمع ہو چکا تھا۔

☆ طبرانی اور ابن عساکر نے شعبی سے یوں نقل کیا ہے:

''انصار میں سے چھ افراد نے قرآن کو پیغمبرؐ کے زمانے میں جمع کیا تھا۔''(۱)

☆ قتادہ ناقل ہیں:

''میں نے انس سے سوال کیا کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں کس شخص نے قرآن جمع کیا تھا؟ اس نے کہا چار افراد نے جو سب کے سب انصار میں سے تھے۔ ابی بن کعب' معاذ' زید بن ثابت اور ابوزید۔''(۲)

''حضرت علیؑ کا قرآن ترتیب نزولی کے مطابق تھا جس کا پہلا اقراء پھر مدثر پھر ن والقلم پھر مزمل پھر تبت پھر تکویر پھر سبح اور اسی طرح آخر تک مکی پھر مدنی۔''(۳)

حافظ ابونعیم جو پانچویں صدی کے اوائل میں گزرے ہیں' لکھتے ہیں:

''قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا اس کا کچھ ظاہر ہے اور کچھ باطن ہے اور حضرت علیؑ بن ابی طالب کے پاس اس کا ظاہر بھی تھا اور باطن بھی۔''(۴)

ینابیع المودۃ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ:

''کلامِ مجید سات حرفوں میں نازل ہوا اور کوئی حرف ایسا نہیں جس کے لئے ظاہر و باطن نہ ہو اور اس کا ظاہر و باطن درحقیقت حضرت علیؑ کے پاس تھا'' صفحہ ۷۰۔

''حضرت علیؑ نے قرآن کو اس ترتیب سے لکھا تھا کہ جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ محمد کہتے ہیں کہ اگر یہ کتاب ملتی تو اس سے علم ملتا۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے

۱۔ منتخب کنزل العمال جلد دوم ص۵۲ مندرجہ زیر نظر آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی۔ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۶ ص ۱۰۳ ۔ زیر نظر آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی۔ ۳۔ شرح بخاری ص ۳۰ ''اسلام پر کیا گزری'' محمد باقر شمس صفحہ ۱۴۴۔ ۴۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۵ ''اسلام پر کیا گزری'' محمد باقر شمس صفحہ ۱۴۴۔

عکرمہ سے اس کتاب کا پتہ پوچھا مگر ان کو بھی معلوم نہ تھا۔(۱)

''ابن ابی الحدید کا بیان ہے کہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپؑ (حضرت علیؑ) عہد پیغمبرؐ میں قرآن حفظ کرتے تھے اور آپ کے علاوہ کوئی بھی قرآن حفظ نہیں کرتا تھا۔ آپ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن جمع کیا۔''(۲)

''سلیم بن قیس سے مروی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے بعدِ وفاتِ پیغمبر گھر میں رہے اور جمع و تالیف قرآن کرتے رہے۔ جب تک جمع نہ کر لیا گھر سے باہر نہیں نکلے۔''(۳) اس کے علاوہ بھی سلیم بن قیس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

''رسولؐ اللہ پر کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو انہوں نے مجھ کو نہ پڑھائی ہو اور املا نہ کرایا ہو اور میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے لکھ نہ لیا ہو۔ پیغمبرؐ نے مجھ کو اس آیت کی تاویل، تفسیر، ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ بتایا اور ہمارے لئے فہم و حفظ کے لئے خدا سے دعا کی، کتاب خدا کی کسی آیت کو میں نہیں بھولا اور نہ اس علم کو فراموش کیا جس کو آپ نے املا کرایا تھا اور میں نے لکھ لیا تھا۔''(۴)

محمد ابن سیرین عکرمہ سے نقل کرتے ہیں:

''حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے گھر میں بیٹھ کر قرآن جمع کیا۔ محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عکرمہ سے کہا کہ کیا کسی دوسرے شخص کی بھی تالیف اسی نہج پر ہے جس انداز سے قرآن اترا تھا، تو عکرمہ

۱۔ کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲۔ ''اسلام پر کیا گزری'' محمد باقر شمس صفحہ ۱۲۴۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ۔ ابن ابی الحدید ص ۲۷۔ مندرجہ ''مصحف علیؑ'' جناب شیخ رسول جعفریان مطبوعہ ''کشکول نیوجرسی'' ص ۴۱۵۔

۳۔ التسہیل العلوم التنزیل جلد ۱ ص ۴۔ مندرجہ ''مصحف علیؑ'' جناب شیخ رسول جعفریان مطبوعہ ''کشکول نیوجرسی'' ص ۴۱۵۔

۴۔ اکمال الدین ج ۱ ص ۴۰۱ بحار الانوار جلد ۸۹ ص ۹۷۔۹۸۔ البرہان جلد ۱ ص ۱۶۔ کشکول نیوجرسی صفحہ ۴۱۷۔

نے جواب دیا کہ اگر جن وانس مل کر بھی اسی طرح قرآن جمع کرنا چاہیں تو یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔" (۱)

ایسی بے شمار روایات ہیں جن کی تفصیل دینے میں وقت اور کتاب کا حجم مانع ہے۔صرف شیخ رسول جعفریان کا بیان پڑھ لیجیے۔:

"یہاں ایک بات یہ بھی بتا دینا بہت ضروری ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک قرآن نہیں لکھا تھا بلکہ ایک قرآن تو آپ نے تفسیر اور تاویل کے ساتھ لکھا تھا (جو حکومت وقت نے قبول نہیں کیا تھا) وہ آئمہ علیہم السلام کے پاس موجود تھا اور ایک دوسرا قرآن تین جلدوں میں حضرت علیؑ کی تحریر میں تھا لیکن ۷۵۵ھ میں جب روضہ کو جلا دیا گیا تو اس قرآن کو بھی جلا دیا گیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے جمع کردہ قرآن میں موجودہ قرآن سے زیادہ کچھ بھی نہ تھا۔اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ بات لوگوں کے درمیان پھیل گئی ہوتی درآں حالیکہ وہ قرآن آٹھویں صدی ہجری تک نجف میں موجود تھا (اور کوئی ایسی بات شائع نہیں ہوئی۔)" (۲)

"تفسیر نمونہ" جلد اصفحہ ۴۳ پر درج ہے کہ "قرآن حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا۔ رہا بعض مولفوں کا یہ اصرار کہ قرآن کسی طرح بھی رسول اللہ کے زمانے میں جمع نہیں ہوا اور یہ اعزاز حضرت عثمانؓ، خلیفہ اوّل یا خلیفہ دوم کو حاصل ہوا ہے۔شاید اس سے زیادہ تر مقصود فضیلت سازی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر گروہ اس فضیلت کی نسبت خاص شخصیت کی طرف دیتا ہے اور اسی سے متعلق روایت پیش کرتا ہے۔اصولی اور بنیادی طور پر یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس اہم ترین کام کو نظر انداز کر دیا

۱۔ الاتقاق جلد ا ص ۵۷۔۵۸۔مندرجہ "مصحف علی" رسول جعفریان مطبوعہ "کشکول نیو جرسی" صفحہ ۴۱۸۔

۲۔ "مصحف علیؑ" جناب شیخ رسول جعفریان مطبوعہ "کشکول نیو جرسی" امریکہ صفحہ ۴۲۰۔

ہو حالانکہ آپ تو چھوٹے چھوٹے کاموں کی طرف بھی توجہ دیتے تھے جبکہ قرآن اسلام کا اصولِ اساسی ہے، تعلیم وتربیت کی عظیم کتاب ہے اور تمام اسلامی پروگراموں اور عقائد کی بنیاد ہے۔ کیا نبی اکرمؐ کے زمانے میں جمع نہ ہونے سے یہ خطرہ پیدا نہیں ہوسکتا تھا کہ قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہوجائے یا مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوجائیں۔''

یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ نے انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک قانون بنا کر بھیجا جسے قیامت تک جانا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ رسولِ اکرمؐ اس اہم کام کو اپنے سامنے جمع کرائے بغیر امت کے حوالے کرکے چلے جاتے۔

مستند روایات اور رسولؐ کی حدیث کہ وہ اللہ کی کتاب اور عترت کو چھوڑ کر جارہے ہیں اور جیسا کہ حوالوں کے ساتھ درج کیا جاچکا ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی علیؑ نے قرآن جمع کیا اور رسولؐ کی رحلت کے بعد بھی امیر المومنینؑ نے اسی قرآن کو تنزیل کے مطابق جمع کیا جو قبول نہ کیا گیا۔

آیت اللہ العظمٰی سید ابوالقاسم خوئی نے اپنی کتاب ''فلسفہ معجزہ'' میں صفحہ ۱۵۳ پر درج کیا ہے کہ ''وہ روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن خلیفہ ابوبکرؓ کے عہد میں دو گواہوں کی شہادت سے جمع کیا گیا تھا دوسری متعدد روایات سے متصادم ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن عہد نبویؐ میں جمع ہوچکا تھا۔ حضورؐ قرآن مجید کو مکمل طور پر مرتب کراکے دنیا سے تشریف لے گئے۔''(۱)

شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حضرت علیؑ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

۱۔ نظریہ عدالتِ صحابہ، تحریر استاذ احمد حسین یعقوب۔ صفحہ ۱۴۱۔

''حضرت علیؑ کا حصہ علم دینیہ کے زندہ کرنے میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت رسولؐ خدا کے سامنے قرآن کو جمع اور مرتب کیا لیکن اس کے شائع ہونے میں تقدیر نے مدد نہیں کی۔'' (ازالۃ الخفا)

قرآنِ کریم کی آیت ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ (ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

آیت کے تیور بتلاتے ہیں کہ قرآن جمع کرنے کے لئے کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا گواہ اور محافظ خود اللہ ہے۔

موریس بوکائے کی کتاب ''بائبل قرآن اور سائنس'' کے صفحہ نمبر ۲۰۹ پر درج ہے کہ: ''قرآن بذاتِ خود اس حقیقت کے لئے اشارے بہم پہنچاتا ہے کہ اس کی کتابت عہد رسالت میں ہو چکی تھی'' قرآن کی چار سورتیں ایسی ہیں جن سے اس بات کا حوالہ بھی ملتا ہے۔

۱۔ سورۂ ۵۶ آیات ۷۷ تا ۸۰۔

اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ.

یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں ثبت ہے جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

۲۔ سورہ ۲۵ آیت ۵۔

وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَهَا فَهِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَةً وَّ اَصِیۡلًا

یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح وشام سنائی جاتی ہیں۔

۳۔ سورہ ۹۸' آیات ۲ اور ۳۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ.

اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہیں۔

۴۔ سورہ ۸۰' آیات ۱۱ تا ۱۶۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ.

ہرگز نہیں' یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہئے اسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں۔ بلند مرتبہ ہیں' پاکیزہ ہیں معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔

ان سوروں کے حوالے سے بات واضح ہے کہ قرآن رسولؐ اللہ کی زندگی میں کتابی شکل میں جمع ہو چکا تھا۔ اگر قرآن رسولؐ خدا کے بعد جمع ہوتا تو یہ آیات کہاں سے آ سکتی تھیں۔ میری نظر میں کوئی تاریخ ایسی نہیں گزری جس میں یہ درج ہو کہ بجز حضرت علیؑ کسی اور خلیفہ نے قرآن درج کیا ہو۔ سلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب صفحہ ۱۰۲ پر درج کیا ہے کہ جب طلحہ نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے جو قرآن جمع کیا ہے کیا وہ کچھ اور ہے تو حضرت علیؑ نے فرمایا ''اے طلحہ وہ تمام کا تمام قرآن وہی ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو دوزخ سے نجات پاؤ گے۔ اس کا مطلب ہے قرآن وہی ہے جو حضرت علیؑ نے رسولؐ کی زندگی میں جمع کر دیا تھا۔

رحلت رسولؐ کے بعد جو صحیفہ لکھا تھا اس میں صرف تاویل وتنزیل کا اضافہ تھا جو قبول نہیں کیا گیا۔ رسولؐ کے سامنے جمع کیا گیا قرآن حضرت علیؑ کی تحریر میں آج بھی موجود ہے۔

(۱) ایک مصحف مشہد نجف اشرف میں ہے جو ورق آہو (رق) پر خط کوفی میں یہ عبارت ہے .تم سنة اربعين من الهجره. (کتبہ علی ابن ابی طالب)

(۲) ایک جزو قرآن مجید کتاب خانہ آستان قدس مشہد مقدس ایران میں ہے۔ یہ بھی خط کوفی میں ورق آہو پر ہے۔ اصل تحریر غیر منقوط ہے اس پر اعراب وغیرہ نہیں۔ کسی اور نے کچھ دوسرے نشانات لگائے ہیں۔ آخر میں درج ہے۔ کتبہ علی ابن ابی طالب

(۳) اسی طرح کا دوسرا جز مصحف ہے اس میں بھی بعد میں اعرابی نقطے لگے ہوئے ہیں۔ آخر میں خط کوفی میں تحریر ہے۔ کتبہ علی ابن ابی طالب۔

(۴) موزۂ دولتی تہران میں بھی ایک نسخہ اسی صورت کا موجود ہے۔

(۵) حضرت علیؑ ہی کی تحریر میں ایک قرآن انڈیا آفس لندن کے مخطوطات میں خط کوفی میں ہے۔ خط کوفی ہی میں آخر میں درج ہے (کتبہ علی ابن ابی طالب)۔

(۶) ایک ترکی، انقرہ میوزم میں ہے۔

(۷) خط کوفی میں ایک نسخہ برٹش میوزیم میں بھی حضرت علیؑ کا ہی کہا جاتا ہے۔

(۸) تین قرآن کتب خانہ رامپور (ہندوستان) میں دیکھے تھے اب کا حال معلوم نہیں۔

(۹) ایک مرشد آباد (ہندوستان) میں مرشد علی خان کے امام بارگاہ میں ہے جس کی زیارت روز عاشور کرائی جاتی ہے۔

(۱۰) ایک جامع مسجد دہلی اور ایک شاہی مسجد لاہور میں ہے۔ الحاج ضمیر اختر صاحب

نے ہمایوں ظفر صاحب کے حوالہ سے بتلایا کہ ایک قرآن علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی ہے۔

حضرت علیؑ کے مشورے

تاریخی وقائع ایک دوسرے سے اس قدر منسلک و مربوط ہوتے ہیں کہ ان کے موضوعات کو اختلاط کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو ان کی صحیح اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ پھر صحت بیان ہی تاریخ کا جوہر ہے جنہیں واضح اور پرزور طریقہ پر بیان کر دینا ضروری ہے۔ تواریخ میں شخصیتوں کی کشمکش، آزاد قوموں کی تحریکات اور زندگی میں رونما ہونے والے حقائق کے انکشافات میں کانٹ چھانٹ کی جائے یا ان کے نتائج اپنی مرضی کے مطابق نکالے جائیں تو ان میں جاذبیت کم ہو جائے گی۔ عمومی تواریخ لکھنے میں تو عبارات کو لطائف و ظرافت کے ساتھ ہر قسم کے استعاروں سے بھی آراستہ کیا جا سکتا ہے۔ حسب منشا مسجع عبارت میں حقائق کی صحت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے لیکن اسلامی تاریخ کے بیان میں تحریری لباس کا پاک صاف رہنا اولین شرط ہے۔ حقائق سے ہٹ کر بیان کرنے میں کوئی نہ کوئی فتویٰ صادر ہو سکتا ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ مجھے ادوار خلفاء پر کوئی تاریخ درج نہیں کرنا بلکہ میری تالیف کا کام بھی محدود دائرے میں ہے کہ حضرت علیؑ نے خلفائے ثلاثہ سے تعاون کیا اور مشورے دیئے۔

جب مشورے اور تعاون کی بات ہوگی تو تاریخ میں درج اتنا تو بہر طور لکھنا پڑے گا کہ غدیر خم میں رسولؐ کے اعلان ولایت علیؑ کے باوجود آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ خلیفہ ہوتے ہوتے رہ گئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں پہل کر کے انہیں اوّل خلیفہ بنا دیا جس

کے صلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وصیت کر کے حضرت عمرؓ کو خلیفہ دوم کا اعزاز دیا اور خلیفہ دوم نے مجلس شورہ بنائی جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے اختیارات کا فائدہ اٹھا کر حضرت عثمانؓ کو تیسرا خلیفہ بنا دیا۔

الامامۃ و السیاسۃ ۔صفحہ ۹۸ پر درج ہے کہ ''سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت بشیر بن سعد انصاری نے کی۔انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ علیؑ کا نام برداشت نہیں کرر ہے ہیں اور خلافت انہی کے درمیان رہنے والی ہے تو کم از کم اوّلیت کا شرف حاصل کرلیا جائے لہٰذا فوراً بیان دے دیا کہ رسولؐ اکرم قریش میں سے تھے اور ان کی قوم ان کی میراث اور حکومت کی زیادہ حق دار ہے اور کہہ کر دوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔'' ''نظریہ عدالت صحابہ'' میں استاذ احمد حسین یعقوب نے صفحہ ۳۵۵ پر درج کیا ہے کہ ''یہ بشیر بن سعد ان دو انصار میں شامل تھے جنہوں نے تمام قومِ انصار سے الگ ہوکر صفین میں معاویہ کے ساتھ حضرت علیؑ سے مقابلہ کیا۔ الامامۃ و السیاسۃ ۔صفحہ ۹ کے حوالے سے اس طرز عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ بشیر بن سعد حضرت ابوبکرؓ کے مشیروں اور نائبوں میں شمار ہونے لگا۔''

خلافت کے قیام کے بعد حضرت علیؑ کی جنگوں میں ان کی تلوار کے خوف سے جو لوگ خاموش تھے انہوں نے خلافت کے خلاف سر اٹھانا شروع کر دیا۔اسلامی دنیا میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔مدینہ کے نزدیکی قبائل عبس' ذبیان' کنانہ' غطفان اور فزارہ نے خلافت تسلیم کرنے اور زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کر دیا۔عرب کے جنوبی حصہ میں بنو تمیم کے قبائل نے بھی یہی کیا۔یمن' بحرین' عدن اور عمان کے قبائل میں کچھ مرتد ہوگئے اور کچھ دوسرے مدعیانِ نبوت پر ایمان لے آئے۔''

ابوسفیان نے سنا تو وہ بھی دہکتا ہوا مدینہ پہنچ گیا۔حضرت علیؑ کے پاس آ کر کہا

کہ: "اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ۔ کہو تو میں ابھی اس میدان کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں۔"

حضرت علیؑ چاہتے تو خلافت کا تختہ آسانی سے الٹ سکتے تھے۔ ان کی طاقت اور تلوار میں بنی ہاشم کا رعب وجلال ہی کیا کم تھا کہ شورشیں اور ابوسفیان کی فوجی امداد کیا کچھ نہ کر سکتی تھی لیکن وہ امام تھے جو دین کے محافظ تھے، رسولؐ کی وصیت بھی یاد تھی اس لئے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچانے کے لئے انہوں نے ابوسفیان کو جواب دیا کہ "تو ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہا ہے۔ مجھے تیری نصیحت اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ابوسفیان کو مایوس کر کے جہاں حضرت علیؑ نے بنی امیہ کے سازشی ذہن کی تاریخ محفوظ کردی وہیں خلفاء کے دلوں میں جذبۂ محبت پیدا کر دیا اور وہ حضرت علیؑ کے جذبہ کی قدر کرنے لگے۔ یہ ضرور رہا کہ ہر بار خلافت کا حق نہ ملنے پر حضرت علیؑ احتجاج کر کے یہ بتلاتے رہے کہ امت کا حقوق نہ ملنے پر احتجاج جائز ہے۔ امت کی تربیت کی اور ایک تعمیری حزب اختلاف کی بنیاد ڈالی۔ وہ حق اور ناحق کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچنا چاہتے تھے۔ تلوار نہیں اٹھائی کہ تفرقہ نہ پیدا ہو اور حکومت وقت کو اس کی ضرورت کے مطابق مشورے دیتے رہے۔

"نہج البلاغہ" از سید رئیس احمد جعفری وغیرہ نے صفحہ ۱۱۵ پر درج کیا ہے کہ "خلافت راشدہ کے زمانے میں وہ (علیؑ) حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ دونوں کے مشیر تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو آپؑ سے مشورہ کرتے تھے ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا "لولا علیؑ لهلک عمرؓ" (اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لئے اور اگر ان کے مشورے پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ وفساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہوجاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔''

حضرت علیؑ کے اپنے دور خلافت میں جو شورشیں ہوئیں اور حضرت علیؑ کو انہیں دبانا پڑا تو کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کے دور میں ایسا کیوں ہوا؟ تو فرمایا کہ ان سے پہلے بگڑے ہوئے معاشرہ کو از سر نو اسلامی معاشرہ میں تبدیل کرنے میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ میں رسولؐ اللہ کی طرز حکمرانی کا قائل ہوں۔

رسولؐ خدا نے اپنے ذاتی علوم اور قابلیت سے حضرت علیؑ کا فکری افق اتنا بلند کیا تھا کہ ان کے مشوروں اور مقدمات میں معجزاتی فیصلوں سے نہ صرف خلفاء نے استفادہ وافادہ کی معراج حاصل کی اور ان کی خلافت کو استحکام ملا بلکہ دین اور انسانیت کا وقار بھی بلند ہوا۔ آیئے ان کے مشوروں اور فیصلوں کو ادوارِ خلفاء کے ذکر کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

دورِ خلافت حضرت ابوبکرؓ

مجھے خلفاء کی پوری تاریخ نہیں موضوع کے اعتبار سے چند تاریخی حوالے درج کرنا ہیں جن سے واضح ہو کہ ادوار خلفاءؓ میں حضرت علیؑ نے کیا کارنامے انجام دیئے۔

خلافت کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔ چالیس سال تک کفار قریش کا دین وایمان رکھنے کے بعد اس وقت کے صحابہ میں سب سے پہلے ایمان لائے اور ''سابقون الاولون'' ہونے کا شرف حاصل کیا۔ تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ سب سے پہلے زید بن حارث اسلام لائے بہر طور آنحضرتؐ انہیں تبلیغ دین کے زمانے میں ساتھ رکھتے تھے۔ فکر معاش میں تجارت سے فارغ ہو کر شام کو برابر رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ طرزِ زندگی انتہائی سادہ تھی۔ مسائل شرعیہ میں انتہائی محتاط تھے۔ قران وحدیث کی پیروی کرنے میں جو بات نہ معلوم ہوتی اسے صاف کہہ دیتے کہ مجھے نہیں معلوم اور پھر مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حضرت علیؑ سے رجوع کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کی آواز پر لبیک اس وقت کہا جب حضرت علیؑ اور زید بن حارث کے علاوہ کوئی آپ کا ساتھ دینے والا نہ تھا۔ آنحضورؐ نے جب ہجرت کی تو مکہ سے مدینہ تک ساتھ رہے اور غار ثور میں بھی تین دن حضورؐ کے ساتھ بسر کئے۔

حضورؐ کے زمانے میں اہل سیف ہونے کی کوئی سند تو نہ تھی لیکن انہوں نے جن حالات میں حکومت قائم کی وہ ان کی صلاحیتوں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

ان کی صلاحیتوں کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ان کو بیعت سے انکار پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؑ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ''جب تک فاطمہؑ (دختر رسولؐ) ان کے پہلو میں ہیں میں کسی معاملے پر ان سے جبر نہیں کرسکتا۔''(۱)

یہ ہوشمندانہ فیصلہ تھا کہ اگر حضرت علیؑ قتل ہوجاتے تو نہ صرف بنی ہاشم خون کی ہولی کھیلتے بلکہ ان کے ساتھ بنی امیہ کی تلواریں بھی کھنچ جاتیں اور خلافت کے وجود کے خاتمہ کے ساتھ اسلام اور دین رسولؐ بھی رخصت ہوجاتا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؑ بنت رسول اکرمؐ سے ملاقات پر ان کی ناراضگی دیکھ کر ''حضرت ابوبکرؓ بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کی جان جاتی رہے۔۔۔۔ باہر لوگوں سے آ کر کہا کہ تم سب تو اپنے گھروں میں آرام کرتے ہو اور اپنی بیویوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر سوتے ہو لیکن تم نے مجھ کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ جس میں میں ہوں' مجھ کو تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں ہے' میری بیعت کو تم اپنی گردنوں سے نکال دو۔'' ان لوگوں نے کہا ''اے خلیفہ رسولؐ پھر امر خلافت درست نہیں رہے گا اور تم خود

۱۔ مولانا شبلی نے ''الفاروق'' میں اس واقعہ کو درست تسلیم کیا ہے۔ پروفیسر اختر رضا زیدی ''علی ابن ابی طالب حصہ اول'' صفحہ ۲۶۲۔

اس سے واقف ہو کہ اگر تم دستبردار ہو گئے تو دین خدا قائم نہیں رہے گا۔‘‘(۱)

حضرت علیؑ کی تعریف

حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؑ کے محاسن سے واقف تھے۔ جنگوں میں ان کی مہارت دیکھ کر بھی خلافت کے سلسلے میں ان کی حکیمانہ خاموشی سے خوش تھے۔ چنانچہ خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ’’**لست بخیر کم و علی فیکم** یعنی میں تم میں کا بہتر شخص نہیں ہوں کیونکہ علیؑ تم میں موجود ہیں۔‘‘(۲)

یہ خطبہ بھی حضرت ابوبکرؓ کی مدبرانہ سیاست کا ایک پہلو کہا گیا ہے۔

مسئلہ فدک

حکومت نے مرکزیت کے جن وسائل پر قبضہ کیا تھا ان میں سے مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر فدک ایک نہایت سرسبز و شاداب علاقہ یہودیوں کا تھا جو پیغمبر کو جنگ نہ کرنے میں معاوضہ کے طور پر دیا گیا اور بحوالہ قرآن جو مال اللہ نے اپنے رسول کو بغیر جنگ دلوایا وہ رسولؐ کی ملکیت تھا جسے انہوں نے اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ کو دیا تھا۔ فدک کوئی سو پچاس درختوں کا باغ نہ تھا بلکہ وسیع علاقہ تھا۔ ’’امام موسیٰ کاظمؑ نے مہدی عباسی کو اس کی جو حد بتائی تھی اس میں کوہ احد، عریش مصر، سیف البحر اور دومۃ جندل شامل تھے۔‘‘ آنحضرتؐ نے تحریری تصدیق نامہ یعنی بذریعہ دستاویز جائیداد فدک جناب سیدہ کے نام ہبہ کر دی۔ (۳)

۱۔ ’’ابومحمد عبداللہ بن مسلم قتیبہ کتاب الامت والسیاست الجزالاول صفحہ ۶ لغایۃ ۱۴‘ (حیدر کرار) مولف سید نذر حسین شاہ صفحہ ۱۶۴۔ ۲۔ امام غزالی ’’سرالعالمین‘‘ سبط ابن الجوزی ’’تذکرہ خواص الامت صفحہ ۳۶‘ حیدر کرار‘‘ صفحہ ۱۷۲۔ ۳۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۷۷۳‘ معارج النبوۃ رکن ۴‘ ص ۲۲۱ (چودہ ستارے۔ صفحہ ۷۶)

جناب فاطمہ زہرا نے بذات خود فدک کو اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے دلائل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے تو یہ فیصلہ کر دیا کہ فدک میں جناب فاطمہ زہراؑ کا کوئی حق نہیں لیکن بعد میں وہ اپنے فیصلہ پر مطمئن نہیں تھے۔

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابوبکرؓ نے آخر میں حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھ دیا تھا لیکن حضرت عمرؓ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دریافت کیا ''کیا ہے؟'' حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ ''باپ کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اس کے بارے میں وثیقہ میں نے ان کو لکھ دیا ہے۔'' حضرت عمرؓ بولے ''پھر کس چیز سے مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے وثیقہ لے لیا اور چاک کر ڈالا۔''(۱)

جناب فاطمہ زہراؑ سخت ناراض تھیں۔ حضرت علیؑ کو تلوار اٹھانے کا ایک اور موقعہ تھا لیکن رسولؐ کے دین اور ان کے نام کی بقا کی خاطر انہوں نے فاطمہ زہراؑ کو مطمئن کر دیا اور خاموشی اختیار کی۔

ان تمام وجوہات کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے جب بھی ان سے رائے طلب کی وہ اپنی امامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے مفید مشورے دیتے رہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے دشمنوں کو زیر کرنے کی سخت پالیسی اختیار کی کیونکہ وہ وقت کی ضرورت تھی۔ علامہ ابن اثیر نے ان تمام سزاؤں کا ذکر بحوالہ ترجمہ تاریخ کامل ص ۳۴ اس طرح کیا ہے کہ ''ابوبکرؓ کی فوج مخالفین کو پکڑ کے اپنے سردار کے پاس لائی تو اس

۱۔ علامہ سبط ابن جوزی۔ مندرجہ ''علی ابن ابی طالب حصہ اول'' پروفیسر اختر رضا زیدی صفحہ ۲۷۶

نے ان کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ ان کو آگ میں جلا دیا' بدنوں کو پتھر سے کوٹ کر چکنا چور کر دیا۔ پہاڑوں پر لے جا کر نیچے پھینک دیا۔ ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر کنوؤں میں الٹا لٹکا دیا اور تمام تفصیلات حضرت ابو بکرؓ کو لکھ کر بھیج دیئے۔''

یہ حضرت علیؑ کے مشورہ کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کی ابتدائی سختیوں میں جلانا اور ٹکڑے ٹکڑے کرانا بند کیا۔ منکرین کے خلاف اسلامی طور طریقہ سے جنگیں ہوئیں اور فتوحات حاصل کر کے ایک وسیع اسلامی حکومت قائم کر دی اور اس طرح دنیاوی خلافت کی بنیاد حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں پڑی۔

پروفیسر اختر رضا لکھتے ہیں کہ مدینہ میں حضرت ابو بکرؓ نے ''نہایت خاموشی اور تدبر کے ساتھ حضرت علیؑ کو ایک لمحے کے لئے بھی مرکز سے باہر نہیں جانے دیا۔ یہ کام اتنی ہوشیاری کے ساتھ کیا گیا کہ حضرت علیؑ کو کسی وقت بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ حکومت کے ہاتھ میں ایک سیاسی قیدی ہیں اور ان کی نقل و حرکت پر سخت ترین پابندی ہے۔''(۱)

(مولف کو اس تبصرے سے اتفاق نہیں۔) مدینہ سے باہر نہ نکلنا حضرت علیؑ کی اسلامی سیاست تھی جس پر آگے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ ''علی ابن ابی طالب حصہ اول'' پروفیسر اختر رضا زیدی صفحہ ۲۷۸۔

دورِ خلافت حضرت عمرؓ

تاریخ میں سرسید کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کی خلافت اوّل دراصل حضرت عمرؓ کی خلافت کا پہلا دور تھا۔ یہ بات درست ہو یا غلط اتنا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ اگر سقیفہ میں حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی فوری بیعت نہ کر لیتے تو خلافت راشدہ کا قیام ہی ممکن نہ تھا۔ اسی لئے تاریخی اعتبار سے حضرت عمرؓ خلیفہ تو دوسرے تھے لیکن صحرائی طرز انتخاب میں خلافتِ ظاہری کی بنیاد رکھنے والے حضرت عمرؓ ہی تھے جس میں عمائد حاضر نے بیعت کر لی اور انتخاب ایسے وقت ہوا جب بنی ہاشم رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ پہلی خلافت ملنے کے صلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو دوسرا خلیفہ نامزد کر دیا اور حضرت عمرؓ دور حضرت ابوبکرؓ میں بھی اتنے اہم تھے کہ کسی نے کوئی تعرض نہ کیا۔ اس کے ثبوت میں پہلے درج کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ اوّل نے باغ فدک جناب فاطمہؑ ہی کے لئے لکھ دیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اسے دیکھتے ہی چاک کر دیا۔ ایک دفعہ طلحہ بن عبداللہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا ''اے ابوبکرؓ بتاؤ تو سہی تم حاکم یا عمرؓ؟'' حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

''حاکم تو عمرؓ ہیں میرے لئے فقط ظاہری اطاعت ہے۔''(۱)

اس تاریخی حقیقت سے بہر حال انکار ممکن نہیں کہ خلافت راشدہ کی بنیاد اگر چہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پڑ چکی تھی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دو سال تین ماہ کے مختصر دور میں بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ کیا لیکن کوئی واضح نظام حکومت قائم نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے نہ صرف فتوحات سے سلطنت کو وسعت دی بلکہ حکومت کا نظام بھی قائم کیا۔ ''الفاروق'' میں ان کی سخت مزاجی، سخت گیری اور کچھ نئے فتوے صادر فرمانے کا بھی ذکر ہے۔ شبلی نے الفاروق میں یہ بھی لکھا ہے کہ فوجی نظم و نسق کے علاوہ پولیس کا محکمہ بھی اسی دور میں قائم ہوا۔ مجلس شوریٰ (کونسل) قائم کی اور بحیرۂ روم سے ہندوکش پہاڑ تک حکومت کے ستون قائم کر دیئے جس میں مکہ، مدینہ، طائف، یمن، جزیرہ حمص، مدائین، شام، مصر، کوفہ، بصرہ، خراسان، آذربائیجان، فارس اور فلسطین کے صوبے شامل تھے۔ اس طرح

''اسلامی حکومت بائیس لاکھ مربع میل تک اپنا دامن پھیلا چکی تھی۔''

تاریخ بتلاتی ہے کہ حضرت علیؑ مدینے میں سیاسی پابندیوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ تاریخ کہتی ہے کہ ان کو سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر حکومت کے فوجی نظام اور مرکزی و صوبائی انتظامیہ سے الگ تھلگ رکھا گیا لیکن اسی کے ساتھ تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا اور وہ ان سے صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ مشوروں کے علاوہ عدالتی فیصلے بھی انہی سے کروانے لگے۔ حضرت علیؑ نے بھی حفاظتِ دین اور استحقاقِ خلافت مسلمین کے لئے حکومت نے

۱۔ تاریخ طبری الجزالثالث، صفحہ ۲۴۰ ''حیدر کرار'' نذر حسین شاہ صفحہ ۱۵۴۔

جب بھی مدد مانگی انہوں نے امت کو محفوظ رکھنے کے لئے مشکل کشائی کی جس کا حضرت عمرؓ نے ہمیشہ اعتراف کیا کہ ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔'' حضرت علیؑ پر انہیں کلی اعتماد ہو گیا تھا اور حضرت علیؑ نے بھی مشوروں اور فیصلوں میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔

فارس کی فوج کشی میں علیؑ کا مشورہ

جب ۲۱ھ میں ایرانیوں کے ہاتھ سے عراق کے ساتھ ساتھ خوزستان بھی نکل گیا تو شہنشاہ ایران نے حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا۔ خلافت میں سراسیمگی کے آثار پیدا ہوئے اور حضرت عمرؓ نے فوجی کمان سنبھالنے کا خود فیصلہ کیا۔ مشاورتی کونسل میں صحابہ کی رائے ہوئی کہ شام وغیرہ سے فوجوں کو واپس بلایا جائے اور نواحی علاقوں سے فوج بھرتی کر کے روانہ کرنا بہتر ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن حضرت علیؑ نے ان اقدامات کی مخالفت کی اور فرمایا کہ:

''اگر شام میں فوج کم کر دی تو رومی غلبہ کریں گے اور مدینہ کی تمام فوج بھیج دی گئی تو بدوی عرب شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بصرہ اور کوفہ کی فوج کا تہائی حصہ بھیج دیا جائے۔ ایک تہائی حفاظت پر مامور رہے اور ایک تہائی دیگر امورِ جنگ میں مصروف ہو جائے۔''

اس مشورے کے علاوہ بھی حضرت علیؑ نے فرمایا کہ:

''تو ان کے لئے قطب آسیا بن جا اور آسیائے جنگ کو گروہ عرب کے ساتھ گردش دے اور سوا کسی دوسرے شخص کے ماتحت بنا کر انہیں لڑائی

سے گرم کر' کیونکہ اگر تو مدینے سے باہر چلا گیا تو عرب کے تمام قبیلے اطراف واکناف سے ٹوٹ پڑیں گے اور دوئم یہ کہ جب ایرانی کل تجھے دیکھیں گے تو آپس میں کہیں گے کہ بس یہی عربوں کا سردار ہے' اگر اسے کانٹ چھانٹ دیا تو پھر راحت ہی راحت ہے۔ بے شک یہ اقوال تیری لڑائی پر انہیں حریص کردیں گے۔ وہ تیری گرفتاری کی حد سے بڑھتی ہوئی طمع کرینگے۔ اگر تو نے شکست کھائی تو مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔'' (نہج البلاغہ)

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کے مشورے پر عمل کیا اور بجائے خود جانے کے نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں فوج روانہ کی۔

نظم ونسق اور اراضی کے سلسلہ میں مشورہ

خلیج فارس کے ساحلی علاقوں میں بھی انتظامات سنبھالنے کے لئے حضرت علیؑ ہی کا مشورہ انتہائی مناسب اور کامیاب ثابت ہوا۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' میں لکھا ہے کہ: ''حضرت علیؑ کے مشورے سے زمینوں کی پیمائش اعلیٰ پیمانے پر کی گئی۔ مال گزاری کا نیا طریقہ رائج کیا گیا۔ کاشتکاروں کی تکلیف کم کی گئی اور ان کو زمینوں کے قبضے پر بحال کیا گیا۔ بڑے بڑے زمینداروں پر ایرانی بادشاہوں کے لگائے ہوئے ٹیکس کی ترمیم کی گئی۔ آبپاشی کے لئے جابجا نہریں کھودی گئیں اور زمینداروں کو بروقت ضرورت تقاوی دینے کے متعلق ہدایات جاری کی گئیں۔ اصلی کاشتکاروں کو محفوظ رکھنے کے لئے زمین کی فروخت اور بیع کی سخت مخالفت کی گئی۔ شاہانِ ایران کی شاہی ملکیت' شاہی جنگلات' مغرور شہزادوں کی اور زمینداروں کی متروکہ جائیدادیں'

ان کے آتش کدوں کا مال و متاع جنہیں ان کے پجاری چھوڑ کر بھاگ گئے تھے سرکاری ملکیت قرار دی گئی اور ان کے انتظام کے لئے مدینہ سے ایجنٹ روانہ کئے گئے۔فوج ان زمینوں اور شالڈیا کے میدانوں کو جنہیں سوار کہتے ہیں کہ مال غنیمت قرار دے کر تقسیم کرنے پر زور دیتی تھی مگر خلیفہ نے حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ کے مشورے سے ان کی درخواست کو قطعی طور پر رد کر دیا۔"

بیت المقدس روانگی میں حضرت علیؑ کا مشورہ

مسلمانوں کے محاصرے سے تنگ آ کر جب عیسائیوں نے صلح کی، تو یہ شرط رکھی کہ مسلمانوں کا خلیفہ خود جا کر عہد نامہ کی توثیق کرے۔ حضرت عثمانؓ کا مشورہ تھا کہ یہ درخواست مسترد کر دی جائے تاکہ مسلمانوں کی برتری کا احساس بڑھے۔ حضرت علیؑ نے اسے مناسب نہیں سمجھا اور کہا کہ خلیفہ کو بیت المقدس جا کر عہد نامہ تحریر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے عیسائیوں کی دلجوئی ہوگی اور مسلمانوں کا اخلاق و کردار انہیں زیادہ متاثر کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس مشورہ کو فوقیت دی اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشیں مقرر کیا۔"(۱)

یہ واقعہ ۱۵ھ کا ہے جب حکومت مستحکم ہو چکی تھی اور انہیں حضرت علیؑ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت علیؑ کی موجودگی میں نظم و نسق میں کوئی فرق نہ آئے گا اور جب حضرت علیؑ نے اپنے حق کے لئے پہلے تلوار نہیں اٹھائی تو اب بھی ملت کے وسیع تر مفاد میں ایسا نہیں کریں گے۔

۱۔ علی ابن ابی طالب حصہ اول ص ۳۱۰، پروفیسر اختر رضا زیدی

حضرت علیؑ کا مشورہ بسلسلہ تقسیم فرشِ نو بہار

ایران کے محلاتِ شاہی میں سلاطینِ کیانی سے لے کر عہدِ نوشیرواں تک کے نوادارات بلکہ عجوبۂ روزگار چیزیں جمع تھیں۔ انہی میں ایک حیرت انگیز فرش بھی تھا جسے فرشِ نو بہار کہا جاتا تھا۔ موسم بہار کے خاتمہ پر یہی فرش بہار کی تمام کیفیاتِ موسم کا متبادل کہا جاتا گویا وہ فرش بہار کا نعم البدل بن جاتا۔ جہاں زمرد کا سبزہ، پکھراج کی روشیں، سونے چاندی کے درخت اور ہیرے جواہرات کے رنگ برنگے پھل پھول تھے۔ شہنشاہ ایران اور اس کے درباری اسی فرش پر بیٹھ کر موسم کے تمام لوازمات سے لطف اٹھاتے تھے۔

جب ایران فتح ہوا تو حسبِ روایت مسلمانوں نے صدیوں پرانی تہذیب اور اس کے اثاثوں کو مالِ غنیمت سمجھ کر سمیٹ لیا۔ جب یہ فرش تمام سامان کے ساتھ دربارِ خلافت میں پہنچا تو اس وقت حضرت عمرؓ خلیفہ تھے۔ روایت میں ہے کہ ''خلیفہ وقت نے چاہا کہ اس فرش کو بیت المال میں جمع کر دیا جائے لیکن حضرت علیؑ نے مشورہ دیا کہ دیگر مالِ غنیمت کی طرح اس فرش کو بھی کاٹ کاٹ کر سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اہلِ مدینہ کی اکثریت نے اس رائے سے اتفاق کیا، کیونکہ حضرت علیؑ نے انہی کے دل و دماغ کی ترجمانی کی تھی۔''

مولانا شبلی نے اس واقعے کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ:

''حضرت علیؑ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقعے کے پرزے اڑ گئے۔''

یہ جملہ لکھ کر شبلی صاحب نے خلافت اور امامت کے ملے جلے فیصلہ پر اپنی

رائے کو مقدم جانا۔ وہ نہ اس زمانہ میں موجود تھے کہ اس وقت کے فاتح مسلمین کی ذہنیت سمجھ سکتے جیسا کہ خلیفۂ وقت نے سمجھا اور نہ آج موجود ہیں جس میں ذہنیت نوے فیصد مزید خراب ہو چکی ہے جسے امامِ وقت نے سمجھ لیا تھا۔

تاریخ کے پروفیسر اختر رضا زیدی نے اپنی کتاب ''علی ابن ابی طالب حصہ اول' صفحہ ۳۱۲ پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے مولانا شبلی کے جملہ پر اپنا تبصرہ اس طرح درج کیا ہے کہ:

''ہم کہتے ہیں کہ فرشِ نوبہار پرزے پرزے ہوتا یا سالم ہوتا' خلافت راشدہ کے دور میں اس پر کبھی بہار نہ آتی۔ قصرِ کسریٰ سے رخصت ہو کر فاروقی بیت المال کے تنگ و تاریک گوشے میں پہنچتے ہی خزاں اس کا مقدر بن چکی تھی۔ ہاں! اگر ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جاتا تو ملوکیت کا زمانہ کچھ دور نہ تھا۔ پھر اس فرش پر ایسی قیامت کی بہار آتی کہ سرزمین ایران پر بھی کبھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔''

مشورہ برائے تحفظ کتب خانۂ اسکندریہ

تاریخ کو عالمِ انسانیت میں انتہائی اہمیت حاصل ہے جو تشنگانِ علم کی سیرابی کا باعث بنتی ہے۔ محققانہ' عالمانہ اور ادیبانہ تحریریں معلومات کے انمول خزانے فراہم کرتی ہیں لیکن تاریخی واقعات بیان کرنے میں حقائق سے ہٹ کر لکھا جائے تو باعث تشویش ہوتی ہیں۔ ایسا ہی ایک غلط واقعہ کتب خانۂ اسکندریہ کا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں فتح اسکندریہ کے بعد وہاں کے مشہور و معروف کتب خانہ کو حضرت عمرؓ کے حکم پر جلا دیا گیا جبکہ حضرت علیؑ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ اسے نہ جلایا جائے۔ تاریخ کا یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کے ہر مشورے پر عمل کرتے تھے۔ تاریخ کی

چھان بین سے پتہ چلا کہ یہ تحقیق کی خامی ہے یا کوئی سیاسی شعبدہ بازی کیونکہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے دور سے بہت پہلے جل چکا تھا۔ تاریخ کے دونوں متضاد بیانات پر غور کریں۔

(ا) علامہ احمد بن مصطفےٰ المعروف بہ طاش کبریٰ زادہ متوفی ۹۶۲ھ نے اپنی مفتاح السادۃ ومصباح السیادۃ جلد اول مطبوعہ حیدرآباد میں ذکر کیا ہے کہ:

''عمرو عاص نے جب اسکندریہ کو فتح کیا تو ان کو وہاں ایک کتب خانہ بھی ملا' حضرت عمرؓ سے کتابوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ موصوف نے عمرو عاص کو لکھا کہ اگر یہ کتابیں قرآن کے موافق ہیں تو قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور ان کتابوں سے ہم مستغنی ہیں اور اگر یہ کتابیں قرآن کے مخالف ہیں تو ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہے فوراً برباد کر دو۔ اس حکم کی بنا پر عمرو عاص نے تمام کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دیا جو چھ ماہ کی مدت میں جل کر ختم ہو گئیں۔''

اس واقع کی تصدیق ابن القفطی' ابن البزاز الکبروری' ابن عبری' شیخ عبدالطیف بغدادی اور علامہ مقریزی کی تصانیف نے بھی کر دی۔ قاضی صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الامم میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ اسکندریہ کی کتابوں کو محفوظ رکھنا چاہئے۔

کمال تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ سے منسوب جملے بھی لکھ دیئے گئے اور ان پر عمل نہ کرنا بھی درج کر دیا گیا۔ لکھا کہ حضرت علیؑ نے یہ فرمایا:

> ''دیکھو یہ کتابیں ذخائر علوم ہیں اور قرآن حکیم کے مخالف نہیں بلکہ ان سے قرآن کی تائید ہوگی۔ اور رموز و دقائقِ قرآن کی پوری پوری تفسیر کرنے میں یہ مددگار و معین ہونگی۔''

''لیکن خلیفہ وقت نے حضرت علیؓ کے مشورے کو شرف قبولیت نہیں بخشا اور علوم کا یہ ذخیرہ نذر آتش کر دیا گیا۔''

(۲) کامپٹن انسائیکلوپیڈیا جلد ہشتم میں اسکندریہ کے کتب خانہ کے متعلق یہ نوٹ ملتا ہے کہ:

''دنیا کی سب سے مشہور اور قدیم لائبریری چوتھی صدی قبل مسیح میں شاہ یونان بطلیموس اول نے اسکندریہ میں قائم کی تھی۔ آنے والے بادشاہوں نے کتابوں کی تعداد سات لاکھ تک پہنچادی۔ دنیا بھر کے عالم اس لائبریری میں آتے تھے اور دنیا بھر کے کاتب مسودوں کی نقل کے لئے جمع ہوتے تھے جب شاہ روم جولیس سیزر کی فوجوں نے اسکندریہ پر حملہ کیا تو ۴۷ ق۔م میں اسکندریہ کے عجائب خانہ کی لائبریری کا تھوڑا حصہ جلا دیا گیا لیکن ۳۹۱ء میں تھیوڈوسس اعظم (بادشاہ روم) کے حکم سے پوری لائبریری جلادی گئی۔''

انسائیکلوپیڈیا بری ٹانیکا میں بھی درج ہے کہ:

''اس مشہور واقعے کا ثبوت دستیاب نہیں ہوتا کہ اسکندریہ کی لائبریریاں باقی اور قائم رہیں۔ یہاں تک کہ ۶۴۰ء (دور حضرت عمرؓ) میں ان کو تباہ کر دیا گیا۔''

اس طرح حضرت عمرؓ سے منسوب واقعہ ہی غلط ہے۔

سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابن خلدون جیسی متعدد کتابوں میں بھی لائبریری کی آتشزدگی کا کوئی حوالہ نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ میں یہ واقعہ حضرت عمرؓ سے اس لئے منسوب کر دیا گیا کہ کسی مولف کو یہ دکھلانا

مقصود تھا کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کے مشورے پر عمل نہیں کرتے تھے اور پھر بغیر تحقیق دوسروں نے اسے نقل کر دیا۔ پروفیسر اختر رضا کی تحقیق کچھ اس طرح ہے کہ:

''یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اسکندریہ کی یہ عظیم لائبریری حضرت عمرؓ کے حکم سے پھونک دی گئی ہو کیونکہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم حضرت عمرؓ کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ وہ سختی سے ''حسبنا کتاب اللہ'' کے قائل تھے لیکن حقیقتِ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ اسکندریہ کا یہ کتب خانہ حضرت عمرؓ کے دور سے بہت پہلے جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ شاہی دفتروں کی فائلوں کے انبار جلا دیئے گئے ہوں تو اور بات ہے کیونکہ قدیم تاریخ اقوام میں پرانے ریکارڈ کے تحفظ کا ذوق پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسکندریہ کی لائبریری جلائی جاتی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے جلتی تو عیسائی مورخ اس واقعہ کو طشت از بام کر دیتے اور اس کی تشہیر میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالتے لیکن ان کی خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔''(۱)

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ میں اکثر غلط بیانیاں بھی شامل ہو گئی ہیں۔

اسلامی مشورے

۱۔ علمائے یہود نے خلیفۂ دوم سے اصحابِ کہف کے بارے میں چند سوالات کیئے آپ ان کا جواب نہ دے سکے اور آپ نے حضرت علیؑ کی طرف رجوع کیا۔ حضرتؑ نے ایسا جواب دیا کہ وہ پورے مطمئن ہو گئے۔ (چودہ ستارے' مولانا نجم الحسن کراروی صفحہ ۱۵۱)

۲۔ قیصر روم نے خلیفہ دوّم سے سوال کر دیا کہ آپ کے قران میں کون سی ایسی

۱۔ علی ابن ابی طالب حصہ اول۔ پروفیسر اختر رضا زیدی صفحہ ۳۱۲۔

سورہ ہے جو صرف سات آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں سات حروف تہجی کے نہیں ہیں۔ اس سوال سے عالم اسلام میں ہلچل مچ گئی۔ حفاظ نے بہت غور وفکر کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو بلوا بھیجا اور یہ سوال سامنے رکھا۔ آپؑ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ وہ سورہ حمد ہے۔ اس سورہ میں سات آیتیں ہیں اور اس میں ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف نہیں ہیں (چودہ ستارہ ص ۱۵۱)

۳۔ ابتدا میں شراب پینے پر ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اس حد سے رعب نہیں جمتا اور لوگ کثرت سے شراب پی رہے ہیں۔ حضرت علیؑ سے مشورہ کیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ چالیس کے بجائے اسی کوڑے کر دیئے جائیں اور اس کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ ''جو شراب پیتا ہے نشہ میں ہوتا ہے اور جس کو نشہ ہوتا ہے وہ ہذیان بکتا ہے اور جو ہذیان بکتا ہے وہ افترا کرتا ہے **وعلی المفتری ثمانون**'' اور افترا کرنے والوں کی سزا اسی ۸۰ کوڑے ہیں۔ لہٰذا شرابی کو بھی اسی کوڑے مارنے چاہئیں۔ حضرت عمرؓ نے اسے تسلیم کر لیا۔ (مطالب السؤل ص ۱۰۴)

۴۔ ایک حاملہ عورت نے زنا کیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ زنا عورت نے کیا ہے لیکن وہ بچہ جو پیٹ میں ہے اس کی کوئی خطا نہیں لہٰذا عورت پر اس وقت حد جاری کی جائے جو وضع حمل ہو چکے۔ حضرت عمرؓ نے تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا۔ ''**لولا علی لھلک عمر**'' بحوالہ امام احمد حنبل، صحیح بخاری، امام فخر الدین رازی، طبری وغیرہ۔ (چودہ ستارے امامیہ کتب خانہ لاہور صفحہ ۱۵۱۔۱۵۲)

۵۔ سید علی ہمدانی شافعی کی مودۃ القربیٰ میں تحریر ہے کہ ''دو آدمی حضرت عمرؓ ابن خطاب کی خدمت میں آئے اور ان سے کنیز کی طلاق کے متعلق مسئلہ پوچھا، وہ ان

دونوں کو اس حلقہ میں جس میں حضرت علیؑ تشریف فرما تھے' لے گئے اور کہا کہ اے علی! کنیز کی طلاق کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے اپنی کلمہ اور بیچ کی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ حضرت عمرؓ ان دونوں آدمیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ طلاق دو بار ہوتی ہے اور یہ بھی ان سے کہا کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سرورؐ دو عالم کو فرماتے سنا ہے کہ اگر اہل آسمان اور زمین کا ایمان ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور علیؑ کا ایمان دوسرے پلے میں تو ''ایمان علیؑ'' کا پلہ غالب رہے گا۔'' (کشکول نیوجرسی امریکہ صفحہ ۵۸۶)

۶۔ امام احمد بن حنبل مسند میں' امام شافعی ذخائر العقبی ص ۸۱' سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۱۴ ص ۷۵' ابن ماجہ سنن جلد دوم ص ۲۲۷' طبری ریاض النضرہ ص ۱۹۶ اور بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ: ''ایک روز ایک مجنون عورت کو خلیفہ عمرؓ ابن خطاب کے سامنے لائے جس نے زنا کیا تھا اور اقرارِ زنا کے بعد خلیفہ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیر المومنینؑ موجود تھے آپؑ نے فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟'' میں نے رسولؐ اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تین قسم کے لوگ مرفوع القلم قرار دیئے گئے ہیں۔ سوتا ہوا شخص جب تک وہ بیدار نہ ہو' دیوانہ جب تک وہ صحت یاب اور صاحب عقل نہ ہو جائے اور بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ یہ سن کر خلیفہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔'' ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں اس قسم کی بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ (خورشید خاور حصہ دوم ص ۲۴۹)

اسلام میں سنِ ہجری کا آغاز

حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۷ھ تک مسلمانوں کی تاریخ میں کسی سن کا تصور نہ تھا۔ لوگ واقعات کا حساب عام الفیل سے لگاتے تھے۔ یہ وہ سال تھا جب ابرہہ نے خانہ

کعبہ پر ہاتھیوں کی فوج سے حملہ کیا تھا۔ رسولؐ اللہ کی ولادت کا بھی یہی سال مانا جاتا تھا۔ جنگ فجار نے بھی تاریخ عرب میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر رکھی تھی کیونکہ یہ لڑائی بھی عربوں کو ماضی کے واقعات کا حساب لگانے میں مدد دیتی تھی۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خانہ کعبہ کی تعمیر سے گزرے ہوئے زمانے کی نشاندہی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب حکومت دور دراز علاقہ تک پھیل گئی اور خط و کتابت و فرامین کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلمانوں کو اپنی اس کوتاہی کا شدید احساس ہوا۔ یہ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ کون سا حکم پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا' کیونکہ مراسلات پر صرف مہینے کا اندراج ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پیچیدگی کو دور کرنے کے لئے مشاورتی کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ اس جلسے میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ کسی نے کہا کہ ایرانی سن اختیار کرلیا جائے' کسی نے رائے دی کہ یہودیوں کا سن رائج کیا جائے۔ کچھ لوگ عام الفیل کے حق میں تھے۔ حضرت علیؑ نے مشورہ دیا کہ رسولؐ اللہ کی ہجرت کو سال کا آغاز قرار دیا جائے کیونکہ آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد اسلام ایک نئے دور میں داخل ہوا ہے۔ حساب لگانے پر معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی ہجرت کو تقریباً سترہ برس گزر چکے ہیں چنانچہ اس سال کو ۱۷ھ قرار دیا گیا۔ البتہ محرم کا پہلا مہینہ اور ذی الحجہ کو آخری مہینہ مقرر کرنے میں زمانہ سلف کا احترام ملحوظ رکھا گیا۔ حضرت علیؑ کا یہ مشورہ تاریخ اسلام کی بنیاد ہے اور قیامت تک ہر سال مسلمانوں کو حضرت علیؑ کی یاد دلاتا رہے گا۔

(علی ابن طالب حصہ اول' پروفیسر اختر رضا زیدی' صفحہ ۳۰۷۔۳۰۸)

اسلام میں سڑکوں کی تعمیر کی بنیاد

تاریخ اسلام میں مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عامہ کے ہوئے ہیں وہ سب حضرت علیؑ کے صلاح و مشورے سے عمل میں

آئے۔

حافظ حیدر علی قلندر سیرت علویہ میں لکھتے ہیں کہ جزیہ کا مال و روپیہ لشکر کی آراستگی، سرحد کی حفاظت اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتا تھا۔ جو اس سے بچ رہتا تھا وہ سڑکوں پلوں کی تیاری اور سررشتۂ تعلیم کے کام آتا تھا۔ (احسن الانتخاب ص ۴۸۸ طبع لکھنو ۱۳۵۱ھ) اسی سیرتِ علویہ کی روشنی میں فقہی کتابوں میں سڑک کی تعمیر کی طرف (لفظ فی سبیل اللہ) سے اشارہ کیا گیا ہے۔ (شرائع الاسلام طبع ایران ۱۰۲۷ء) میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مخصوص جنگی اخراجات ہیں اور ایک قول ہے کہ اس میں راستوں اور پلوں کی تعمیر زائروں کی امداد، مسجدوں کی مرمت بھی شامل ہے اور مجاہد کو چاہے وہ اپنے معاملات میں غنی ہی کیوں نہ ہو، امداد دینی ضروری ہے۔ سبیل کے معنی راستے کے ہیں اور اس کی اضافت اللہ کی طرف دینے سے بحوالہ مذکورہ ثابت ہوتا ہے کہ سڑک کی تعمیر کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے سڑک کی تعمیر میں پورے انہماک کا ثبوت دیا ہے۔ علامہ ہاشم بحرینی کتاب مدینۃ المعاجز کے صفحہ ۷۹ پر بحوالہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ۱۷ میل تک اپنے ہاتھوں سے زمین ہموار کی اور سڑک تعمیر فرمائی اور ہر میل پر پتھر نصب کر کے ان پر (ہذا میل علی) تحریر فرمایا۔ چونکہ اس زمانہ میں نقل و حمل کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لئے ان وزنی پتھروں کو جنہیں بڑے قومی ہیکل لوگ اٹھا نہ سکتے تھے حضرت علیؑ خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور نصب کرتے تھے اور اٹھانے کی شان یہ تھی کہ دو پتھروں کو ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور ایک کو پیروں کی ٹھوکروں سے آگے بڑھاتے تھے۔ اس طرح تین تین پتھر لے جا کر ہر میل پر سنگ میل نصب کرتے تھے۔ علامہ شبلی نے حضرت عمرؓ کے محکمہ جنگی کی ایجاد کو ''الفاروق'' میں بڑے شد و مد سے لکھا ہے لیکن حضرت علیؑ کی اس اہم رفاہی خدمت کا

کہیں کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ حضرت علیؑ کی یہ وہ بنیادی خدمت ہے جس کا جواب ممکن نہیں۔(''چودہ ستارے''مولانا نجم الحسن کراروی۔پشاور۔ص ۱۵۳۔)

مشوروں کے علاوہ جانی امداد

حضرت علیؑ نے صرف مشوروں ہی سے عہد گوشہ نشینی میں اسلام کی مدد نہیں کی بلکہ جانی خدمات بھی انجام دہی ہیں۔ مثال کے لئے عرض ہے کہ جب فتح مصر کا موقع آیا تو حضرت علیؑ نے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرایا اور ان کے ذریعہ سے جنگی خدمات انجام دیئے۔ شیخ محمد بن معجز مملکت مصر میں مسلمانوں کی فتوحات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ مبارک باد کے قابل ہیں حضرت علیؑ کے بھتیجے اور داماد مسلم بن عقیل اور ان کے بھائی جنہوں نے محاذِ مصر میں سخت جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہوئے کہ خون ان کی زرہ پر سے جاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹ کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔(کتاب فتوحات ص ۶۴ طبع بمبئی ۱۲۸۶ء)۔اسی طرح فتح شوشتر کے موقع پر ۱۷ھ میں آپ کے بھتیجے محمد ابن جعفر اور عون بن جعفر شہید ہوئے۔(تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۸۱ بحوالہ تاریخ کامل واستعیاب۔ماخوذ چودہ ستارے ص ۱۵۲۔۱۵۳)

علم نحو کی ایجاد

علم نحو کی بنیاد بھی حضرت علیؑ نے رکھی۔ایک مرتبہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا' تو ضرورت محسوس کی کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے چنانچہ ابوالاسود کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا بلکہ طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔(فہرست ابن ندیم' مندرجہ نہج البلاغہ صفحہ ۱۱۱)۔

تاریخ کی غلط بیانی

تاریخ کو جنم دینے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک قلم اور دوسری زبان۔ قلم کے ذریعہ تصویر کے رنگ وروغن میں اگر حقیقی رنگ شامل نہ ہو تو تصویر کی اصل صورت پہچاننا مشکل ہے اسی طرح زبان غلط بیانی پر آ جائے تو انصاف کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ چند مورخوں نے تاریخ کے اوراق پر غلط رنگ امیزی کی اور واقعات کی چھان بین کئے بغیر ہی وہ زبان استعمال کی جسے غلط فہمی یا عقیدت کے پھول کہا جا سکتا ہے۔

تاریخ میں ایسا ہی ایک واقعہ ۱۷ھ میں سامنے آیا جس میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی کمسن اور سب سے چھوٹی صاحبزادی سے نکاح کی خواہش کی اور حضرت علیؑ نے انکار کر دیا۔ صرف اتنی سی بات کا افسانہ بنا دیا گیا۔ ہم شاید صحیح روایات قبول کرنے کے عادی نہیں۔ مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت وملوکیت" میں صفحہ ۳۰۵ پر ایک خوبصورت بات کہی ہے کہ "بعض حضرات معاملہ میں یہ نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کے بارے میں صرف وہی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہوں اور ہر اس بات کو رد کر دیں گے جس سے ان پر

حرف آتا ہو خواہ وہ کسی صحیح حدیث ہی میں وارد ہوئی ہو۔"

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں اس واقعہ کے ساتھ بھی کچھ یہی کہا جاسکتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ صدیوں کے بعد تاریخ درج کی جائے اور عقیدت میں کوئی غلط بیانی درج ہوگئی ہو تو دوسرے مورخ محنت اور تلاشِ حقیقت کی بھاگ دوڑ سے بچتے ہوئے وہی تاریخ دہراتے رہتے ہیں۔ عالی مرتبت جناب ناصر حسین صاحب قبلہ اور دیگر علماء نے اس واقعہ کا سرے سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے امام ابن ماجہ اور امام داؤد کی رائے کو مقدم جانا ہے جسے انہوں نے اپنی سنن میں درج کیا ہے کہ:

"معلوم ہونا چاہئے کہ ام کلثوم دو تھیں۔ ایک ام کلثوم بنت راہب دوسری ام کلثوم بنت علیؑ ابن طالب۔ اُم کلثوم بنتِ علیؑ کا نکاح محمد ابن جعفر طیار سے ہوا اور ام کلثوم بنتِ راہب کا نکاح عمرؓ ابن خطاب سے ہوا۔"

پروفیسر اختر رضا زیدی کی تحقیق میں جوان کی کتاب "علیؑ ابن ابی طالب" جلد اول صفحہ ۳۰۰ پر درج ہے

"اس رائے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ام کلثوم بنت راہب کے علاوہ ایک اور ام کلثوم بنت جدول خزاعی بھی حضرت عمرؓ کی زوجیت میں داخل تھیں اور ان کے بطن سے زید اصغر اور عبداللہ متولد ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو طلاق دے دی۔

ایک تیسری ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط بھی حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں اور ان کو طلاق دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے چوتھی ام کلثوم بنت عاصم سے نکاح کیا۔ ان واقعات کی روشنی میں اس امر کا قوی امکان ہے کہ

ایک نام کی کئی ام کلثوم ازواج عمرؓ ہونے کی وجہ سے راویوں کو یہ احتمال ہوگیا کہ ان میں ام کلثوم دختر حضرت علیؑ ابن ابی طالب بھی تھیں۔۔۔۔۔ چونکہ اس داستان میں ایک خلیفہ راشد کی فضیلت شامل تھی اور حضرت علیؑ و حضرت عمرؓ کے درمیان انتہائی خوشگوار تعلقات کی دلیل بھی موجود تھی۔ اس لئے کتب سیر و تاریخ نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔"

علامہ بیہقی، دار قطنی اور ابن حجر مکی نے بھی اس واقعہ کو غلط قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علیؑ نے اپنی صاحبزادیوں کو پہلے ہی اپنے بھتیجوں کے لئے علیحدہ کر کے منسوب کر رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور کہا "اے ابوالحسنؑ! اپنی لڑکی ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسولؐ اللہ کا نکاح مجھ سے کر دو۔ علیؑ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو اپنے بھتیجوں کے لئے منسوب کر رکھا ہے۔"

نفسیاتی پہلو سے بھی نظر ڈالی جائے تو واضح ہوگا کہ ام کلثوم اس فاطمہ بنت محمدؐ کے بطن سے تھیں جس سے عقد کرنے کی خواہش پر حضرت عمرؓ کو دربار رسالت سے جواب مل چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فاطمہؑ کے لئے جس رشتہ کو بے جوڑ سمجھتے ہوئے مناسب نہ سمجھا اس کو ان کی بیٹی کے لئے علیؑ کس طرح مناسب سمجھ سکتے تھے۔

"ام کلثوم اس فاطمہؑ کی بیٹی تھیں جو بقول حضرت عائشہ جیتے جی حضرت عمرؓ سے ناراض رہیں اور مرتے وقت یہ وصیت فرما گئیں کہ وہ ان کے جنازے میں شریک نہ ہوں۔ کیا حضرت علیؑ اس بات سے بے خبر تھے کہ ام کلثوم کی شادی حضرت عمرؓ سے

کردینا فاطمہؑ کی روح کے لئے تازیانہ ثابت ہوگا۔'' (علی ابن ابی طالب حصہ دوم۔ پروفیسر اختر رضا)

عقد ام کلثوم کی غلط بیانی میں ایک یہ اضافہ بھی کردیا گیا کہ چالیس ہزار درہم کثیر رقم بطور مہر ادا کی گئی۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے تاریخی کردار سے مطابقت نہیں رکھتی۔ابن خلدون راوی ہیں کہ: ''حضرت عمرؓ موٹے کپڑے پہنتے اور اکثر کپڑوں میں پیوند ہوتے۔ایک تہہ بند میں ایک پیوند جراب کا لگا تھا۔ایک مرتبہ زمانہ خلافت میں عیدگاہ نمازِ عید پڑھانے جارہے تھے اور پاؤں میں جوتا نہ تھا۔ایک دفعہ گھر میں دیر تک رہے' باہر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے' انہیں کپڑوں کو دھو کر سکھا رہے تھے۔'' (تاریخ ابن خلدون)

یہ چالیس ہزار ایک لڑکی پر کیسے نچھاور کئے اور کہاں سے جبکہ تاریخ ابن خلدون میں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ سے صحابہ نے حضرت حفصہؓ کے ذریعے سے یہ کہلایا کہ وہ اپنی تنخواہ میں اضافہ کرلیں تو انہوں نے جواب دیا کہ: ''واللہ میں فضول خرچی کو پسند نہ کروں گا اور نہ دنیاوی امیدوں کو آخرت پر ترجیح دوں گا۔'' کیا اتنی بڑی رقم فضول خرچی میں شمار نہیں ہوتی۔

حضرت علیؑ کے کردار سے بھی یہ واقعہ مناسبت نہیں رکھتا۔وہ حکومت وقت کی قوت و جبروت کے سامنے جھکنا نہ جانتے تھے۔وہ دولت مند ہوتے ہوئے اپنی محنت کی روزی پر زندہ رہنا جانتے تھے اور سوکھی روٹی کو دولت پر ترجیح دیتے تھے' اپنی خلافت میں بھی ان کا یہی کردار تھا اپنی دولت دوسروں کے لئے وقف کردی تھی۔ان کے سامنے چالیس ہزار رقم کی کیا حیثیت تھی۔

عقدِ اُم کلثوم کو جو غلط تاریخی آب و رنگ دیا گیا اس میں حضرت عمرؓ سے عقد کے

نتیجے میں ام کلثوم کی اولاد میں دو نام ملتے ہیں۔ زید اور رقیہ۔ زید کی شہادت امیر معاویہ کے زمانے میں ہوئی اور اسی زمانے میں ام کلثوم کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ ابن عمرؓ اور امام حسنؑ نے پڑھائی۔ (تاریخ خمیس۔ روضۃ الاحباب) یہ بات ذہن میں رہے کہ امام حسنؑ کی شہادت ۵۰ ہجری میں ہوئی تو گویا اُم کلثوم زوجہ حضرت عمرؓ کا انتقال ۵۰ھ سے پہلے ہوا اور اُم کلثوم بنت علیؑ و فاطمہؑ ۶۱ھ میں کربلا میں موجود تھیں۔ کربلا سے واپسی پر آپ کے مختلف خطبات اور مرثیے آج بھی موجود ہیں۔ (روضۃ الاحباب مقتل ابی مخنف)

اس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ام کلثوم جو زید و رقیہ کی ماں ہیں اور جن کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا وہ ام کلثوم بنت علیؑ و فاطمہ ہرگز نہیں ہیں۔ پھر وہ اُم کلثوم ہیں کون جن کی شادی ۱۷ ہجری میں واقع ہوئی اور اس وقت وہ ۴، ۵ سال کی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ۱۳ھ میں ہوا۔ (تاریخ کامل ابن ایثر ج ۲ ص ۴۲۰) اور ان کے انتقال کے بعد ان کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا (تاریخ کامل ابن ایثر ج ۲ ص ۴۲۰، الاستیعاب۔ طبری) حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ جناب اسماءؓ بنت عمیس نے حضرت علیؑ سے عقد کر لیا چنانچہ محمد ابن ابوبکرؓ کی پرورش اسی وجہ سے حضرت علیؑ کے گھر میں ہوئی۔ اسی طرح ام کلثوم بنت ابوبکرؓ بھی حضرت علیؑ کے گھر ماں کے ساتھ آ گئیں جن کی عمر ۱۷ھ میں ۴، ۵ سال کہی جا سکتی ہے۔ اسی ام کلثوم کی خواستگاری حضرت عمرؓ نے جناب عائشہ سے کی تھی (تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۵۴۔ الاستیعاب) اور ان کی منظوری کے بعد حضرت عمرؓ نے مناسب سمجھا کہ حضرت علیؑ سے بھی اجازت لی جائے کیونکہ ام کلثوم حضرت علیؑ کے گھر میں زیرِ کفالت تھیں اور

اس طرح حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت ابوبکرؓ سے شادی کی جو حضرت علیؑ کے گھر میں پرورش پا رہی تھیں مگر یہ بات واضح رہے کہ وہ بنت ابوبکرؓ ہیں بنت علیؑ و فاطمہؑ نہیں۔

(ماخوذ از کتاب ''الامام'' مصنف حضرت مولانا ادیب الہندی مطبوعہ یونائیٹڈ بلاک پرنٹرس۔ لکھنو صفحہ ۳۱۹۔۳۲۱)

تاریخ ایک ایسا جنگل ہے جس میں راستہ بنانا بڑا مشکل ہے۔ درباری مورخوں کے بکے ہوئے قلم اور اہل بیت دشمنی کی سیاہی سے لکھی ہوئی تاریخ کا یہاں تجزیہ پیش کرنا مقصود نہیں، پیش نظر صرف ازالۂ غلط فہمی ہے جو اس سلسلے میں تاریخ میں پیدا ہوئی یا ریاستی جبر اور طمع دولت کے ہاتھوں لکھی گئی۔ ایسی بہت سی غلط بیانیاں معتبر بنا کر پیش کی گئیں۔ ''دمشق کی ٹکسال میں تلواروں سے زائد حدیثیں ڈھلتی تھیں۔ بانیٔ دولت امویہ کا حکم تھا کہ آل محمدؐ کے تمام افراد کے لئے جو ارشادات پیغمبرؐ ہیں ان کے ہم ردیف یا ان سے بہتر اقوال دوسروں کے لئے تراشے جائیں اور ان کو شارع عام پر اتنی بار دہرایا جائے کہ لوگوں کو صرف وہی یاد رہیں۔ احادیث کی تعداد چھ لاکھ تو مسلم ہے۔''(۱)

ممکن ہے کہ یہ روایت بھی اسی ٹکسال کی ڈھلی ہو۔ ایسی ہی مبینہ روایات سے تاریخ کا اعتبار مجروح ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ نے تو گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ کا باہمی ارتباط اور اعتماد جس منزل پر پہنچا تھا وہ حضرت عمرؓ کی ضرورت تھی۔ حضرت علیؑ نے تینوں خلفاء سے اپنے اختلافات کا ذکر اپنے دور خلافت میں بھی کیا جو نہج البلاغہ میں درج ہے۔ علیؑ کی امامت درحقیقت نبوت کی قائم مقام تھی۔ انہوں نے

ا۔ ''سیاست نامہ عرب'' مولف علی حسنین رضوی اشاعت جولائی ۱۹۹۷ صفحہ ۲۲۴۔

اسلام کی بقا کے لئے ہی تینوں خلفاء سے تعاون کیا جس کی تصدیق ابوالاعلی مودودی نے بھی ''خلافت وملوکیت'' میں تفصیل کے ساتھ صفحہ ۳۴۷ پر درج کی ہے۔ اگر ام کلثوم کا ازدواجی رشتہ حضرت علیؑ کے تعاون کا نتیجہ ہوتا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ ہی کو تیسرا خلیفہ مقرر کر دیا ہوتا۔ اس طرح تاریخی اور نفسیاتی دونوں پہلوؤں سے یہ واقعہ سرے سے غلط ہے اور ام کلثومؑ بنت حضرت علیؑ کا نکاح محمد ابن جعفر سے ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ کا انتقال

تاریخ میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک ایرانی غلام کے قاتلانہ حملے سے شہید ہوئے جس کا نام ابولولوفیئر وز تھا۔''اس نے ایک بار حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ پر محصول زیادہ لگا رکھا ہے اس کو کم کرا دیجیے۔ پوچھا کس قدر ہے؟ اس نے کہا دو درہم روزانہ۔ کہا کہ تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ نجاری' نقاشی اور آہن گری کا۔ فرمایا کہ ان دست کاریوں کے لحاظ سے دو درہم روزانہ کچھ زیادہ نہیں۔ غلام حضرت عمرؓ کے اس فیصلے پر برہم ہوا۔ دوسرے دن نماز فجر کے وقت مسجد میں گیا۔ جب حضرت عمرؓ نماز پڑھانے گئے تو اس نے خنجر سے ان پر کئی وار کیے۔ ایک زخم ناف کے نیچے لگا اور وہی مہلک ثابت ہوا۔ جب لوگوں نے اس غلام کو گرفتار کرنا چاہا تو اس نے خودکشی کر لی۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن بتاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۳ نومبر ۶۴۲ء بروز چہار شنبہ حضرت عمرؓ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔''

انتقال سے قبل حضرت عمرؓ کو خلافت کا عہدہ دینے کی فکر تھی۔ حضرت علیؑ کی صلاحیتوں کی بنیاد پر وہ حضرت عمرؓ کی نظر میں بہترین امیدوار تھے لیکن جو مصلحت بھی رہی ہو علیؑ کو وہ خلافت نہ مل سکی۔۔۔۔ انتخاب کا بھی انہوں نے اپنا الگ انداز اختیار کیا

اور خلیفہ کے چناؤ کے لیے امیدواروں کی کمیٹی تشکیل دی جس میں حضرت علیؑ کا نام بھی شامل کر دیا۔ کمیٹی کی تشکیل اور اختیارات سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ علیؑ اس بار بھی خلیفہ نہ ہوں گے۔ کمیٹی میں (۱) حضرت علیؑ (۲) حضرت عثمان' (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' (۴) حضرت سعد بن وقاص' (۵) حضرت زبیر اور (۶) حضرت طلحہ تھے۔

کمیٹی کو بہت بڑا اختیار دیا گیا جس کے لیے ابن قیتبہ نے اپنی کتاب الامۃ والسیاستہ میں اس طرح درج کیا ہے کہ:

''حضرت عمرؓ نے اصحاب شوریٰ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان کی گردن مار دینا اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سر پنچ میرا لڑکا ہوگا۔ ان میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہی خلیفہ ہوگا اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو تینوں کو قتل کر دینا۔''

مورخین نے اس تعین کردہ شوریٰ کو کوئی نام نہیں دیا کیونکہ یہ جمہوری ہے نہ ڈکٹیٹر شپ۔ بہر حال بحث و مباحثہ کے بعد دو نام سامنے آئے۔ ایک حضرت علی دوسرے حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؑ نے تمام دلائل دیئے اور یقین تھا کہ وہی خلیفہ ہوں گے لیکن حضرت عمرؓ کی قائم کردہ شوریٰ کے اختیارات سے تجاوز ہوتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک اور شخص کے مشورہ پر نیا راستہ نکالا ''حضرت علیؑ سے کہا گیا کہ آپ سیرتِ شیخین پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیجیے تو آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ اور رسولؐ اور اپنی صائب رائے پر عمل کروں گا لیکن سیرتِ شیخین پر عمل نہیں کر سکتا۔ (طبری۔ جلد ۵۔ ص ۳۷) اس فرمان کے بعد لوگوں نے اسی عمل پر اقرار کے ذریعہ سے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دیا۔''

جسٹس امیر علی نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے کہ:

''دورِ خلافت کو شوریٰ پر چھوڑنے میں خلیفہ دوم سے ایسی غلطی سرزد ہوئی جس نے بنی امیہ کی سازشوں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ بنی امیہ اب مدینہ میں نہایت زبردست ہو گئے تھے اور خاندانِ رسولؐ کے مدت سے رقیب تھے اور بنی ہاشم سے سخت نفرت کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے جناب رسالت مآب کا تن دہی سے تعاقب کیا تھا اور فتح مکہ کے بعد محض ذاتی مفاد اور اغراض کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے۔ اپنی چال بازیوں سے وہ حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چند دن کی بحث و مباحثہ کے بعد بنی امیہ خاندان کے ممبر حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ان کا انتخاب آخر کو اسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔'' (ہسٹری آف سیریسنز)

تاریخ کی زبان کے ذائقے بھی خوب ہوتے ہیں۔ ایک طرف جیسا کہ اوپر بیان ہوا حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کے انتخاب کو شوریٰ پر چھوڑا دوسری طرف تاریخ میں حذیفہ کا بیان ہے کہ: ''لوگوں نے حضرت عمرؓ سے مدینہ میں پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ''عثمان''۔ (۱)

بیانات کچھ بھی ہوں یہ تاریخ بہر طور مصدقہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی تیسرے خلیفہ ہوئے۔

حضرت علیؑ نے گو کہ پچیس سال خاموش جدوجہد کے ساتھ حق کی تبلیغ کو کامیاب ثابت کر دیا کہ لوگ ان کی ضرورت محسوس کرتے رہے لیکن تاریخ کہتی ہے کہ انہیں ایک بار پھر حق سے محروم رکھا گیا۔ ✿

۱۔ علی المتقی، کنزل العمال الجز ثالث، صفحہ ۱۵۸، حیدر کرار'' نذر حسین شاہ صفحہ ۱۵۴۔

دورِ خلافتِ حضرت عثمانؓ

انتخابی شوریٰ سے منتخب ہو کر حضرت عثمانؓ یکم محرم سن ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء بہ حیثیت خلیفۂ ثالث مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ تاریخ میں حضرت عثمانؓ کا ابتدائی دور بہت کامیاب رہا لیکن بعد کے حالات سازگار نہیں رہے۔

مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اپنے آخری زمانے میں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بعد عرب کی قبائلی عصبیتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود ابھی بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں) پھر نہ جاگ اٹھیں اور ان کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا: ''اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کروں تو وہ بنی ابی معیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے۔ خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ یہی کریں گے اور اگر عثمانؓ نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمانؓ کو قتل

کردیں گے۔(۱) اسی چیز کا خیال ان کو اپنی وفات کے وقت بھی تھا۔ چنانچہ آخری وقت میں انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو بلا کر ہر ایک سے کہا کہ "اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔"(۲) مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے انہوں نے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی شامل تھی کہ منتخب خلیفہ اس امر کا پابند رہے کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا۔(۳) مگر بدقسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ اس معاملے میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔(۴) ان کے نزدیک یہ صلۂ رحمی کا تقاضا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ "عمرؓ خدا کی خاطر اپنے اقرباء کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقرباء کو دیتا ہوں۔"(۵) ایک موقع پر انہوں نے فرمایا "ابوبکرؓ و عمرؓ بیت المال کے معاملہ میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خود بھی خستہ حال رہیں اور اپنے اقرباء کو بھی اسی حالت میں رکھیں۔ مگر میں اس میں صلۂ رحمی کرنا پسند کرتا ہوں۔"(۶) اس کا نتیجہ آخرکار وہی ہوا جس کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا۔ ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام تک پہنچا۔

۱۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب۔ ج۔ ص۴۶۔ ازالۃ الخفا، شاہ ولی اللہ صاحب، مقصد اول ص۳۴۲۔ ۲۔ طبری، ج۳۔ ص ۲۶۴، طبقات ابن سعد۔ ج۳۔ ص۳۴۰ تا ۳۴۴۔ ۳۔ فتح الباری۔ ج ۷۔ ص۴۹۔ ۵۰، محب الدین طبری اور ابن خلدون وغیرہ۔ ۴۔ طبقات ابن سعد۔ ج۳۔ ص۶۴، ج۵، ص ۳۶۔ ۵۔ طبری، ج۳۔ ص۲۹۱۔ ۶۔ کنز العمال۔ ج۵۔ ح۲۳۲۴، طبقات ابن سعد جلد ۳، ۶۴۔

مختصر الفاظ میں یہی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کی تاریخ ہے۔ میں نے جیسا پہلے عرض کیا ہے کہ مجھے خلافت راشدہ کی تاریخ نہیں صرف یہ لکھنا ہے کہ جس دور کو حضرت علیؑ کی خاموشی کا دور کہا جاتا ہے اس میں وہ خاموش نہیں رہے۔ بحیثیت امام برابر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ بے راہ روی پر ہمیشہ خلفاء کو ٹوکتے اور اصلاح کا راستہ دکھاتے تھے۔ پہلے دو خلفاء کو مشورے دیئے تو وہ سرخرو رہے۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ پر عمل نہ کیا تو قتل ہو گئے۔ میں ان واقعات کا ذکر کروں گا جن کا تعلق براہ راست حضرت علیؑ سے ہے اور جو دائرۂ عدالت میں آتے ہیں۔

عدالت کے سلسلہ میں مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' میں صفحہ ۳۰۴ پر درج کیا ہے کہ ''اگر اس کی یہ تعبیر کی جائے کہ بلا استثناء تمام صحابہؓ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صفتِ عدالت سے کلی طور پر متصف تھے اور ان میں سے کسی سے کبھی کوئی کام عدالت کے منافی صادر نہیں ہوا تو یہ ان سب پر راست نہیں آسکتی' بلاشبہ ان کی بہت بڑی اکثریت عدالت کے بڑے اونچے مقام پر فائز تھی مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں ایک بہت قلیل تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن سے بعض کام عدالت کے منافی صادر ہوئے ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے اپنی تمام قوت اس کوشش میں صرف کی تھی کہ دولت وثروت' جاہ وحشم' اعزاز وامتیاز اور حسب ونسب کی بندشوں کو صاف کر کے ایک ہموار معاشرہ قائم کیا جائے لیکن وسیع وعریض فتوحات کے بعد دولت کے انبار کو لوگوں نے للچائی نظروں سے دیکھا۔ حضرت عمرؓ کے سخت شکنجے میں لوگ دولت کے حصول میں کرب و بے چینی محسوس کر رہے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے ''اپنی خلافت کے ساتویں دن وظائف میں اضافہ کیا اور دوسرے صوبوں کے اکابر کو دربار خلافت میں طلب کر کے انعام واکرام

پر فائز کیا۔" ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ:

انعامات: "حضرت عثمانؓ نے صحابہ کبار کو مقررہ وظیفوں کے علاوہ جوان کے نام جاری تھے مختلف انعامات دینے شروع کر دیئے چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ بن العوام کو چھ لاکھ درہم دیئے' حضرت طلحہؓ کو دو لاکھ درہم دیئے' ساتھ ہی وہ قرضہ بھی معاف کر دیا جو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے لیا تھا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق جب حضرت زبیرؓ کو یہ رقم ملی تو انہوں نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ رقم لگانے کا کون سا بہترین مصرف ہے چنانچہ انہیں بتایا گیا کہ وہ صوبائی شہروں اور علاقوں میں مکانات تعمیر کرائیں۔" (ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۷۲)

پابندِ مدینہ افراد کی آزادی

"انہوں نے مذکورہ بالا تمام امور سے زیادہ خطرناک پالیسی میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کر ڈالی اور وہ یہ کہ صحابۂ کبار کو اجازت دے دی کہ وہ حجاز سے نکل کر سلطنت اسلامیہ کے اندر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو اس وقت قریش ان سے دلبرداشتہ ہو چکے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے انہیں مدینہ میں بند کر رکھا تھا۔" (الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۷۲)

انعامات اور مدینہ کی پابندی سے آزاد ہونے کے باعث لوگ حضرت عثمانؓ کے دور کو دورِ عافیت کہنے لگے مگر "رفتہ رفتہ انہوں نے اقربا پروری اور بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں بنی امیہ کو دینا شروع کیں۔" ("اسلام پر کیا گزری"۔ مولانا باقر شمس)

اس سلسلے کے چند واقعات درج ذیل ہیں۔

حکم کا مدینہ میں داخلہ

''حکم بن عاص حضرت عثمانؓ کا چچا تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسولؐ کے پیچھے چلتا مضحکہ خیز اشارے کرتا بغلیں بجاتا منہ سکوڑتا نماز میں صف آخر میں کھڑے ہو کے انگلی سے اشارے کرتا' حجرہ ازواج میں چھپ کر جھانکتا۔ ایک دفعہ رسولؐ اللہ نے دیکھ لیا تو آپؐ فوراً باہر نکل آئے اور فرمایا کہ مجھے اس ملعون سے کوئی نجات دلائے۔ آخر میں آنحضرتؐ نے عاجز آ کر اس کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور اپنی زندگی بھر واپس آنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا وہ طرید رسول کہا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں اس کو بلا لیا' لوگوں کے اعتراض پر انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ سے میں نے اجازت لے لی تھی۔'' علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

''یہ ایسی بات تھی جس کی صداقت کے لوگ منکر تھے (ترجمہ تاریخ کامل دوراہوی مطبوعہ نفیس اکیڈمی ص ۶۴۵)

مروان: ''انہوں نے حکم کو بیت المال سے ایک لاکھ درہم عنایت فرمائے۔ مروان حکم کا بیٹا تھا جس کے ساتھ اپنی بیٹی ام ابان کی شادی کر دی۔ فدک کا علاقہ اس کو دے دیا' افریقہ میں پانچ لاکھ دینار کی جائیداد اس کو دی اور اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔''

حارث: ''مروان کا دوسرا بھائی حارث تھا جس سے خلیفہ نے اپنی دوسری بیٹی کی شادی کی اور ایک لاکھ درہم بیت المال سے دیئے۔ بازار مدینہ میں ایک زمین بہروز تھی جسے پیغمبر نے مسلمانوں کے لئے وقف عام کر دیا تھا اس کو بخش دی۔''

دولت کی تقسیم

''ولید بن عقبہ جسے قرآن نے فاسق کہا ہے اس کو بیت المال سے ایک لاکھ درہم عنایت فرمائے۔ عبداللہ بن خالد کو چار لاکھ درہم دیئے۔ ابوسفیان کو چار لاکھ درہم دیئے۔ واقدی کی روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے کثیر مال بصرہ سے بھیجا انہوں نے وہ سب اپنے خاندان اور اولاد کو پیالوں میں بھر بھر کر تقسیم کر دیا۔ زیاد یہ دیکھ کر رونے لگے۔ تین سو دینار حکم بن العاص کو اور ایک لاکھ درہم سعید بن العاص کو دیئے اور صدقے کے اونٹ حارث بن الحکم کو دے دیئے۔

خالد بن ابی العاص بہت دن سے غائب تھا جب مدینہ آیا تو ایک لاکھ درہم بیت المال سے اس کو عطا کئے۔ افریقہ کی جنگ سے جو مال غنیمت آیا وہ سب کا سب مروان کو دے دیا۔''

بیت المال پر تصرف: ''ابوموسیٰ اشعری خازن بیت المال سے ایک قیمتی انگوٹھی اور ایک سونے کی انگوٹھی نکلوا کر اپنی لڑکیوں کو دے دی۔ ایک قیمتی ہیرا اپنی بیوی کے زیور کے لئے دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو کہا میں اپنی تمام ضرورتیں اسی بیت المال سے پوری کروں گا۔ ہستہ خرما اور بحری تجارت ان کے لئے مخصوص تھی کوئی دوسرا یہ تجارت نہیں کر سکتا تھا۔ مدینہ کے گرد جتنی چراگاہیں تھیں ان میں بنی امیہ کے علاوہ کسی کے اونٹوں کو چرنے کی اجازت نہ تھی۔''

علامہ احمد امین لکھتے ہیں:

''بنو امیہ نے خلافت کو اپنی لونڈی بنا لیا تھا اور اپنے اندر بلکہ بنی امیہ کے ایک مخصوص گھرانے میں منحصر کر لیا تھا۔ قریش کے دوسرے خاندانوں کو اس کا کوئی

حق باقی نہیں رہ گیا تھا۔(فجر الاسلام)

''وہ اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ''(نہج البلاغہ) زبیر' طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف کی دولت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

''نتیجتاً جلد ہی خود مکہ مدینہ اور طائف میں رئیسوں کا وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتا تھا جس کا تمام کام غلاموں کے ہاتھوں انجام پاتا تھا جس کا اپنا وقت لہو ولعب عیش کوشی اور ہنسی مذاق میں گزرتا۔ ازاں بعد ایک صورت یہ رونما ہوئی کہ حجاز اور اس کے تمام اقطاع میں تمدن بسرعت تمام کھنچ آیا چنانچہ خوشحالی اور آرام پرستی کا دور دورہ ہو گیا اور وہ فنون بھی پیدا ہو گئے جو خوشحالی اور آرام پرستی کا ثمرہ ہوتے ہیں یعنی نغمہ وسرور رقص وشاعری کی وہ قسمیں جو سنجیدگی اور قوت عمل نہیں پیدا کرتیں بلکہ بیکاری و آرام پرستی اور ان کی لذتوں میں اور ان اغراض کے لئے اپنے آپ میں کھوئے رہتے ہیں اور اپنے نفس کی فکروں میں لگے رہتے ہیں۔''(الفتنۃ الکبریٰ ص ۲۲۸)

ولید بن عقبہ' عبداللہ بن ابی سرح' امیر معاویہ' عبدالرحمٰن بن سہل انصاری وغیرہ کے واقعات ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر بجز افسوس کچھ حاصل نہیں۔ پھر علامہ بلاذری کی تحریر کے مطابق یہ واقعہ تو اور بھی باعث شرمندگی ہے کہ ''ولید نے کوفہ میں صبح کی نماز ایسی حالت میں پڑھائی کہ وہ شراب کے نشہ میں چور تھا۔ ابوزیب' بن زبیر' ابوجھنہ غفاری' صعب بن جثامۃ' حضرت عثمانؓ کے پاس شکایت لے کر آئے اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا ولید نے شراب کے نشہ میں نماز پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا: تم نے میرے بھائی کو شراب پیتے دیکھا عتبہ نے کہا میں نے نشہ میں چور شراب کی قے کرتے دیکھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو

ڈانٹ کر نکال دیا۔ وہ سب حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور سارا حال بیان کیا۔ انہوں نے کہا حضرت عثمانؓ نے حدود بھی معطل کیں اور گواہوں کو بھی دھمکایا۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ بھی قابل غور ہے:

"محض قابلیت اس بات کے لئے کافی دلیل نہ تھی کہ خراساں سے لے کر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا اور مرکزی سیکریٹریٹ پر بھی اسی خاندان کا آدمی مامور کر دیا جاتا۔ یہ بات اوّل تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیئے جائیں۔" (خلافت وملوکیت)

بیت المال سے اخراجات پر حضرت علیؓ کی مخالفت اور تنبیہہ

حضرت عثمانؓ کی سیاست اور حکومت پر لوگوں نے اپنی برہمی کا اظہار شروع کر دیا تھا اور عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن وقاص' حضرت طلحہؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ نے اعتراضات کئے لیکن حضرت علیؓ خاموش تھے۔ جب پانی سر سے اونچا ہوتے دیکھا اور اسلام پر زد پڑنے کا اندیشہ ہوا تو وہ بھی مخالفت پر مجبور ہو گئے۔" وہ حضرت عبداللہ بن عمر کو معاف کر دینے میں حضرت عثمانؓ کے ہم خیال نہ تھے پھر برابر اس قسم کے واقعات ہوتے رہے جنہوں نے ان کی مخالفت کو شدید تر کر دیا لیکن بہرحال یہ مخالفت سنجیدگی اور راستی کی حدود سے متجاوز نہ ہوئی گو کبھی نرم ہو جاتی اور کبھی سخت تاہم کبھی بھی خیر خواہی مشورہ اور عتابِ الٰہی سے ڈرانے کے علاوہ انہوں نے کوئی مخالفانہ اقدام نہیں کیا۔ واقعات مسلسل شدید اور ہولناک صورت اختیار کرتے چلے گئے یہاں تک کہ ایک دن حضرت علیؓ کو مجبوراً لوگوں کی ایک جمعیت

کے سامنے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرنا پڑی۔ جب حضرت عثمانؓ نے جانبدارانہ طور پر یہ اعلان کیا کہ معترضین جس قدر بھی چاہیں ناک بھوں چڑھائیں وہ اپنی جملہ ضروریات بیت المال ہی سے پوری کریں گے۔ حضرت علیؑ نے کہا یہ بات ہے تو آپ کو اس مال سے محروم کر دیا جائے گا۔ بہرحال حضرت علیؑ کبھی بھی خیر خواہی مشورہ اور وقتاً فوقتاً سخت تنقید سے آگے نہ بڑھے وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے مابین واسطہ بن جاتے اور حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ حق شناسی کی اور لوگوں کو فتنہ پردازی سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ (الفتنہ الکبریٰ صفحہ ۳۲۵)

مشورہ متعلق زکوٰۃ: حضرت عمرؓ دولت مندوں کو بھی زکوٰۃ دیتے تھے۔ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت عثمانؓ جب لوگوں کو تنخواہیں دیتے تھے تو اگر ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی تھی تو ان سے پوچھ کر زکوٰۃ کی رقم کاٹ لیتے تھے۔ (تہذیب و تمدن اسلامی صفحہ ۱۸۲)

"تقسیم زکوٰۃ میں یہ بے اعتدالی دیکھ کر حضرت علیؑ نے احکام زکوٰۃ لکھ کے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجے انہوں نے دیکھنے سے انکار کر دیا۔"

نیاز فتح پوری نگار کے تنقیح اسلامی کے نمبر میں شیخ طاہر حزائری کی کتاب توجیہ النظر الی اصول الاثر کے حوالے سے لکھتے ہیں: "حضرت عثمانؓ کے پاس محمد بن علیؑ ابن ابی طالب اپنے باپ کے پاس سے وہ صحیفہ لے کر گئے جن میں احکام زکوٰۃ تھے حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اس سے معاف رکھو۔"

ابوذرؓ کی مشایعت

حضرت ابوذر غفاریؓ کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب صحابہ اور

سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے طرز پر مخالفت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ''ابوذرؓ! تم مدینہ سے نکل جاؤ۔ اب اپنا منہ مجھے کبھی نہ دکھانا۔۔۔۔۔۔۔ تم ربذہ میں جا کر قیام کرو۔''

ابوذرؓ نے خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ مدینہ چھوڑ کر ربذہ روانہ ہوئے۔ خلیفہ کا حکم تھا کہ ابوذرؓ کو رخصت کرنے کے لئے کوئی نہ جائے لیکن جب مروان ابوذرؓ کو لے کے مدینہ سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ اپنے بھائی عقیل اور اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر اور عمار یاسر کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ مروان نے قریب جا کر کہا کہ:

''خبردار! ادھر نہ آنا' خلیفہ نے ممانعت کی ہے۔''

حضرت علیؑ نے کوڑا اٹھایا اور مروان کے اونٹ کے دونوں کانوں کے درمیان رسید کرتے ہوئے فرمایا: ''دور ہو! خدا تجھے جہنم میں لے جائے۔''

مروان نے حضرت عثمانؓ کے کان حضرت علیؑ کے خلاف بھر دیئے اور واپسی پر جب حضرت علیؑ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو سوال وجواب شروع ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ ''یہ آپ نے مروان کے ساتھ کیوں بدسلوکی کی اور خلیفۂ وقت کے حکم سے سرتابی کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟''

''کوئی بدسلوکی نہیں کی۔ اس نے مجھے روکنا چاہا۔ میں نہیں رکا''

''میرے حکم سے سرتابی کیوں کی؟''

''کیا آپ کے ہر جائز وناجائز حکم کی اطاعت ضروری ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں۔''

''مروان کو جرمانہ ادا کیجئے۔''

''کس بات کا؟''

''آپ نے اس کی سواری کو کوڑا مارا۔''

''میری سواری موجود ہے' وہ بھی اسے کوڑہ مارے لیکن وہ مجھے برا بھلا نہیں کہہ سکتا۔''

''مروان آپ کو برا بھلا کیوں نہیں کہہ سکتا۔ خدا کی قسم وہ میرے نزدیک آپ سے افضل ہے۔''

''آپ مروان کو مجھ سے افضل سمجھتے ہیں۔ خدا کی قسم آپ خود بھی مجھ سے افضل نہیں ہیں۔''

حضرت عثمانؓ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور اس وقت کبیدہ خاطری کے ساتھ وہ مجلس ختم ہوگئی۔ دوسرے روز حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے حضرت علیؑ کی شکایت کی اور کہا کہ وہ مجھے عیب لگاتے ہیں اور میرے عیب لگانے والوں کی مدد کرتے ہیں۔ چند صحابہ نے فوراً ہی دونوں حضرات میں صلح صفائی کرادی۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ: ''خدا کی قسم! میں نے صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے ابوذر کی مشایعت کی تھی۔'' (ماخوذ ''علی ابن ابی طالب حصہ اول'' پروفیسر اختر رضا زیدی' روایت بلاذری' یعقوبی' واقدی' مسعودی اور ابن سعد)

عمار بن یاسرؓ کی سفارش

عمار بن یاسرؓ مکہ کے مفلوک الحال طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام قبول کرتے ہی قریش نے انہیں اذیتوں کا نشانہ بنایا۔ رسولؐ اللہ ان کے خلوص سے بے حد متاثر تھے اور ان کے لئے دعا کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی اسلام

کی بے لوث خدمت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر بھی بنایا پھر معزول کیا تو پوچھا ''ناراض تو نہیں ہوئے؟'' عمار نے جواب دیا کہ: ''تقرر کے وقت بھی خوش نہیں تھا اور آج بھی خوش نہیں ہوں۔''

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں یعقوبی اور بلاذری نے ان سے منسوب ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ: ''جب ابوذر غفاری کے انتقال کی خبر دربار خلافت میں پہنچی تو حضرت عثمانؓ کی زبان سے بے ساختہ فقرہ نکلا ''رحمۃ اللہ'' (خدا ان پر رحم کرے)''

عمارؓ یاسر موجود تھے۔ انہوں نے فوراً کہا ''ہاں! خدا ان پر ہم سب لوگوں کی طرف سے رحم کرے۔''

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ابوذر کو جلاوطن کرنے پر شرمندہ ہوں؟'' عمارؓ نے کہا۔ ''ہرگز نہیں۔''

''نکال دو اسے۔'' حضرت عثمانؓ نے حکم دیا اور پھر عمارؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ''تم بھی ربذہ چلے جاؤ۔''

جب عمار سفر کی تیاری کرنے لگے تو لوگوں نے حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ وہ خلیفہ وقت سے عمارؓ کی سفارش کریں۔ حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ سے ملے اور باہم گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت علیؑ نے اس طرح بات چیت شروع کی۔ ''عوام ابوذرؓ کی جلاوطنی سے ناراض ہیں اور اب سنا ہے کہ عمارؓ کے لئے بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات کچھ مناسب نہیں ہے۔''

''پہلے تم ہی کو شہر بدر کرنا چاہئے۔'' حضرت عثمانؓ نے برہم ہو کر جواب دیا۔

''ہمت ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لیجئے۔'' حضرت علیؑ نے کہا۔

گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ فوراً کچھ لوگ مصالحت کے لئے درمیان میں

آ گئے۔

''ابوطالب کے بیٹے!'' حضرت عثمان بولے۔''تو اکثر میرے افعال پر اعتراض کرتا ہے۔''

''لیکن تم جانتے ہو'' حضرت علیؑ نے جواب دیا۔''میں حتی الامکان احتیاط سے کام لیتا ہوں۔''

اس جھگڑے پر مہاجرین اور انصار سے چپ نہ رہا گیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ پر خفگی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ''آپ جس پر غصہ کرتے ہیں اس کو جلاوطن کر دیتے ہیں۔ یہ آپ کے حق میں اچھا نہیں ہے۔''

اس بحث وتکرار کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت عثمانؓ نے عمارؓ کو جلاوطن نہیں کیا۔

واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ

''وہ ممتاز اور جلیل القدر صحابہ جو حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے ان میں ایک عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ یہ بدر، احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں رسولؐ اللہ کے ساتھ تھے۔ حضرت عثمانؓ کے ان افعال پر جنہیں وہ ناپسند کرتے اعتراض کرنے لگے۔ ولید نے حضرت عثمانؓ کو خبر دی کہ عبداللہ بن مسعودؓ حکومت وقت کے خلاف شدید پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں آئے۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو مسجد سے نکال دینے کا حکم دیا۔''

بقول واقدی:

''حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن زمعہ کو حکم دیا کہ دھکے دے کر نکال دو۔ عبداللہ بن زمعہ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا اور مسجد کے دروازے پر لا کر

پٹک دیا' جس کی وجہ سے ان کی پسلی ٹوٹ گئی۔ ابن مسعود نے کہا ابن زمعہ کافر نے مجھے حضرت عثمانؓ کے حکم سے قتل کر ڈالا۔

حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ: آپ ولید بن عقبہ کے کہنے سننے پر صحابی رسولؐ کے ساتھ ایسی بدسلوکی کر رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ: میں نے ولید کے کہنے پر ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے زبید بن حلت کندی کو کوفہ بھیجا تھا۔ خود اس سے ابن مسعودؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کا خون حلال ہے۔

حضرت علیؑ نے کہا: زبید بن حلت کندی کوئی قابل اعتبار شخص نہیں ہے۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت علیؑ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو گھر پہنچا دیا۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں تاریخ کہتی ہے کہ وہ شمع رسالت کے پروانہ رہے ہیں اور اسلام کی ابتدائی منزلوں میں ان کا جذبۂ ایثار و قربانی قابل قدر رہا ہے لیکن دورانِ خلافت ان سے منسوب واقعات دیکھ کر اصحاب رسولؐ نے اعتراضات شروع کر دیئے تھے۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ:

"غلط کام بہرحال غلط ہے' خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔"

"الامامۃ والسیاسۃ" میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود حضرت عثمانؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"اے عثمانؓ! تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھے اس امر نے باز رکھا کہ تجھ میں

تعصبِ قبیلہ اور اپنی قوم سے محبت ہے۔"

دولت کی تقسیم ہی نہیں انہوں نے بڑے بڑے عہدے بھی رشتہ داروں میں تقسیم کیئے جس سے حضرت عمرؓ کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی۔ "اسلامی قوت واقتدار کے پانچ مرکزی ستون رشتہ داروں کو بخش دیئے۔"

(۱) کوفہ سے سعد بن وقاص کو معزول کر کے اپنے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا۔ پھر اس کے بعد یہ عہدہ اپنے ایک دوسرے عزیز سعید بن عاص کو عطا فرمایا۔

(۲) بصرے کی گورنری سے ابوموسیٰ اشعری کو معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو لگا دیا۔

(۳) مصر کی حکومت عمرو بن العاص سے چھین کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے حوالے کی۔

(۴) امیر معاویہ' حضرت عمرؓ کے دور میں صرف دمشق کے حاکم تھے' حضرت عثمانؓ نے دمشق، حمص، فلسطین' اردن اور لبنان کا پورا علاقہ ان کی گورنری میں شامل کر کے ان کو ایک وسیع و عریض صوبے کا والی بنا دیا۔

(۵) مرکزی سیکریٹریٹ کی پوری باگ ڈور مروان بن الحکم کو سونپ دی جو حضرت عثمانؓ کا چچازاد بھائی تھا۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنی ذات سے متعلق عہدے بھی تقریباً اپنے رشتہ داروں کے حوالے کر دیئے۔ (ماخوذ۔ "علی ابن ابی طالب" جلد اول۔ پروفیسر اختر رضا زیدی)

اصلاح حکومت کے لئے حضرت علیؑ کی جدوجہد

حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسے بے شمار واقعات جمع ہو گئے تھے جن سے ۳۴ھ

میں حالات ابتری کی منزل پر پہنچ گئے تھے جنہوں نے شورش کے اسباب مہیا کردیئے۔

ابوالاعلیٰ مودودی ''خلافت وملوکیت'' میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عثمانؓ کے خلاف جوشورش برپا ہوئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی سبب کے بغیر محض سپاہیوں کی سازش کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی یا وہ محض اہل عراق کی شورش پسندی کا نتیجہ تھی' تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں میں ناراضی پیدا ہونے کے واقعی اسباب موجود نہ ہوتے اور ناراضی فی الواقع موجود نہ ہوتی تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو اس کے اندر شامل کر لینے میں کامیاب نہ ہوسکتا تھا۔ ان لوگوں کو اپنی شرارت میں کامیابی صرف اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ اپنے اقرباء کے معاملے میں حضرت عثمانؓ نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا اس پر عام لوگوں ہی میں نہیں بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضی پائی جاتی تھی۔ اسی سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور جو کمزور عناصر انہیں مل گئے ان کو اپنی سازش کا شکار بنالیا۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ فتنہ اٹھانے والوں کو اس رخنے سے اپنی شرارت کے لئے راستہ ملا تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ:

''لوگ حضرت عثمانؓ سے اس لئے ناراض تھے کہ انہوں نے مروان کو مقرب بنا رکھا تھا اور وہ اس کا کہا مانتے تھے۔ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ بہت سے کام جو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان کا حضرت عثمانؓ نے خود کبھی حکم نہیں دیا بلکہ مروان ان سے پوچھے بغیر اپنے طور پر وہ
کام کر ڈالتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ مروان کو مقرب بنانے اور اس کو یہ مرتبہ دینے پر معترض تھے۔''

ابن کثیر کا بیان ہے کہ کوفہ سے حضرت عثمانؓ کے مخالفین کا جو وفد ان کی خدمت میں شکایات پیش کرنے کے لئے آیا تھا اس نے سب سے زیادہ شدت کے ساتھ جس چیز پر اعتراض کیا وہ یہ تھی کہ:

''انہوں نے کچھ لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے اس امر پر بحث کرنے لئے بھیجا کہ آپ نے بہت سے صحابہ کو معزول کر کے ان کی جگہ بنی امیہ میں سے اپنے رشتہ داروں کو گورنر مقرر کیا ہے اس پر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے بڑی سخت کلامی کی اور مطالبہ کیا کہ وہ ان لوگوں کو معزول کر کے دوسروں کو مقرر کریں۔''

آگے چل کر حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کے لئے سب سے بڑا ہتھیار جو ان کے مخالفین کے پاس تھا وہ یہی تھا کہ: حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے رشتہ داروں کو جو گورنر بنایا تھا اس پر وہ اظہارِ ناراضی کرتے تھے اور یہ بات بکثرت لوگوں کے دلوں میں اتر گئی۔

حضرت علیؓ کی مشاورت

طبری' ابن اثیر اور ابن خلدون نے وہ مفصل گفتگوئیں نقل کی ہیں جو اس فتنے کے زمانہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ہوئی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ مدینے میں جب حضرت عثمانؓ پر ہر طرف سے نکتہ چینیاں ہونے لگیں اور حالت یہ ہوگئی کہ چند صحابہ زید بن ثابت' ابو اسید الساعدی' کعب بن مالک اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم کے سوا شہر میں کوئی صحابی ایسا نہ رہا جو حضرت والا کی حمایت میں زبان کھولتا تو لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ حضرت عثمانؓ سے مل کر ان معاملات پر بات کریں چنانچہ وہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو وہ پالیسی بدل دینے کا مشورہ

دیا جس پر اعتراضات ہو رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو میں نے عہدے دیئے ہیں انہیں آخر حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی تو عہدوں پر مامور کیا تھا' پھر میرے ہی اوپر لوگ کیوں معترض ہیں؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا ''حضرت عمرؓ جس کو کسی جگہ کا حاکم مقرر کرتے تھے' اس کے متعلق اگر انہیں کوئی قابل اعتراض بات پہنچ جاتی تھی تو وہ بری طرح اس کی خبر لے ڈالتے تھے مگر آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نرمی برتتے ہیں۔'' حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ ''وہ آپ کے بھی تو رشتہ دار ہیں۔'' حضرت علیؓ نے جواب دیا ''بیشک میرا بھی ان سے قریبی رشتہ ہے مگر دوسرے لوگ ان سے افضل ہیں۔'' حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''کیا حضرت عمرؓ نے معاویہ کو گورنر نہیں بنایا تھا؟'' حضرت علیؓ نے جواب دیا ''حضرت عمرؓ کا غلام یرفا بھی ان سے اتنا نہ ڈرتا تھا جتنے معاویہ ان سے ڈرتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ معاویہ آپ سے پوچھے بغیر جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ عثمانؓ کا حکم ہے مگر آپ انہیں کچھ نہیں کہتے۔''(۱)

دوسری مشاورت

ایک اور موقع پر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ آپ اس فتنے کو فرو کرنے میں میری مدد کریں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ''یہ سب کچھ مروان بن الحکم' سعید بن العاص' عبداللہ بن عامر اور معاویہ کی بدولت ہو رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کی بات مانتے ہیں اور میری نہیں

۱۔ الطبری۔ ج ۳۔ ص ۳۷۷' ابن الاثیر۔ ج ۳۔ ص ۷۶' البدایہ۔ ج ۷۔ ص ۱۶۸۔۱۶۹' ابن خلدون تکملہ' جلد دوم۔ ص ۱۴۳ (خلافت وملوکیت ص ۳۳۰۔۳۳۱)

مانتے۔'' حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''اچھا اب میں تمہاری بات مانوں گا۔'' اس پر۔ حضرت علیؓ انصار و مہاجرین کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر مصر سے آنے والے شورشیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو واپس جانے کے لئے راضی کیا۔(۱)

حضرت علیؑ کی شکایت

اس زمانۂ فتنہ میں ایک اور موقع پر حضرت علیؑ سخت شکایت کرتے ہیں کہ میں معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں اور مروان ان کو پھر بگاڑ دیتا ہے۔ آپ خود منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مطمئن کر دیتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد آپ ہی کے دروازے پر کھڑا ہو کر مروان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے اور آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے۔(۲)

''یہ تمام واقعات اس امر کی ناقابل تردید شہادت بہم پہنچاتے ہیں کہ فتنے کے آغاز کی اصل وجہ وہ بے اطمینانی ہی تھی جو اپنے اقرباء کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل کی وجہ سے عوام اور خواص میں پیدا ہو گئی تھی اور یہی بے اطمینانی ان کے خلاف سازش کرنے والے فتنہ پرداز گروہ کے لئے مددگار بن گئی۔ یہ بات تنہا میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس سے پہلے بہت سے محققین یہی کچھ کہہ چکے ہیں۔''(۳)

۱۔الطبری ج ۳۔ص ۳۹۴' ابن الاثیر۔ج ۳۔ص ۸۱۔۸۲' ابن خلدون تکملۂ جلد دوم۔ص ۱۴۶ (خلافت وملوکیت صفحہ ۳۳۱۔۳۳۲)

۲۔الطبری۔ج ۳۔ص ۳۹۸' ابن الاثیر۔ج ۳۔ص ۸۳' ۸۴' ابن خلدون' تکملۂ جلد۔دوم۔ص ۱۴۷ (خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۳۲)

۳۔مولانا مودودی ''خلافت وملوکیت صفحہ ۳۳۳''

حضرت علیؑ نے پانی کی مشکیں پہنچائیں

حضرت علیؑ اور دیگر صحابہ کے سمجھانے بجھانے سے باغی واپس چلے گئے لیکن راستے میں انہیں ایک سوار ملا۔ تلاشی لینے پر ایک شیشی میں انہیں خط ملا۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ اس کا مضمون یہ تھا جو مصر کے گورنر کو لکھا گیا تھا:۔

"جب تمہارے پاس عمرو بن بدیل پہنچے تو فوراً اس کی گردن اڑادو۔ ابن عدیس، کنانہ اور عروہ کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالو اور انہیں خون میں لوٹنے کے لئے چھوڑ دو کہ اسی طرح لوٹ کر مر جائیں۔ پھر انہیں درخت خرمہ کے تنوں سے باندھ دو۔"

تمام باغی پلٹ پڑے اور وہ فرمان دکھلا کر محاصرہ شروع ہوگیا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس تحریر سے انکار کیا اور کہا "خدا کی قسم میں نے یہ خط نہیں لکھا، نہ میں نے لکھنے کا حکم دیا، نہ مجھے اس قصے کی خبر ہے۔ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تمہاری تمام شکایات دور کی جائیں گی۔ جسے تم چاہو مصر کا گورنر بنالو، یہ بیت المال کی کنجیاں ہیں جس کے حوالے کرنا چاہو کردو۔" (بلاذری)

اس فرمان کو سننے کے بعد اہل مصر نے جواب دیا کہ "ہم آپ کو خلافت کے لائق ہی نہیں سمجھتے آپ الگ ہوجایئے۔" (بلاذری)

"طبری نے لکھا ہے کہ باغیوں نے حضرت عثمانؓ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر یہ خط مروان نے لکھا ہے تو مروان کو ان کے حوالے کردیا جائے، لیکن حضرت عثمانؓ اس بات پر تیار نہیں ہوئے۔"

الغرض محاصرے میں شدت پیدا ہوگئی اور بلوائیوں نے پانی بند کردیا۔ عام طور پر مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ چالیس روز تک محصور رہے۔ پروفیسر اختر رضا

زیدی اپنی کتاب ''علیؑ ابن ابی طالب حصہ اوّل'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں پر جب پیاس کا غلبہ ہوا تو انہوں نے بلندی سے جھانک کر مجمع سے پوچھا کہ ''تم میں علیؑ ہیں؟'' جواب ملا کہ ''نہیں'' پوچھا ''سعد ہیں؟'' معلوم ہوا کہ نہیں ہیں۔ کچھ دیر تک حضرت عثمانؓ خاموش رہے پھر فرمایا کہ ''کیا کوئی شخص علیؑ کے پاس میرا یہ پیغام پہنچا سکتا ہے کہ وہ ہمیں پانی پلائیں۔''

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:

''امیر المومنین عثمانؓ نے حضرت علیؑ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور امہات المومنین کے پاس کہلا بھیجا کہ بلوائیوں نے میرا پانی بند کر دیا ہے اگر تم لوگ مجھ کو پانی پہنچا سکتے ہو تو مجھے پانی بھیج دو۔'' حضرت علیؑ ابن ابی طالب اس دردناک خبر کو سن کر علی الصبح سوار ہو کر بلوائیوں کے پاس گئے اور فرمایا کہ تمہارا یہ فعل نہ مسلمانوں کے مشابہ ہے نہ کافروں سے۔ تم لوگ اس شخص کا کھانا پانی بند نہ کرو۔ بلاشبہ رومی اور ایرانی بھی اپنے قیدیوں کو کھلاتے پلاتے ہیں۔'' بلوائیوں نے جواب دیا۔ ''نہیں واللہ ایسا کبھی نہ ہو گا۔''

سعد بن مسیتب سے روایت ہے کہ ''حضرت علیؑ نے پانی سے بھری ہوئی مشکیں حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجی تھیں لیکن یہ مشکیں بھی ان کے پاس اس وقت پہنچ سکیں جب بنی امیہ اور بنی ہاشم کے بہت سے لوگ اچھے خاصے زخمی ہو گئے۔''

حضرت عثمانؓ کا قتل

حضرت عثمانؓ نے امداد کے لئے مملکت اسلامیہ کے مختلف شہروں کو خطوط بھی لکھے لیکن کہیں سے کوئی امداد نہ مل سکی۔ محاصرہ کرنے والوں کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ شام

اور بصرہ کی فوجیں امداد کو نہ پہنچ جائیں اس لئے وہ حضرت عثمانؓ کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ سخت لڑائی ہوئی اور حضرت عثمانؓ اٹھارویں ذوالحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ قتل کر دیئے گئے۔ ابن خلدون کی روایت پروفیسر اختر رضا نے اس طرح درج کی ہے کہ ''بلوائیوں میں سے چند لوگوں نے دفن کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے سے بھی تعارض کیا تھا' لیکن حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے ان کو جھڑکا اور سختی سے روکا۔ بخاری' ابن اثیر اور ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ بغیر غسل کے انہیں کپڑوں کے ساتھ دفن ہوئے جو شہادت کے وقت پہنے ہوئے تھے۔''

تاریخ میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی دیگر وجوہات میں یہ بھی شامل ہے کہ ''۲۹ ہجری میں جب حج کے لئے گئے تو دو رکعتی نماز چار رکعت پڑھادی۔ قرآن کے تمام نسخے جمع کر کے ایک نسخہ مرتب کیا اور تمام صحیفے جلوادیئے۔ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں کہ اس واقعہ نے نہ صرف قراء کو برہم کیا بلکہ قدر دوم کے صحابہ بھی ناراض ہو گئے اور عوام پر بھی اس کا برا اثر ہوا۔'' (اسلام پر کیا گزری۔ مولانا محمد باقر شمس صفحہ ۳۲۷)

ایک فرانسیسی محقق سڈیو نے اس طرح لکھا ہے کہ: ''اگر قرابت کے لحاظ سے خلافت اور تخت نشینی کا اصول علیؑ کے حق میں مان لیا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔'' (ماخوذ از اسپرٹ آف اسلام)

حضرت علیؑ وفاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ خلیفہ تھے اور نہ قاضی القضاۃ لیکن اپنے گھر بیٹھے ہوئے شریعت محمدیؐ کے چراغ کو حادثات کی تیز آندھیوں میں بھی جلائے رکھا۔ خلفائے ثلاثہ کے پورے ادوار میں حضرت علیؑ نے ثابت کر دیا کہ مشکل کشائی انہی کا حصہ ہے۔

امیر المومنینؑ کے بارے میں ملت مسلمہ نے اک عجب روش اختیار کی۔ ایک طرف تو کہا جاتا رہا کہ آپؑ امورِ سیاست سے بے خبر اور طرزِ جہاں بانی سے نا آشنا تھے۔ دوسری طرف خلفاء نے وقت اور مملکت کے اہم معاملات کفار بالخصوص جنگِ روم اور دیگر حکومتی مسائل میں آپؑ کی صحت فکر' بصیرت افروز رائے اور مشوروں کو مقدم جانا اور اسی کو آپؑ کے اور خلفاء کے درمیان اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ سمجھا جبکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ہر دور میں واشگاف لفظوں میں ان کے نظریات سے نہ صرف یہ کہ اختلاف کیا بلکہ بیشتر اپنے غم وغصہ کا بھی اظہار کیا لیکن اسلامی و اجتماعی مفاد کے سلسلہ میں صحیح رہنمائی کی۔ امیر المومنینؑ کی سیرت تو اتنی بلند تھی کہ کسی کو یہ گمان تک بھی نہ تھا کہ آپ کسی موقع پر ملت کے اجتماعی مفاد سے پہلو تہی کریں گے بلکہ جس طرح نبوت کو جھٹلانے والے سرور کائنات کو امین و صادق مان کر اپنی امانتیں بے کھٹکے رکھواتے تھے' اسی طرح امیر المومنینؑ سے بھی مشاورت کرتے تھے کہ وہ صرف اسلام کی سربلندی اور اس کی بقا کی خاطر اپنے ہر مفاد کو قربان کر دیں گے۔

امیر المومنین کے فیصلے

فیصلوں کا تعلق عدلیہ سے ہے اور عدالت پروردگار عالم کی ایک صفت ہے۔ عدالت نہ ہوتو اسلام کے تمام اصول بے بنیاد ہو جاتے ہیں۔ علامہ ذیشان حیدر جوادی کا بیان ہے کہ شریعت کی زبان میں عدالت واجبات پر عمل اور محرمات سے پرہیز کے معنی میں ہے۔ علم اخلاق کی اصطلاح میں عدالت ہر اچھی چیز کے اختیار کرنے اور ہر بری چیز سے پرہیز کرنے کے معنی میں ہے اور حقوق کی زبان میں عدالت ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دینے کے معنی میں ہے۔

عدالت میں مصلحت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ صاحبِ حق کو اس کا حق نہ دینا ظلم اور کسی ظالم کی پشت پناہی کرتے ہوئے اُسے سزا نہ دینا ظلم۔ اس لئے عدالت یہ ہے کہ ہر دو صورت میں کسی کی حق تلفی نہ ہو اور انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں۔ عدالت پر انسان کو اسی وقت اعتبار ہوتا ہے جب اسے یقین ہو کہ نیک عمل پر انعام اور برے کام پر سزا ضرور ملے گی۔ اس طرح وہ برائی سے پرہیز اور نیک کام کی طرف راغب ہوگا۔ آج دنیا کے تمام عدالتی نظام اور فیصلوں نے انسانوں پر عرصۂ حیات تنگ

کرر کھا ہے اور ظالموں کے لئے میدانِ حیات کو بے مہار اونٹ کی طرح چھوڑ دیا ہے۔

عدالت چونکہ پروردگار کا پسندیدہ درجہ ہے اس لئے اس نے انسانی زندگی کے لئے نمونۂ عمل بھی رسولؐ خدا اور امام علیؑ کی صورت میں پیش کیا تا کہ زندگی درست راستہ اختیار کر سکے۔ عدالت کے لئے علم بھی ضروری ہے تو رسولؐ کے بعد وہ سارے علوم بھی بذریعہ رسولؐ علیؑ کو دے دیئے کہ فیصلوں میں مصلحتوں کا گلا گھونٹ دیا جائے اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔

شرف الدین نجفی نے اپنی کتاب "**فیما نزل فی اھل البیت علیھم السلام فی القران**" میں ابوالحسن علی بن محمد مولف کتاب الواحدۃ کے حوالے سے اس کی اسناد کے ساتھ حضرت ابوذر غفاریؓ سے نقل کیا کہ رسولؐ اللہ ایک روز ام المومنین اُم سلمیٰؓ کے گھر بیٹھے تھے۔ ساتھ میں بھی بیٹھا تھا کہ حضرت علیؑ تشریف لائے۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا:

"ابوذر! یہ (علیؑ) عدلِ خداوندی کا منصف ہے اور حریم الٰہی کا محافظ ہے اللہ کے دین کا ناصر ہے اور بندوں پر اللہ کی حجت ہے۔" (۱)

رسولؐ خدا سے عدلِ خداوندی کا منصف ہونے کی سند پانے کی حقیقت امیرالمومنینؑ کے بیشمار مقدمات کے فیصلوں میں نظر آتی ہے۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کے زمانے سے لے کر اپنے دورِ خلافت تک پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمات کے معجزاتی فیصلے کئے۔ خلفائے ثلاثہ کے پچیس سالہ دور میں بھی آپ کے فیصلوں سے دینِ حق کو استحکام ملا۔ وہ ایسے محیر العقول فیصلے تھے جو آپ کے علاوہ کوئی کر ہی نہ سکتا

۱۔ "معجزات آلِ محمدؐ" حصہ اول۔ علامہ سید ہاشم البحرانی ترجمہ مولانا محمد حسن جعفری صفحہ ۳۷۷۔

تھا اور وہ ایسی عالمگیر حیثیت رکھتے ہیں کہ آج کا انسان بھی ان سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔ان فیصلوں کو آپ کے پچیس سالہ دور کا اہم ترین کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہر فیصلہ عدل وانصاف شرع اسلامی کے عین مطابق تھا۔آپ نے اپنی حکمت وفراست سے ایسے فیصلے صادر فرمائے کہ حقدار کو اس کا حق اور مجرم کو اس کی سزامل گئی۔ یہ آپ ہی کے فیصلوں کی کرشمہ سازی ہے کہ تاریخ اسلام کے صفحات عدل اور انصاف کے فیصلوں سے سرخرو ہوئے۔

امیر المومنینؑ کے فیصلوں پر کئی کتابیں موجود ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آج کی اختصار پسند دنیا میں کتاب کی ضخامت اتنی بڑھادوں کہ وہ لوگوں کی قوت خرید سے باہر ہوجائے اس لئے اہل ذوق کے لئے چند فیصلے نقل کئے جارہے ہیں۔

(ا) ماں کا اپنے بیٹے سے انکار

حافظ رجب برسی نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک نوخیز لڑکا آیا اور اس نے کہا کہ میری ماں نے میرے والد کی میراث سے مجھے الگ کردیا ہے اور وہ مجھے اپنا بیٹا بھی تسلیم نہیں کرتی۔

حضرت عمرؓ نے اس عورت کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو نے اپنے فرزند کا انکار کیوں کیا ہے؟

عورت نے کہا کہ یہ لڑکا جھوٹا ہے اور یہ مجھ پر بہتان تراشی کررہا ہے جبکہ میرے پاس گواہ موجود ہیں کہ ابھی تک تو میں کنواری ہوں اور میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا۔

اس عورت نے سات افراد کو رشوت دے رکھی تھی چنانچہ ان سات افراد نے آکر گواہی دی کہ یہ عورت کنواری ہے۔

لڑکے نے کہا کہ میرے والد کا نام سعد بن مالک تھا اور لوگ اسے حارث مزنی

کہا کرتے تھے۔ جب میں اس عورت کے بطن سے پیدا ہوا تو اس کا دودھ بہت کم تھا اس لئے پورے دو سال تک میری یہ ماں مجھے بکری کے دودھ پر پالتی رہی۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو میرا والد سفر پر چلا گیا جہاں سے اسے واپسی نصیب نہ ہوئی۔ میں نے اپنے والد کے اہل قافلہ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ مر گیا ہے۔ اس کے بعد میری ماں نے میرے والد کی جائیداد پر قبضہ کر لیا اور مجھے بیٹا ماننے سے انکار کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو انہوں نے کہا یہ واقعی مشکل مسئلہ ہے۔ اسے یا تو نبی حل کر سکتا ہے یا پھر نبی کا وصی حل کر سکتا ہے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آؤ ہم ابوالحسن علیؑ ابن ابی طالب کے پاس جائیں۔ الغرض حضرت عمرؓ بہت سے لوگوں کے ہمراہ حضرت علیؑ کے دروازے پر آئے اور حضرت علیؑ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: قنبر! جاؤ اور اس عورت کو حاضر کرو۔

قنبر اس عورت کو لے کر آئے اور آپؑ نے اس سے فرمایا کہ تو نے اپنے بیٹے کا انکار کیوں کیا؟

عورت نے کہا کہ یہ لڑکا مجھ پر بہتان تراشی کر رہا ہے جبکہ میں کنواری ہوں۔ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی اور میرے قبیلہ کے سات افراد نے میرے باکرہ ہونے کی گواہی دی ہے۔

پھر حضرت علیؑ نے ایک دائی کو بلوایا اور اس سے فرمایا: اس عورت کو پردے میں لے جاؤ اور اس کا معائنہ کر کے بتاؤ کہ یہ کنواری ہے یا شوہر دیدہ ہے؟

جب دائی اس کا معائنہ کرنے لگی تو اس نے اپنا ایک کنگن اتار کر دائی کو رشوت میں دیا۔ چنانچہ دائی نے باہر آ کر کہا کہ یہ عورت کنواری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: قنبر! یہ دائی جھوٹ بول رہی ہے۔ اس عورت

نے اسے رشوت میں کنگن دیا ہے تم اس سے وہ کنگن برآمد کرو۔

جب قنبر نے اس کی تلاشی لی تو کنگن مل گیا۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ پھر آپ نے فرمایا: لوگو خاموش ہو جاؤ۔ میں علم کا ظرف ہوں۔ اس کے بعد آپؑ نے اس عورت سے فرمایا کہ دیکھ میں دین اسلام کا قاضی اور دین کی زینت ہوں۔ میں حسنؑ و حسینؑ کا والد ہوں۔ کیا تو مجھے اپنا ولی تسلیم کرتی ہے؟

عورت نے کہا جی ہاں! میں آپ کو اپنا ولی مانتی ہوں۔

پھر آپؑ نے فرمایا: تمہارے رشتہ داروں نے اب تک تمہاری شادی نہ کر کے غلطی کی ہے میں تیرا ولی شرعی ہو کر تیرا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔

عورت نے کہا: مولا کب؟

آپؑ نے فرمایا۔ آج۔

عورت نے کہا: مولا کس سے؟

آپؑ نے فرمایا: اس جوان سے۔

عورت نے کہا: مولا بھلا ماں کا نکاح بیٹے سے کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: پھر تم نے اپنے بیٹے کا انکار کیوں کیا تھا؟

عورت نے کہا: میں نے جائیداد کی لالچ میں آ کر ایسا کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: اب خدا کے حضور اپنے گناہوں کی معافی طلب کر، پھر آپؑ نے ماں بیٹے میں صلح کرادی۔ (فضائل شاذان، ص ۱۰۵۔۱۰۶)

(۲) عورت کے دودھ سے پہچان

حضرت عمرؓ کے دور میں دو عورتوں کا مقدمہ آیا دونوں کے یہاں ایک ہی دن میں بچہ ہوا تھا۔ ایک کے یہاں لڑکا اور ایک کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ لیکن دونوں

لڑکے کو اپنی اولاد بتاتی تھیں اور لڑکی کی طرف کوئی دھیان بھی نہیں دیتی تھی۔ کوئی ثبوت بھی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ فیصلہ کیونکر کریں۔ انہوں نے حضرت علیؑ سے رجوع کیا۔ آپؑ نے دونوں کا دودھ برابر کے ظرف میں رکھ کر وزن کرایا۔ جس کا دودھ وزنی تھا اسے لڑکا دے دیا اور جس کا دودھ سبک تھا اسے لڑکی دے دی اور سبب بتلایا کہ چونکہ مرد کا حصہ دہرا ہوتا ہے لہٰذا لڑکے کا دودھ بھاری ہوتا ہے۔ (من لایحضر۔ ماخوذ از قضایائے امیر المومنین ص ۴۳)

(۳) چھ ماہ بعد بچہ کا پیدا ہونا

ایک عورت کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا۔ شوہر نے اس کے خلاف حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؑ نے ان سے نظر ثانی کرنے کو کہا تو حضرت عمرؓ نے کہا آپ خود فیصلہ کر دیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ قرآن میں سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳ میں ہے کہ (ترجمہ) جو پوری مدت تک دودھ پلانا چاہے تو مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ دوسری جگہ سورہ احقاف آیت ۱۵ میں ہے کہ (ترجمہ) اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کے تیس مہینے ہوئے۔

اس طرح اگر تیس مہینوں سے دو سال کی مدت نکالی جائے تو چھ ماہ بچتے ہیں جو اس کے حمل کی مدت ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لیا، عورت کو بری کر دیا اور کہا **لولا علی لهلک عمر** ۔ (اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا)۔ (ذخائر العقبیٰ ص ۸۲، مناقب خوارزمی۔ ماخوذ از قضایائے امیر المومنین ص ۲۷)

(۴) قتل ہونے کے بعد زندہ بچ جانا

اس فیصلے کا بھی حضرت عمرؓ کے دور سے تعلق ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا۔ اس کے باپ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے مدعی سے کہا تو مجرم کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے چنانچہ اس نے قاتل پر دو وار کیے اور یقین کر لیا کہ یہ مر چکا ہے مگر اس میں قدرے جان باقی تھی۔ اس کے ورثہ اسے گھر اٹھا کر لے گئے۔ علاج کیا کچھ عرصہ بعد وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ جب خبر مقتول کے باپ کو ہوئی تو اسے دوبارہ پکڑ کر حضرت عمرؓ کے پاس لایا کہ قاتل میرے مارنے کے بعد بھی دوبارہ زندہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو لے جا کر دوبارہ قتل کرو۔ جب اس شخص نے اپنے قتل کا دوبارہ فیصلہ سنا تو اس نے حضرت علیؑ کی خدمت میں فریاد کی یا امیر المومنین مجھ سے ایک مرتبہ قصاص لیا جا چکا ہے۔ اتفاق سے میری زندگی بچ گئی اب دوبارہ حضرت عمرؓ نے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت علیؑ اسے لے کر دربار پہنچے اور فرمایا کہ کیا تم نے اسے دوبارہ موت کی سزا دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ قتل کرنے کے باوجود مرا نہیں اسے قتل کر دینا چاہئے۔ آپ نے فرمایا مدعی کو دوبارہ حاضر کیا جائے۔ جب مدعی آپؑ کے پاس آیا تو آپؑ نے فرمایا کہ تو اس وقت اس کو قتل کر سکتا ہے جب پہلے اس کے قتل کا قصاص دے لے جس کو تو نے تلوار کے دو وار کر کے اپنی طرف سے قتل کر دیا تھا اور اس کا نتیجہ تیری موت ہے اگر تو یہ قصاص دینے کو تیار ہے تو بے شک اس کو قتل کر سکتا ہے۔ جب اس شخص نے آپؑ کا یہ فیصلہ سنا تو بے اختیار چیخ اٹھا کہ میں اپنے بیٹے کے قصاص سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اس طرح یہ مقدمہ جناب امیرؑ کے فیصلے کے مطابق صحیح طور پر ہوا۔

ایسے میں بے ساختہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا علیؑ شکر ہے جو آپ ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔

(۵) ایک مقتول اور کئی قاتل

اس فیصلہ کا تعلق بھی حضرت عمرؓ کے دور سے ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص کو اس کی سوتیلی ماں نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ مل کر قتل کر ڈالا۔ جب یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے دربار میں پیش ہوا تو آپ اس امر کے لئے سوچنے لگے کہ مقتول تو ایک ہے اور قاتل کئی، اس کی سزا ایک کو دینی چاہئے یا سب سزا کے مستحق ہیں۔ آپ سے اس مسئلہ کا حل نہ ہوا۔ آخر حضرت علیؑ مشکل کشا کی خدمت میں اس مسئلہ کو پیش کیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا: اے عمرؓ اگر کئی چور مل کر ایک اونٹ کو چرائیں تو کیا ایک کو سزا ملنی چاہئے یا سب کو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سب کو، تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اس کا حل بھی بالکل اسی طرح کا ہے۔ (کافی۔ تہذیب قضا د تہائے امیر المومنین)

(۶) گائے اور اونٹ

یہ فیصلہ بھی حضرت عمرؓ کے دور کا ہے۔ ایسا ہی ایک فیصلہ آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں پیش ہو چکا تھا۔ دو آدمی حضرت عمرؓ کے پاس لڑتے جھگڑتے ہوئے آئے۔ ایک شخص نے کہا کہ اس آدمی کی گائے نے سینگ مار کر میرے اونٹ کا پیٹ پھاڑ دیا ہے لہٰذا اس سے میرے نقصان کا تاوان دلایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے سننے کے بعد کہا کہ جانوروں پر قاضی نہیں ہوتا لہٰذا یہ آدمی تمہارے نقصان کا ذمہ دار نہیں۔ جب حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ سنا تو آپ نے فرمایا آنحضرتؐ نے خود فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر پہنچائے تو وہ اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس

کے بعد آپؑ نے اس مقدمہ کی دوبارہ کارروائی فرمائی کہ کیا گائے کے مالک نے اپنی گائے اونٹ کے گزرنے والے راستہ پر تو نہیں باندھی تھی۔ اگر گائے والے نے باندھی تھی تو قصاص اس پر واجب ہوتا ہے لہٰذا گائے کا مالک اونٹ کے مالک کو تاوان ادا کرے۔ جب صورتحال سامنے آئی تو پتہ چلا کہ گائے اونٹ کے گزرنے والے راستہ پر باندھی گئی تھی لہٰذا گائے والا قصوروار ثابت ہوا۔ اس طرح آپ کے فیصلہ کے مطابق اس سے تاوان دلایا گیا۔ اس طرح کسی کی حق تلفی نہیں ہوئی۔ (قضا ۱۵۸)

(۷) یہ ممکن ہے

یہ فیصلہ حضرت ابوبکرؓ کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا کوئی ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ ایک شخص نے باکرہ عورت سے صبح کو ترویج کی ہو اور شام کو اس سے لڑکا ہو اور وہ عورت اِبن واُم کی میراث پالیں۔ جواب دیا کہ یہ صورت ممکن نہیں۔ پھر یہ شخص حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا ممکن ہے۔ بایں طور کہ یہ عورت اس شخص کی کنیز تھی جو پہلے اس سے حاملہ ہوچکی تھی پھر اس نے اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا شام کو جب اس عورت نے بچہ جنا تو وہ شخص مرگیا بس اب وہ دونوں ابن واُم کی میراث پاسکتے ہیں۔

توضیح: سائل کا منشا کہ کیونکر ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے ترویج کرے اور شام ہی کو وہ بچہ جنے۔ پھر اس کے مرنے کے بعد بحکم شرع بیٹا اپنا حصہ پالے اور ماں اپنا۔ حالانکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا اس شخص کا نہیں کیونکہ بعد ترویج شام ہی کو پیدا ہوگیا ہے لیکن کسی دوسرے کا بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس نے باکرہ سے ترویج کی تھی یعنی وہ عورت کسی دوسرے مرد کے پاس گئی ہی نہ تھی۔ اس کا جواب آنحضرتؐ

نے پہلے ہی یہ دیا تھا کہ یہ عورت اس کی کنیز تھی اور حالت کنیزی میں اس سے حاملہ ہوئی بعد اس کے اس نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ جس روز زوجیت میں لیا اسی روز لڑکا پیدا ہو گیا اور وہ خود مر گیا۔ پس چونکہ یہ لڑکا اسی کا تھا اور کنیز اس کی زوجیت میں آ چکی تھی لہٰذا متوفی کی میراث اس عورت اور اس لڑکے کو ملی۔

(۸) شراب خور اور حرمت سے لاعلم

اس فیصلے کا تعلق بھی حضرت ابوبکرؓ کے دور حکومت سے ہے۔ آپ کے دربار میں ایک ایسے مسلمان شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی لی تھی جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے اپنے شراب پینے کا اقرار کیا۔ اس نے اپنے جرم کو مان لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سے دوبار پوچھا کہ آخر مسلمان ہو کر تم نے یہ جرم کیوں کیا تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں جس علاقہ میں رہتا ہوں وہ لوگ شراب پینے کے عادی ہیں اور مجھے اگر یہ معلوم ہوتا کہ اسلام میں شراب نوشی حرام قرار دی ہے تو میں کبھی نہ پیتا۔ خلیفۂ وقت سوچ میں پڑ گئے کہ اب اس کا کیا فیصلہ ہونا چاہئے۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ ایسے شرعی مسائل کا حل سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی نہ کر سکے گا۔ آخر کار اسے حضرت علیؑ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے تمام واقعہ سننے کے بعد فرمایا کہ اس کو یہاں کے تمام مسلمان انصار و مہاجرین کے پاس لے جا کر اس امر کی تصدیق کرائیں کہ کیا ان میں سے کسی نے بھی اس کو شراب اسلام میں حرام ہونے کی اطلاع دی۔ اگر اسے اطلاع ملی ہے تو شرعی اعتبار اس پر حد واجب ہوتی ہے مگر تمام انصار و مہاجرین میں سے کسی نے بھی اس بات کا اقرار نہیں کیا کہ اس کے سامنے حرمت شراب کی آیت پڑھی گئی ہو۔ اس تصدیق کے بعد آپؑ نے فرمایا اس کو کوئی سزا نہیں دینی چاہئے مگر اس کے بعد اس جرم کا ارتکاب کرے تو سزا کا مستحق

ہے۔ چنانچہ اس سے توبہ کرائی گئی اور اسے چھوڑ دیا گیا۔ تاریخ دان رقم طراز ہیں کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد یہ پہلا فیصلہ تھا جو وصی رسولؐ مولا علیؑ نے فرمایا۔ (ناسخ التواریخ ج ۲/۱۳۱ ص)

(۹) غلام شوہر

اس واقعہ کا تعلق حضرت عثمانؓ کے دور حکومت سے ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص کا ایک ہی لڑکا کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ لڑکے کی پیدائش کے بعد اس شخص نے کنیز کو جدا کر کے اپنے ایک غلام کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ اتفاق سے اس لڑکے کا باپ مر گیا۔ اس کی تمام وراثت غلام نوکر چاکر سمیت اس کے اکلوتے لڑکے کو ملی۔ وہ عورت چونکہ آزاد ہو چکی تھی اس طرح وہ لڑکے کی ماں کی حیثیت سے اس وراثت کی مالک بن چکی تھی اور اس عورت کا شوہر بھی اس لڑکے کی غلامی میں آچکا تھا اس لئے اس عورت نے کہا کہ تو غلام ہے میں تیری بیوی نہیں ہوں بلکہ مالکہ ہوں تو میرا خاوند نہیں میرا غلام ہے۔ معاملہ نے طول پکڑا فیصلے کے لئے دربارِ حضرت عثمانؓ میں پہنچے مگر آپ اس معاملے کی تفصیل سننے کے بعد حیران ہو گئے اور کوئی فیصلہ نہ کر پائے۔ آخرکار اس فیصلے کے لئے مولا علیؑ کے دربار امامت کی طرف رجوع ہونا پڑا۔ آپؑ نے تمام واقعہ سننے کے بعد غلام سے پوچھا کہ تم نے اپنے آقا کے مرنے کے بعد اس عورت سے حقوق زوجیت ادا کئے ہیں۔ غلام نے جواب دیا نہیں۔ تب دربارِ امامت سے ارشاد ہوا کہ تو اس کا غلام ہے شوہر نہیں۔ اب اس عورت کی مرضی ہے کہ وہ تجھے بحیثیت غلام رکھے یا آزاد کر دے یا کسی کے ہاتھ فروخت کر دے چونکہ اب یہ تیری مالکہ ہے۔ (مناقب شہر آشوب۔ ج ۲۔ ص ۱۹۲، ناسخ۔ ج ۳۔ ص ۲۳، بحار۔ ج ۹۔ ص ۴۸۴)

(۱۰) دو شخص کی امانت کا فیصلہ

اس فیصلہ کا تعلق مولا علیؑ کے دور خلافت سے ہے جو آپؑ کی علمی بصیرت حکمت وفراست سے طے ہوا۔ دو شخص ایک عورت کے پاس ۱۰۰ دینار بطور امانت رکھ کر جاتے ہوئے تاکید کر گئے کہ جب تک ہم دونوں نہ آئیں اس وقت تک یہ امانت واپس نہ کرنا۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں میں سے ایک شخص اس عورت کے پاس آیا اور کہا کہ میرے دوست کا انتقال ہو گیا ہے لہٰذا امانت مجھے واپس کر دو۔ عورت نے جو رقم بطور امانت رکھی تھی اس شخص کے حوالے کی۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد دوسرا شخص آیا اور کہا کہ امانت واپس کرو تو عورت نے جواب دیا کہ کچھ عرصہ قبل تمہارا دوست آیا تھا اس نے کہا کہ تم مر چکے ہو لہٰذا امانت میرے حوالے کر دو میں نے اس کو وہ امانت دے دی۔ اس شخص نے کہا کہ تم جھوٹ بولتی ہو جبکہ ہم نے کہا تھا کہ ہم دونوں جب تک نہ آئیں اس وقت تک یہ رقم نہ دینا۔ جھگڑے نے طول پکڑا' آخر معاملہ مولا علیؑ کی خدمت میں پیش ہوا۔ مولا علیؑ نے دونوں کی باتیں سنیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ طے پایا تھا کہ جب تک ہم دونوں نہ آئیں اس وقت تک یہ امانت نہ دینا چونکہ اس وقت تم تنہا آئے ہو اگر امانت لینی ہے تو تم اپنے دوست کو لے آؤ تو تمہیں تمہاری امانت مل جائے گی۔ اب تم اپنے دوست کو تلاش کرو۔ وہ شخص شرمندگی کی وجہ سے دوبارہ نہ آیا کیونکہ اس طرح ان کی دھوکہ دہی کا راز کھل جاتا۔ آپؑ نے اس عورت سے فرمایا کہ یہ دونوں تمہاری دولت دھوکہ سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (مناقب شہر آشوب)

(۱۱) سترہ اونٹوں کی تقسیم

یہ مولا علیؑ کے زمانۂ خلافت کا مشہور اور اہم واقعہ ہے جو ہر خاص و عام کتب میں

کثرت سے ملتا ہے۔ آپ کی خدمت مین تین آدمی حاضر ہوئے جنہوں نے ایک مشترکہ کاروبار کیا جس سے انہیں سترہ اونٹ مشترکہ منافع میں ملے۔ ان تینوں نے آپؑ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم تینوں کا حصہ منافع میں اس طرح ہے کہ ایک فرد نصف کا ملک ہے۔ دوسرا فرد تیسرے حصہ کا مالک ہے اور تیسرا فرد نویں حصہ کا مالک ہے۔ ہم تینوں چاہتے ہیں کہ ۱۷ اونٹ اسی طرح تقسیم کئے جائیں کہ اونٹوں کو کاٹنا نہ پڑے اور نہ ہی انہیں فروخت کرنا پڑے۔ اس انداز سے تقسیم ہو کہ ہر ایک کو اس کا حصہ اونٹوں کی شکل میں مل جائے۔ آپؑ نے تمام واقعہ سننے کے بعد فرمایا کہ ۱۷ اونٹوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دو اور اپنے غلام قنبر سے فرمایا کہ ان ۱۷ اونٹوں میں ایک اونٹ اپنا ملا دو اس طرح کل اونٹوں کی تعداد ۱۸ ہو گئی اس کے بعد آپؑ نے پہلے فرد سے کہا کہ تم نصف کے حق دار ہو۔ ان اٹھارہ اونٹوں میں سے نصف نکال لو۔ اس طرح اس نے نصف ۹ اونٹ اپنے ایک طرف کر لئے۔ بقایا ۹ اونٹ بچے۔ آپ نے تیسرے حصہ کے مالک سے کہا کہ تم اپنا تیسرا حصہ یعنی ۶ اونٹ لے لو کیونکہ ۱۸ کا تیسرا حصہ چھ اونٹ بنتے ہیں وہ بھی اپنا حصہ لے چکا تو باقی تین اونٹ رہے اس کے بعد تیسرا جو نویں حصہ کا مالک تھا اس سے کہا کہ تم اپنا نواں حصہ یعنی دو اونٹ لے لو چونکہ اٹھارہ کا نواں حصہ دو اونٹ ہیں وہ اپنے حصہ کے دو اونٹ لے چکا تو باقی ایک اونٹ حضرت علیؑ والا بچ گیا جسے قنبر نے الگ کر دیا۔

یہ فیصلہ سنتے ہی تینوں افراد ہنسی خوشی اپنے گھر کو روانہ ہو گئے اور تمام دربار اس فیصلہ کو سن کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ (ناسخ التواریخ۔ ج ۳/ ۷۵۷)

(۱۲) بینائی، قوت شامہ اور گویائی

امیر المومنینؑ ہی کے عہد خلافت میں ایک شخص نے ایک شخص کے سر پر ضرب

لگائی۔ جسے چوٹ لگی اس نے دعویٰ کیا کہ اس ضرب سے اس کی بینائی، قوتِ شامہ (سونگھنے کی قوت) اور گویائی (بولنے کی قوت) ختم ہوگئی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اس کو ایک جان کی تہائی دیت ملے گی۔ حضرتؑ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: جب سورج نکلا ہو تو اس سے کہو سورج کی طرف دیکھے۔ اگر آنکھیں ٹھیک ہیں تو سورج کی روشنی سے آنکھیں بند ہوجائیں گی۔ اس کی ناک کے پاس کوئی کپڑا اجلا کر لے جاؤ اگر سونگھنے کی طاقت ٹھیک ہوگی تو اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگے گا ورنہ اس کا شامہ واقعی خراب ہے۔ اسی طرح اس کی زبان پر سوئی چبھو کر دیکھو اگر واقعی گونگا ہے تو اس سے کالا خون نکلے گا ورنہ سرخ خون نکلے گا۔ (من لایحضر ماخوذ از قضایائے امیر المومنین۔ ص ۴۵)

(۱۳) دس بھائیوں کی ایک بہن

راوندی نے خرائج میں روایت کی ہے کہ ایک عرب قبیلہ میں دس بھائیوں کی ایک بہن تھی۔ انہوں نے بہن سے کہا ہم جو کچھ کما کر لائیں گے تیرے ہاتھ پر رکھ دیں گے بشرطیکہ تو شادی وادی کا خیال نہیں کرے گی۔ اس نے قبول کرلیا اور بلا شادی کیئے زندگی گزارنا شروع کردی۔

ایک مرتبہ جب وہ ایام ماہواری سے فارغ ہوئی اور اپنے گھر کے قریب قبیلہ کے تالاب میں غسل کرنے گئی تو اسے پتہ نہ چلا اور جونک اس کے رحم میں داخل ہوگئی۔

کچھ دنوں بعد اس کا پیٹ پھول گیا۔ بھائیوں نے سمجھا کہ ہماری بہن نے خیانت کی ہے۔ کچھ نے تو کہا کہ اسے چپکے سے قتل کردیتے ہیں اور کچھ بھائیوں نے کہا ہمیں اسے حضرت علیؑ کے سپرد کردینا چاہیئے تاکہ اس کو اپنے جرم کی سزا مل جائے اور اس جیسی دوسری بدکار بہنوں کو عبرت حاصل ہو۔ سب رضامند ہوگئے اور اسے

حضرت علیؑ کے پاس لے آئے۔

انہوں نے حضرت علیؑ کو تمام واقعہ سنایا۔ حضرت علیؑ نے جونک کے بچوں سے بھرا ہوا ایک طشت منگوایا اور اس لڑکی کو اس میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب پیٹ کے اندر جونک نے بچوں کی بو سونگھی تو وہ رحم سے باہر آ گئی۔ یہ دیکھ کر وہ سب بھائی کہنے لگے۔ **یاعلیؑ انت ربنا العلی انک تعلم الغیب**" (اے علیؑ تو ہی ہمارا عالم الغیب رب ہے) حضرت علیؑ نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا۔ خبردار ایسی بکواس پھر کبھی نہ کرنا۔ مجھے میرے آقا نے بتادیا تھا کہ یہ واقعہ فلاں سال کے فلاں ماہ میں فلاں دن اور فلاں وقت پیش آئے گا۔ (الدمعتہ الساکبہ جلد اول مولف آقائے محمد باقر دہشتی بہبہانی نجفی صفحہ ۲۸۲)

(۱۴) کنواری حاملہ

بحار میں عمار یاسر اور زید بن ارقم سے اسی طرح کا واقعہ درج ہے کہ سترہ صفر سوموار کا دن تھا ہم مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ باہر شور اٹھا' ایک نوجوان لڑکی فریاد کر رہی تھی کہ اس کی مصیبت دور کی جائے۔ لوگ تلوار لئے قتل کرنے کے درپے تھے۔ قیس بن عفریس نے کہا کہ وہ زندہ رہے یا ڈوب مرے کہ اس کی لڑکی کنواری ہے اور حاملہ ہو گئی۔

حضرت علیؑ نے کوفہ سے دائی کو بلوایا۔ جس نے کہا کہ کنواری ہے اور پیٹ میں بچہ بھی پرورش پا رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ برف کا ٹکڑا چاہئے تو کہا گیا کہ برف ملنے کی جگہ دو سو پچاس فرسخ ہے۔ آپؑ نے منبر کوفہ سے سوئے شام ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ واپس لائے تو برف کا ٹکڑا تھا۔ آپ نے دائی سے فرمایا کہ اس لڑکی کو بیرونِ مسجد لے جا اور برف کے

ٹکڑے پر بٹھا۔ کچھ دیر بعد لڑکی کے رحم سے جونک طشت میں ٹپک پڑی۔ لڑکی اور لڑکی کا باپ حضرت علیؑ کے قدموں پر گر کر بوسہ دینے لگے۔

آپؑ نے فرمایا کہ جب لڑکی دس برس کی تھی بستی کے فلاں تالاب میں نہانے گئی جونک رحم میں داخل ہوگئی تھی اور اسے پتہ نہ چلا۔ لڑکی پاکدامن ہے کوئی زنا نہیں کیا۔

ابوالنصب نے کہا میں گواہی دیتا ہوں ۔۔۔۔آپؑ دین کے ستون ہیں۔ (الدمعتہ الساکبہ جلد اول صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۳)

(۱۵) بچہ کی میراث

مدینہ میں ایک بچہ نے حضرت عمرؓ سے اپنے باپ کا مطالبہ کیا اور اس نے بتایا کہ میں مدینہ میں ہوں اور میرا باپ کوفہ میں فوت ہوا ہے۔ عمرؓ نے بچے کو جھڑکا اور کہا تیرا دماغ خراب ہے۔ کوفہ میں مرنے والا تیرا باپ کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ وہ اتنا بوڑھا تھا کہ قابل اولاد بھی نہ تھا۔ بچہ روتا ہوا واپس ہوا راستے میں حضرت علیؑ مل گئے۔ فیصلہ کے لئے مسجد لے گئے۔ آپؑ نے پوچھا بچے کے والد کی قبر کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ مدینہ میں ہے۔ بچے کو قبر پر لے گئے قبر کھلوا کر ایک پسلی کی ہڈی لائی گئی۔ حضرت نے بچے کو سونگھنے کو دی جیسے ہی اس نے سونگھا ناک سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔

آپؑ نے فرمایا کہ یہی میت اس کے واقعی باپ کی ہے اس کا ترکہ اسے دے دو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہڈی سونگھنے سے خون آجائے اور ہم ترکہ اس کے حوالے کر دیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہی ہڈی دوسروں کو سونگھاؤ کسی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک مرتبہ پھر بچہ کو سونگھائی تو پھر خون ابل پڑا۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر یہ صرف اس بچے کا باپ نہ ہوتا تو دوسروں کو سونگھنے سے خون کیوں نہیں آتا چنانچہ

حضرت عمرؓ نے تمام ترکہ بچے کو دے دیا۔ (الدمتہ الساکبہ جلد اول صفحہ ۲۸۷ تا ۲۸۸)

(۱۶) اصلی اور نقلی کی پہچان

حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں دو عورتیں ایک بچہ کی دعویدار تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی طرف رجوع کیا۔ حضرت علیؑ نے ایک آری لانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر حضرت علیؑ نے بتایا کہ اس بچے کے دو حصے کر کے دونوں عورتوں میں بانٹ دیئے جائیں۔

ان عورتوں نے جب یہ سنا تو ایک بول اٹھی کہ خدا کے لئے ایسا نہ کیجئے۔ سالم بچہ دوسری کو دے دیا جائے۔ دوسری عورت خاموش رہی۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بچہ پہلی عورت ہی کا ہے۔ اگر دوسری کا ہوتا تو وہ بھی ماں کی ممتا سے تڑپ اٹھتی۔ یہ سن کر دوسری عورت نے اقرار کر لیا کہ واقعہ یہ بچہ میرا نہیں۔ (ارجح المطالب صفحہ ۲۸)

نشرِ علوم محمدیؐ

پیغمبرؐ اسلام کے بعد حضرت علیؑ ہی کی وہ تنہا ذات تھی جس نے نہ بیعت کی نہ اطاعت کی نہ حکومت کے معاملات میں کوئی مداخلت کی۔ غدیرخم میں رسولؐ خدا کی طرف سے اعلانِ ولایتِ علیؑ اور منجانب اللہ بذریعہ وحی دین کے کامل ہونے کا اعلان بھی سب ہی نے سنا تھا لیکن دنیاوی خلافت حضرت ابوبکرؓ کو ملی۔ سعد بن عبادہ کے بارے میں بشیر بن سعد کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے جہاں بغیر بیعت کئے سعد بن عبادہ کو چھوڑا گیا وہاں حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو بھی بیعت کے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح حضرت علیؑ کے ساتھ بنی ہاشم اور اکابر صحابہ سیاست اور حکومت سے کنارہ کش ہو گئے۔ تاریخ کہتی ہے کہ ''حضرت ابوبکرؓ نے بنی ہاشم اور بعض اکابر صحابہ کو جن سے انہیں اطمینان نہیں تھا پابند مدینہ کر دیا۔ بنی ہاشم تمام عرب میں مقبول تھے۔ علم ان کا حصہ، شجاعت اور اخلاقِ فاضلہ ان کی میراث تھے۔ تمام عرب میں وہ اپنے بلند اوصاف سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ باہر جا کے آسانی سے اپنے موافق فضا پیدا کر سکتے تھے۔ انہوں نے اسلام قائم کیا تھا، اسلام پھیلایا اور اس وقت جو کچھ موجود تھا

وہ ان کا بنایا ہوا تھا وہ اپنے کو اس کا وارث اور مالک سمجھتے تھے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ باہر جا کر اپنی صلاحیتوں سے کام نہ لیتے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتے اور لوگ ان کی حمایت نہ کرتے لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے انہیں نہ کوئی عہدہ دیا نہ مدینے سے باہر جانے دیا۔ اس کے باوجود علیؑ بحیثیت امام خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ رسولِ اکرمؐ نے جن فتنوں کے درخت کو کاٹ دیا تھا اس کی جڑوں سے دوبارہ جنگ و جدل، جبر و تشدد، قتل و خونریزی، نسلی امتیاز، طبقاتی تقسیم اور معاشرہ کی مہلک شاخیں ہری ہوں۔ چنانچہ انہوں نے رسولؐ اللہ کی تحریکِ علمی کو آگے بڑھانا شروع کر دیا کہ علم ہی وہ کرن ہے جو نہ صرف ذہنوں کی تاریکی دور کرتی ہے بلکہ دین و دنیا کے استحکام کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔

اسپرٹ آف اسلام میں صفحہ ۴۷ پر سید امیر علی مرحوم نے لکھا ہے کہ: ''جس زمانہ میں اسلام دور دراز ممالک میں پھیل رہا تھا علیؑ مدینہ میں ابھرتی ہوئی قوم کی دماغی قوت کو بڑھا رہے تھے، مدینہ کی جامع مسجد میں علیؑ اور ان کے عم زاد بھائی و شاگرد عبداللہ بن عباسؓ ہفتہ وار فلسفہ، منطق، فصاحت و بلاغت، حدیث و فقہ پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ یہ ابتدا تھی اس دماغی تحریک کی جس نے بعد میں بہت زور و شور کے ساتھ بغداد میں ظہور کیا۔''

جہل مٹانا حضرت علیؑ اپنا فرض سمجھتے تھے

اپنے پچیس سالہ صبر آزما دور میں حضرت علیؑ کی جنگ جہل کے عفریت سے تھی جس کو مٹانے کی دعوت نہ صرف قرآن دے رہا تھا بلکہ رسولؐ اللہ نے بھی اس سلسلے میں اقدامات کیے تھے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ حکومتِ وقت نے بجز اسلامی سرحدوں کو

وسعت دینے کے اس طرف کوئی مفید اقدام نہ کیا تھا بلکہ دیکھنے میں یہ آرہا تھا کہ حضرت علیؑ اس دور میں بھی جبکہ آپ ایک عام شہری کی حیثیت سے مدینہ میں رہتے تھے اشاعتِ علم میں مصروف رہے۔

فقہ اسلامی کی پہلی کتاب

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ اسلامی کی پہلی کتاب جو تعلیمات واحکام نبویؐ پر مشتمل تھی اور ایک پوست پر لکھی ہوئی تھی وہ حضرت علیؑ کی تالیف وتدوین تھی جو آپؑ نے سب کو دکھلائی تھی اور اس میں دیت کے احکام بھی تھے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ توریت وانجیل پر بھی حاوی تھے۔

رسولؐ کی تحریکِ علمی کو آگے بڑھایا

منہاج نہج البلاغہ میں سید سبط الحسن ہنسوی نے صفحہ ۱۵ پر متعدد حوالوں سے درج کیا ہے کہ رسولؐ اللہ کی تحریک علمی کو بڑھاتے ہوئے دنیا سے جہل ونادانی کو دور کیا۔ آپ نے علوم ومعارف کی اشاعت کی، تعقل وتفکر پر زور دیا، تحقیق وتنقید کے دروازوں کو کھولا، آپ ہی نے عقل کی رہبری کے ساتھ شریعت پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دی، آپ کے اقوال وخطابات ورسائل اس بیان پر دلیل ہیں، آپ کی تقریروں و خطبوں سے عربوں میں علمی بیداری پیدا ہوئی، عربوں کی بول چال کو زندہ علمی زبان بنانے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے اور آپ ہی نے سب سے پہلے عربی علم نحو وقواعد زبان کی ایجاد کی اور اس کے اصول وقواعد کو اپنے مشہور شاگرد(۱) ابوالاسود دئلی

۱۔ تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی، کتاب الاوائل ابوہلال العسکری، اصابہ ابن حجر عقلانی، ارشاد القاصد البخاری، کتاب المزہر السیوطی، ترجمہ علی بن ابی طالب احمد ذکی صفوت وغیرہ۔

البصری کو نہ صرف زبانی تعلیم دی بلکہ لکھوا بھی دیا اور اس کے بعد ان کو لسانی تحقیقات کے لئے مقرر فرما کر مستقل ایک کتاب لکھنے پر مامور فرمایا۔"

عربی زبان کو زندگی اور علمی مرتبہ دیا

کتاب المزہر سیوطی جلد دوم صفحہ ۲۰۰ طبع مصر کے حوالے سے ابوالاسود دئلی کو امیر المومنین سے بہت فیض پہنچا' جس کی وجہ سے وہ ماہر لسانیات تھے اور تمام لوگوں سے کلام عرب کے سب سے بڑے عالم اور لغت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس میں بات چیت کرتے تھے۔

قواعد عربیہ کی ایجاد سے حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے عربوں اور ان کی زبان کو حیاتِ جاودانی بخشی' اس کا اقرار خود ابوالاسود کو بھی تھا جنہوں نے امیر المومنینؑ سے یہ عرض کیا تھا "ہم عربوں کو آپ نے زندہ کر دیا اور ہماری زبان کو آپ نے بقائے دوام بخشا۔"(۱)

سبط الحسن صاحب ہی کی تحقیق ہے کہ حضرت علیؑ نے زبانِ عرب میں نہ صرف بہت سے الفاظ وکلمات' تراکیب' محاورات وضرب الامثال کا اضافہ فرمایا بلکہ غیر زبان کے الفاظ کو بھی عربی میں شامل کرنے کا عملی ثبوت دیا۔ ایک مرتبہ مشہور قاضی شریح سے حضرت نے کچھ دریافت فرمایا۔ قاضی نے صحیح جواب دیا' حضرت نے بجائے "اصبت" یا "جید" ارشاد فرمانے کے اسی کے ہم معنی رومی زبان کے لفظ کو استعمال فرمایا "قانون" یعنی درست ہے (کتاب المزہر السیوطی جلد اول ص ۱۳۴ طبع مصر وغیرہ) اسی وجہ سے اہل لغت اس لفظ کو ذکر کرنے پر مجبور ہوئے (قاموس جلد رابع)

ا۔ "منہاج نہج بلاغہ" سید سبط الحسن النہوی صفحہ ۱۵ بحوالہ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۰ طبع مصر وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ قاضی شریح بن حارث بن قیس الکندی الکوفی خالص عرب تھے اور ان کی زبان بھی عربی تھی۔ ان سے گفتگو کرنے میں امیر المومنین کا غیر عربی رومی لفظ استعمال کرنا اس امر کو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ حضرتؑ کا رجحان غیر عرب الفاظ استعمال کرنے میں وہی تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی ''طور' صراط' فردوس' مشکاۃ' تنور' سراب وغیرہ جیسے غیر عربی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کا علم قرآن کے علاوہ دوسرے علوم پر بھی حاوی تھا جس کی تعلیم وہ عوام کو دے رہے تھے۔

تحریک علمی

حضرت علیؑ اپنی پچیس سالہ خاموشی کے دور میں بھی اپنے شاگردوں کو علم وادب کی تصنیف وتالیف کی تربیت دیتے رہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ایک جاہل جنگجو سپاہی بنادیا جائے بلکہ ان کے عمل سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو دولتِ دین کے مالک ہونے کے ساتھ علم وحکمت کا سرمایہ دار بھی بنانا چاہتے تھے۔ اس دور کی تحریکِ علمی کا ہی نتیجہ ہے کہ علم کو وسعت ملتی رہی اور تحریکِ علمی کے سربراہ ہمیشہ انہی کے چشم و چراغ میں سے ہوتے رہے۔ آپ کے پوتے چھٹے امام جعفر صادقؑ کا حلقۂ تعلیم وتدریس اور تحقیق اتنا وسیع تھا کہ ان کا مدرسہ بڑی یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا جس میں بیک وقت کم سے کم چار ہزار دانش جو مختلف علاقوں کے زیر تعلیم ہوا کرتے تھے۔ یہاں سے بڑے علماء' جید فقہاء اور نامور مفکر فارغ التحصیل ہوئے۔ جہاں یحییٰ بن سعید انصاری' سفیان ثوری' سفیان بن عینیہ' امام مالک' امام ابوحنیفہ جیسے اکابرین نے فیض حاصل کیا وہاں آپ کے مشہور شاگردوں میں امام الکیمیا جابر بن

حیان کوفی بھی تھے جو عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ جابر بن حیان نے ایسی مفصل کتاب لکھی تھی جس میں امام عالی مقام کے کیمیا پر پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔(۱)

یہ سب اسی تحریکِ علمی کا نتیجہ ہے جو حضرت علیؑ نے شروع کی تھی اور اس کے بعد جس کی سربراہی ان کے بیٹے حضرت امام حسینؑ سے آگے بڑھتی ہوئی امام آخر تک پہنچی۔

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور میں خدا کی کتاب کا عالم ہوں اور اس کتاب میں ابتدائے خلق سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب موجود ہے' اس میں آسمان کی خبر بھی ہے اور زمین کی بھی' جنت کی خبر بھی ہے اور جہنم کی بھی اور جو کچھ گزر چکا ہے اس کی بھی اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کی بھی خبر ہے۔ میں ان سب چیزوں کو اس طرح جانتا ہوں جیسے میں اپنی ہتھیلی پر نظر کر لوں۔ خداوند عالم نے بالتحقیق فرمایا ہے کہ اس قرآن میں کل شے کا بیان موجود ہے۔''(۲)

دولت دین و نور علم سے ساری دنیا کو مالا مال و منور کرنے کا سلسلہ جو حضرت علیؑ نے اپنے صبر آزما دور سے شروع کیا تھا وہ سلسلہ انہی کی ذریت سے تا قیامت جاری رہے گا۔ فائدہ اٹھانا نہ اٹھانا امت کا کام ہے۔

مقصد براری کے لئے جدید شہر چاہتے تھے

حضرت علیؑ کو تجربہ تھا کہ مقدس شہر کے باشندوں نے حضرتؑ کی اس تحریک سے

۱۔ ''سپر مین ان اسلام'' امام جعفر صادق علیہ السلام۔ تحقیق ۲۵ محققین مستشرقین (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۱۔

۲۔ ''کافی'' صفحہ ۳۵۔ مندرجہ اردو ترجمہ ''حقائق الوسائط'' جلد اول از علامہ محمد بشیر انصاری صفحہ ۱۶۷۔

اتنی دلچسپی نہ لی جتنی وہ چاہتے تھے' خلیفہ سوم کے بعد اس شہر میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار رہتے تھے وہ کیونکر حضرت علیؑ کی اس تحریک علمی میں حضرت کے معین و مددگار بن سکتے تھے' ان کے اور حضرت علیؑ کے نصب العین اور نظریہ میں بڑا فرق تھا' اس لئے حضرت علیؑ نے ایک ایسے شہر کو اپنا مرکز بنایا جہاں سے آپ بیک وقت ہر دو لڑائیوں کو لڑ سکتے تھے' تبلیغ فکر و دانش اور تعلیم علم و فنون کے لئے بھی نوجوانوں کی ضرورت تھی اور دشمن سے حرب و ضرب کے لئے بھی' چنانچہ حضرت نے ایسے مقام کو تبلیغ فکر و دانش و تعلیم علم و فنون کا مرکز اور اپنا معسکر (کنٹونمنٹ) قرار دیا جہاں کی اکثریت اقتصادی و معاشرتی حیثیت سے دکھی اور ستائی ہوئی ضرور تھی لیکن وہ سرزمین بابل و نینوٰی کی قدیم ترین تہذیب کا گہوارہ تھی جہاں بادشاہِ عرب نعمان بن المنذر نے عربی ادبیات و اشعار کو سپردِ زمین کر کے محفوظ کیا تھا۔ (المزہر سیوطی) جہاں ایرانی تہذیب و تمدن کے گہرے نشانات نمایاں تھے اور حوالی اور عجمیوں کی نو آبادیات تھیں۔(۱)

فقہ اسلامی میں ایک اہم باب کا اضافہ

حضرت علیؑ نے جس فقہ اسلامی کے باب کا اضافہ کیا وہ ''باغیانِ حکومت اسلامی'' کے متعلق احکام ہیں۔ بقول امام ابوحنیفہؒ آنحضرتؐ کے خلاف بغاوت کرنے والے تو کافر تھے البتہ جو مسلمان اپنے امام اور اپنی حکومت کے خلاف باغی ہوں ان سے کیا سلوک کیا جائے یہ ہم کو حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت و حکومت سے معلوم

۱۔ ماخوذ ''منہاج نہج البلاغہ'' سید سبط الحسن ہنسوی صفحہ ۱۶ ادارالنشر للمعارف الاسلامیہ لکھنو۔

ہوا۔(۱)

اس طرح حضرت علیؑ کارِ رسالت انجام دینے میں خلافت نہ ملنے اور پھر ملنے کے بعد بھی کبھی خاموش نہیں بیٹھے اور امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۔"باب مدینۃ العلم کا فیض آج بھی جاری وساری ہے" ضیاء الحسن موسوی "روزنامہ جنگ۔ یوم علی ایڈیشن ۱۹۷۴ء۔

خلافت حضرت علیؑ

اسلامی کردار پر کچھ لکھنے میں نہ احساسات کام دیتے ہیں نہ جذبات' نہ تجربات سہارا دیتے ہیں نہ خیالات۔ بس حقیقت نگاری اور رواداری ہی اسلامی تہذیب اور تاریخ کی اساس ہے اور اسی سے یکجہتی حاصل ہوتی ہے۔ رواداری ہی لکھنے اور پڑھنے والوں کا باہمی احترام ہے اور اس باہمی احترام کی کوکھ سے وسیع النظری جنم لیتی ہے۔ یہ رواداری مسلسل ختم ہوتی جارہی ہے جو وسیع النظری' باہمی احترام اور اپنی روایات کے تسلسل کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہے۔ سود وزیاں کی فکر' اجتماعی سود وزیاں کا مفہوم ہوتا ہے۔ دوسرے کے وجود کا نہ برداشت کرنا اور رنگارنگی کو یک رنگی میں بدلنا ناانصافی اور معاندانہ رویہ کہلاتا ہے۔ کسی اسلامی کردار پر لکھنے کے لئے ادبی شعور کا ہونا لائق تحسین ہے۔ مورخ یا مولف کو اسے اپنے تمام تر احساس ذمہ داری کے ساتھ شخصیت کے اصل خدوخال پیش کرنا چاہئے۔ اسے تحقیق و تصدیق سے کام لینا چاہئے اور کمزور حوالوں اور سنی سنائی باتوں پر ہی تحریر کی بنیاد نہ قائم کرنا چاہئے۔ اگر مصنف یا مولف واقعات کو تعصب کی عینک سے دیکھتا ہے اور مصلحت کی روشنائی استعمال کرتا ہے تو وہ

سب کچھ ہوسکتا ہے ایک غیر جانبدار مورخ یا مولف نہیں ہوسکتا۔

اسلام نے ایسے بے شمار باصلاحیت افراد پیدا کئے ہیں جو اپنی خدمات' صلاحیتوں اور قربانیوں کی وجہ سے قوم کے آئیڈیل بن گئے ہیں۔ ہر دور میں اولیائے خدا کی تاریخ میں مخصوص امتیازات وخصوصیات ملتی ہیں۔ اللہ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ماضی' حال اور مستقبل کے تمام حالات اور واقعات کی نشاندہی کی ہے جہاں زیر زمین دفن ہونے والوں کی بے راہ روی کا تذکرہ ہے وہیں بامقصد زندگی گزارنے والوں کی زندگی کے امتیازی کردار کو بھی نمایاں کیا گیا ہے لیکن ان حقائق کو سامنے لانے میں تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کا ایک دردناک پہلو یہ ہے کہ کہیں کہیں اپنے مخصوص ذوق کی تسکین کے لئے مخصوص نظریات کے تحت نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ اختلافی واقعات بیان کرکے مذہبی بدذوقی کو سامنے لایا گیا ہے۔ بقول ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ''دنیا کبھی اس اصول کو نہیں مان سکتی اور دنیا کیا خود مسلمانوں کی موجودہ نسلیں بھی اس بات کو ہرگز قبول نہ کریں گی کہ ہمارے بزرگوں کی جو خوبیاں یہ تاریخیں بیان کرتی ہیں وہ تو سب صحیح ہیں مگر جو کمزوریاں یہی کتابیں پیش کرتی ہیں وہ سب غلط ہیں۔'' (خلافت وملوکیت)

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت علیؑ جیسے کل ایمان کی خلافت سمجھنے کیلئے چند حقائق کا جاننا ضروری ہے۔

اسلام کی چوتھی خلافت

میں تاریخ کا طالب علم نہ ہوتے ہوئے تاریخ پڑھنے کا شوق رکھتا ہوں لیکن پڑھ کر بیان کرنے میں نہ امتیازی سلوک کا قائل ہوں اور نہ اسے عقیدے کے ترازو

میں تولتا ہوں۔ میں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ رسولؐ اللہ نے غدیر خم میں اللہ کی طرف سے اپنے بعد حضرت علیؑ کے وصی اور خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ رحلت رسولؐ کے بعد کی تاریخوں میں ملتا ہے کہ آنحضرتؐ نے خلافت کے لئے کسی کو نامزد نہیں کیا اور وصیت نہیں فرمائی۔ خلافت کا انتخاب عوام نے کیا جس میں حضرت علیؑ چوتھے نمبر پر تھے۔ حضرت علیؑ ہر خلیفہ کے اعلان پر اپنی حق تلفی کا اعلان بھی کرتے رہے اور بحیثیت چوتھے خلیفہ حکومت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ غدیر خم میں اوّل وصی رسولؐ کہے جانے کے باوجود حضرت علیؑ دنیا میں چوتھے خلیفہ قرار پائے جبکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اسلامی خلفاء میں بھی حضرت علیؑ چوتھے خلیفہ تھے۔

شیخ صدوق رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی اسناد سے امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا۔ امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ مدینہ کے ایک راستہ پر چل رہا تھا کہ ایک طویل القامت گھنی داڑھی والے اور چوڑے شانوں والے بزرگ ہمیں ملے اور انہوں نے رسولؐ خدا پر سلام کیا اور آنحضرت کو خوش آمدید کہا۔ پھر وہ بزرگ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: السلام علیک یا رابع الخلفاء و رحمة اللّٰه و برکاتہ (چوتھے خلیفہ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں) پھر اس نے رسولؐ خدا سے کہا کہ یا رسولؐ اللہ! کیا یہ چوتھا خلیفہ نہیں ہے؟

رسولؐ اکرم نے فرمایا: جی ہاں۔

پھر وہ بزرگ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے رسولؐ خدا سے عرض کی یہ بزرگ کیا کہہ رہے تھے اور آپ نے کس بات کی تصدیق کی؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: حقیقت یہی ہے کہ تم چوتھے خلیفہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب میں فرمایا ہے:انی جاعل فی الارض خلیفة (میں زمین پر اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں)

ان الفاظ کے ذریعہ سے حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان کیا گیا لہذا پہلی خلافت حضرت آدمؑ کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تھا:اخلفنی فی قومی و اصلح (میری قوم میں میرا خلیفہ بن جا اور اصلاح کر)

لہذا دوسری خلافت ہارون علیہ السلام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیسرے خلیفہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا:یاداؤد انا جعلنک خلیفه فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔) لہذا تیسری خلافت حضرت داؤد علیہ السلام کی ہے۔

ان تین خلفاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:واذان من الله و رسوله الی الناس یوم الحج الاکبر (حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان کیا جاتا ہے) اور خدا اور اس کے رسولؐ کے اعلان کرنے والے تم ہو اور تم ہی میرے وصی اور وزیر اور میرے قرض چکانے والے اور میری طرف سے دین پہنچانے والے ہو اور تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

جیسا کہ اس بزرگ نے کہا ہے کہ تم چوتھے خلیفہ ہو اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ بزرگ کون تھے؟

میں نے کہا نہیں! مجھے معلوم نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: پھر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تمہارے بھائی خضر علیہ

السلام تھے۔(۱)

اس طرح امام ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ اللہ کے مقرر کردہ چوتھے اسلامی خلیفہ بھی تھے۔

موضوع کے اعتبار سے تو ہماری گفتگو حضرت عثمانؓ کے دور تک آ کر ختم ہو جاتی ہے لیکن تاریخ میں درج خلفاء کی تاریخ بغیر حضرت علیؑ کی خلافت کا ذکر کیے مکمل نہیں ہوتی۔ مجھے اس سلسلے کی بعض روایتیں ایسی ملیں جن میں حقائق سے انحراف ہے اور ان میں سے چند کا ذکر پچھلے اوراق میں آ چکا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کوئی مورخ یا مولف تاریخ کو درست سمت پر لے جانا چاہے تو اس پر اعتراضات شروع ہو جاتے ہیں اور اسے صفائیاں پیش کرنا پڑتی ہیں۔

مودودی صاحب نے جب حقائق نویسی پر عمل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی غلطیوں پر روشنی ڈالی اور خلافت و ملوکیت میں یہ لکھا کہ حضرت عثمانؓ کی غلطیوں کا ''خمیازہ آخرکار حضرت علیؑ کو بھگتنا پڑا'' (صفحہ ۱۱۵) یا یہ کہ میں ''ا لصحابہ کلھم عدول '' (صحابہ سب راست باز ہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہؓ بے خطا تھے اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا' اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔'' (صفحہ ۳۰۳) یا امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے مستند حوالوں سے یہ لکھا کہ ''جو امام فَے (یعنی پبلک کے خزانے) کا ناجائز استعمال کرے' یا حکم میں ظلم سے کام لے اس کی امامت باطل ہے اور اس کا حکم جائز نہیں ہے۔'' (صفحہ ۲۵۴) یا الشہرستانی کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہیں کہ ''حضرت علیؑ وہ شخص

۱۔عیون اخبار الرضا' ج دوم' ص ۹' ''معجزات آل محمدؐ جلد اول' علامہ سید ہاشم البحرانی۔ص ۳۸۷۔۳۸۸۔

ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد امام نامزد کیا تھا اور وہ بر بنائے نص امام تھے۔'' (صفحہ ۲۱۲) وغیرہ وغیرہ تو انہیں یہ بھی لکھنا پڑا کہ ''معترض حضرات نے مجھ پر اس شبہ کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ میں حضرت علیؓ کی بیجا وکالت کر رہا ہوں۔'' (صفحہ ۳۴۷) گویا حقیقت نگاری باعث الزام بھی بنتی ہے۔ معترضین کی یہ سوچ تھی کہ مودودی صاحب کو ایسا نہیں لکھنا چاہئے۔

میں خلفائے ثلاثہ کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت پر بھی کوئی تاریخ نہیں لکھ رہا صرف چند واقعات کا ذکر موضوع کی مناسبت سے درج کر رہا ہوں جس میں اپنی تمام ذمہ داری کے ساتھ تاریخی حوالے دے کر غیر جانبدار رہنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی ہے۔

خلافت علیؑ کی بیعت

جیسا کہ پچھلے اوراق میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی غلط سوچ نے مروان کو باغیوں کو نہ دے کر مروان کو تو بچا لیا لیکن خود کو نہ بچا سکے۔ دو ہزار کے لگ بھگ شورشی دارالخلافہ پر مسلط ہو گئے ایک خونی انقلاب تھا جس کی فضا میں خوف و وحشت کا بازار گرم تھا۔ کئی دن مدینہ میں سناٹا رہا۔ رفتہ رفتہ خوف و ہراس کے بادل قدرے چھٹے تو ہوش وحواس قابو میں آئے اور لوگوں کو مملکت اسلامیہ کے سردار بنانے کی فکر ہوئی۔ اس کثرت سے موجود لوگوں میں صرف مدینہ ہی کے باشندے نہ تھے بلکہ صوبہ مصر، صوبہ کوفہ اور صوبہ بصرہ کے خواص وعوام بھی تھے۔ کسی نے یہ سچ کہا ہے کہ:
بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے۔

رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی کتنے طوفان آئے۔ خلافت کا مسئلہ جسے سقیفہ بن

ساعدہ کی مجلس میں طے کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور فتنوں نے سر اٹھایا۔ مدعیان نبوت پیدا ہوئے' نامساعد حالت میں قبائلی سرداروں نے بغاوت کر کے اسلام کا وجود ہی خطرے میں ڈال دیا۔ آج پھر ایک بار حضرت عثمانؓ کے خلاف طوفان اٹھا جوان کے قتل تک پہنچ گیا۔

کاش حضرت عثمانؓ حضرت علی علیہ السلام کے مشورے پر عمل کرتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ تاریخ میں ہے کہ پانی بند ہونے پر اپنے بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ سے پانی بھی بھجوایا لیکن کوئی مدد کام نہ آئی۔ مسجد کے بام و در گونج اٹھے کہ ہمیں حضرت علیؑ کی خلافت چاہیئے۔ حضرت علیؑ کا دروازہ جو رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی بند رکھنے پر مجبور کیا جاتا تھا' قرب و جوار میں سناٹا چھایا رہتا تھا آج وہاں مجمع ہی مجمع تھا۔ جس خلافت کا دروازہ ان کے لئے بند کر دیا گیا تھا آج ان کی خلافت قبول کرنے کے لئے نعرے بلند تھے۔

علیؑ دراصل اپنے وقت کی سطح سے اتنا بلند تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے بعد لوگ ان کی عظمت اور انفرادیت کی تاب نہ لا سکے اور وہ تنہا کر دیئے گئے تھے۔ ان کی عظمت ہی لوگوں کے لئے باعث حسد و عداوت تھی۔ کیا اپنے جائز حق سے محرومی کے بعد خلافت قبول کرنے کے نعروں میں پوشیدہ گزشتہ ادوار کے واقعات ابھر کر سامنے نہ آگئے ہوں گے۔ کیا زمانے نے یہ نہ سوچا ہوگا کہ قرآن مجید کے پارہ ۲۰ رکوع ۱۰/ ۷ میں موجود خلیفہ اور جانشین بنانے کا حق صرف خداوند کریم کو ہے اور ''خدا نے رسول کریمؐ کا جانشین حضرت علیؑ اور ان کی گیارہ اولادوں کو مقرر فرمایا (ینابیع المودۃ۔ ص۹۳) جس کا سنگ بنیاد دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رکھا اور آیت ولایت اور واقعۂ تبوک (صحیح ج ۲۔ ص۲۷۲) سے استحکام پیدا کیا تھا پھر ''اذا فــــرغـــت

فانصب '' سے حکم کے نفاذ کا فرمان جاری فرمایا اور آیۂ بلغ کے ذریعہ سے اعلان عام کا حکم نافذ فرمایا'' خلافت ملنا تو الگ بات تھی الٹا انہی سے بیعت کا مطالبہ ہوا تھا اور ۲۵ برس بعد کیا اب حقِ خلافت جمہور کی سمجھ میں آیا۔

نہیں حق خلافت نہیں بلکہ اب اسلام کی اصل ضرورتوں اور بقا کا سوال تھا۔ بار بار عوام کے اصرار پر حضرت علیؑ نے بیعت قبول کرنے کی درخواست پر جواب دیا: '' مجھے تمہاری حکومت کی کوئی حاجت نہیں' میں تمہارے ساتھ ہوں' تم جسے چاہو چن لو' میں بھی اسی پر راضی ہوں (لیکن) مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کسی کو ڈھونڈھ لو۔ میرے سامنے وہ معاملہ ہے جس کے بہت سے رخ اور بہت سے رنگ ہیں' نہ ہمارے دل اس کو برداشت کر سکتے ہیں نہ ہماری عقلیں اسے قبول کریں گی۔''

مجمع کا اصرار جب بڑھتا گیا اور اس منزل تک نوبت پہنچی کہ حضرت علیؑ کے در سے کوئی سائل واپس نہیں ہوا تو حضرت علیؑ نے ایک امید افزا بات کہی۔

'' ایک رات اور سوچ لو۔ اگر خلافت قبول کیے بغیر گلوخلاصی نہیں تو میری بیعت خفیہ نہیں ہوگی۔ کل صبح مجمع عام میں اور مسجد نبویؐ میں بیعت ہوگی۔''

دوسرے دن حضرت علیؑ کا مسجد نبوی میں شاندار استقبال نعرۂ تکبیر سے ہوا۔ سب نے مل کر اعلان کیا کہ '' ہم خدا کی کتاب پر آپ کی بیعت کرتے ہیں۔''

حضرت علیؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ:

'' اللهم اشهد '' (خداوندتو ان پر گواہ رہنا)

لوگ جس انداز میں بیعت کے لئے ٹوٹے پڑ رہے تھے اس کے متعلق حضرت علیؑ کا تاریخ میں بیان اس طرح ہے کہ:

'' وہ اس طرح بے تحاشا میری طرف لپکے جس طرح پانی پینے کے دن

اونٹ ایک دوسرے پر ٹوٹتے ہیں کہ جنہیں ان کے ساربان نے پیروں کے بندھن کھول کر کھلا چھوڑ دیا ہو۔ یہاں تک کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہونے لگا کہ یا تو یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے یا میرے سامنے ان میں سے کوئی کسی کا خون کر دے گا۔" (نہج البلاغہ)

امامت اور انتخابِ خلافت

حضرت علیؑ کی خلافت پر گفتگو کرنے کے لئے ان کی پچیس سالہ خاموشی کے ابتدائی دور میں واپس چلنا ہوگا جب رسول اکرمؐ اپنی رحلت سے قبل نہ صرف رسولؐ تھے بلکہ امام اور خلیفہ بھی تھے۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ رسالت تو آنحضرتؐ کی رحلت کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی لیکن امامت منجانب اللہ حضرت علیؑ کے پاس محفوظ تھی جس کی تصدیق رسولؐ نے کر دی تھی (تفصیل میں حوالے بھی درج ہیں) خلافت بجائے حضرت علیؑ کے خلفائے ثلاثہ کے پاس رہی لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب خلافت حضرت علیؑ کو ملی تو امامت کے ساتھ وہ دنیوی خلافت کے مرتبہ پر بھی فائز ہوئے۔ آج اسلام میں امامت اور خلافت ہی دو بڑے مکاتب فکر اور زاویۂ نگاہ پائے جاتے ہیں۔ ایک فکر اور نظریہ بعض قرآنی آیات کے مطابق امام اور خلیفہ دونوں کو منجانب اللہ ہی قرار دیتا ہے اور کائنات کی ہر شے پر تصرف الٰہی کو ہی حرف آخر مانتا ہے جبکہ دوسری طرف بعدِ نبوت خلافت کو جمہور کا حق تسلیم کرتا ہے اور اس سلسلے میں مختلف احادیث، روایات اور تاریخی واقعات کا سہارا لیتا ہے۔ جہاں خلیفہ لوگ مقرر کرتے ہیں اور یہ مرتبہ جمہور کے انتخاب کی بدولت ہے۔ خلافت، انتخاب اور بیعت سے ثابت ہوتی ہے جس کا ثبوت دوسرے اور تیسرے خلیفہ کو چھوڑ

کر اول اور آخر خلیفہ کا انتخاب ہے۔ ایک مکتبہ فکر کے نزدیک پیغمبرؐ اسلام نے اپنے انتقال سے قبل کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا۔ جبکہ بعض کے نزدیک امام کا انتخاب خدائی انتخاب ہے جس کی مثال علیؑ ہیں اور قرآن میں امام مبین کی وضاحت کرتے ہوئے رسولؐ نے علیؑ کی امامت کو پہنچوایا بھی تھا۔۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں تو جو واقعات یا حادثات پیش آئے حضرت جبرئیلؑ حکم الٰہی لاکر بذریعہ وحی اس کا حل پہنچادیتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دینی مسائل ہوں یا دنیوی اجتماعی مسائل ہوں یا گھریلو رسولؐ وحی کے منتظر رہتے اور پھر وحی کے مطابق اپنا فیصلہ سنادیتے تھے۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد اب کسی رسول کو آنا تھا اور نہ کسی وحی کا نزول ہونا تھا تو پیچیدہ مسائل پر قوانین الٰہی کے مطابق فیصلے کون کرتا۔ یہ بھی نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو لاوارث چھوڑ دیتا۔ شیخ الصدوق نے علل الشرائع (اردو) جلد اول صفحہ ۲۲۶ پر درج کیا ہے کہ:

''میرے والد رحمۃ اللہ نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے سعد بن عبداللہ نے روایت کرتے ہوئے احمد بن محمد بن عیسٰی سے اور انہوں نے محمد بن سنان سے انہوں نے نعمان رازی سے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم اور بشیر وہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کی مدت پوری ہوگئی اور ان کا کھانا پینا منقطع ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے آدم (علیہ السلام) تمہاری نبوت کی مدت پوری ہوچکی ہے تمہارا کھانا پینا منقطع ہے تو اب جو کچھ بھی تمہارے پاس علم وایمان ومیراثِ نبوت وعلمی آثار اور اسمِ اعظم ہے وہ سب اپنی نسل اور اپنی ذریت میں سے ہبۃ اللہ کے سپرد کردو اس لئے کہ میں زمین کو بغیر کسی ایسے عالم کے نہیں چھوڑوں گا کہ جس سے میری اطاعت اور میرا دین معلوم کیا جاسکے تاکہ وہ اطاعت گزاروں کے لئے باعث نجات ہو۔''

جب نبوت کی میراث اپنی نسل اور اپنی ذریت سے قرار پائی تو آخری رسولؐ جو بغیر مرضی رب گفتگو ہی نہ کرتے تھے حضرت علیؑ کو اپنا نائب' امام اور خلیفہ بنا کر گئے تھے جس کا اعلان متعدد بار کیا۔

''معالم العترۃ اردو ترجمہ ینابیع المودۃ'' میں صفحہ ۲۰۸ پر علامہ جلیل شیخ سلیمان حسینی بلخی' قندوزی' حنفی' مفتی اعظم قسطنطنیہ کی تحریر ہے کہ:

> ''حموئی سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ میں دانائی کا شہر ہوں اور تم اس کا دروازہ ہو۔ شہر میں صرف دروازہ سے داخل ہونا پڑتا ہے۔ وہ شخص بالکل جھوٹا ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے حالانکہ وہ تم سے بغض رکھتا ہے۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تیرا گوشت' میرا گوشت' تیرا خون میرا خون' تیری روح' میری روح' تیرا باطن میرا باطن' تیرا ظاہر میرا ظاہر' تم میری امت کے امام ہو اور میرے وصی ہو۔ جس نے تیری اطاعت کی وہ نیک بخت ہو گیا' جس نے تیری نافرمانی کی وہ بد بخت ہو گیا۔ جس نے تجھے دوست رکھا وہ فائدہ میں رہا' جس نے تمہاری نافرمانی کی وہ گھاٹے میں رہا۔ جس نے تمہیں پکڑے رکھا وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے تمہیں چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔ تیری مثال اور تیرے ان فرزندوں کی مثال جو آئمہ ہیں نوحؑ کی کشتی کی مانند ہے جو شخص کشتی نوحؑ پر سوار ہوا تھا نجات پا گیا تھا اور جس نے کشتی کو چھوڑ دیا تھا وہ ہلاک ہو گیا تھا۔ قیامت تک ہم لوگوں کی مثال ستاروں کی مانند ہے جب ایک ستارہ غائب ہو جاتا ہے تو دوسرا ستارہ طلوع کرتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانات کے مطابق حضرت علیؑ امام اور نائب رسولؐ تھے۔ پہلا مسئلہ خلافت کا پیدا ہوا تو اپنے حق کا بار بار اظہار اور اصرار کیا مگر اپنا حق بزورِ شمشیر نہ حاصل کیا بلکہ اسلام کی بقا امامت کی دور اندیشیوں اور الٰہی مصلحتوں کی بنا پر وہ خاموشی کے ساتھ حالات و واقعات کا جائزہ لیتے رہے اور اپنی خاموشی ہی سے مسائلِ دین حل کرتے رہتے۔ خلفائے ثلاثہ ان سے نہ صرف مشورے کرتے بلکہ اسلامی حدود میں فیصلے بھی کروانے لگے اور ان کی عظمت کے قصیدے پڑھتے رہے۔ خلفاء کے جس دور کو سنہرا دورِ حکومت کہا گیا جس میں فتوحات کی ارزانی عمل میں آئی اس میں حضرت علیؑ کی نمائندگی بھی بحیثیت امام شامل رہی۔ تاریخ میں حضرت علیؑ امام بھی ہیں' خلیفہ بھی اور رسولؐ کے عطا کردہ انعامات میں سلونی کا دعویٰ کرنے میں بھی حق بجانب ہیں۔ "یہ علیؑ کی عظیم فضیلت ہے کہ وہ اسرار پیغمبرؐ کے خزینہ دار اور رسولؐ خدا کے تمام علوم کے وارث ہیں۔ اسی بناء پر آنحضرتؐ کے بعد ان مشکلات میں جو اسلامی معاشرے کو پیش آتی تھیں موافق و مخالف سبھی لوگ آپ کی پناہ لیتے اور آپ سے ہی مشکل کا حل چاہتے تھے۔" (تفسیر نمونہ۔ جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۰۵)

خلافت علیؑ پر اعتراض

حضرت علیؑ کی عظمت کو دیکھ کر بعض معترضین کا سامنے آنا انسانی نفسیات کی پیچیدگی ہے۔ ایسے مریض کسی کے بلندی کی معراج پر پہنچنے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر حضرت علیؑ کی جمہور کے مجبور کرنے پر خلافت قبول کرنے میں یہ شرط بھی کھٹکتی ہوگی جس کا اعلان انہوں نے اس طرح کیا تھا کہ: "تم عہد جاہلیت کی طرف جا چکے ہو' میں تم کو عہد نبوت کی طرف دھکیل کر لے جاؤں گا۔ تم مجھ سے عہدہ و منصب اور مال و

دولت کے طلب گار رہو گے اور وہ تمہیں نہیں ملے گا تو تم میری مخالفت کرو گے۔ جس پر بالا تفاق کہا گیا کہ آپ جو کچھ کہیں گے ہم اسے قبول کریں گے۔''

اعتراض کرنے والوں نے پھر بھی اعتراض کر دیا کہ: تمام موجود صحابہ نے بیعت نہیں کی دوسرے یہ کہ حضرت علیؑ دانستہ ہی قاتلین حضرت عثمانؓ کو گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں کوتاہی کر رہے تھے۔

ان تمام اعتراضات کا جواب مورخین نے دے دیا ہے۔ مودودی صاحب ''خلافت وملوکیت'' کے صفحہ نمبر ۳۳۵۔۳۳۸ پر درج کرتے ہیں کہ:

''حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جن حالات میں حضرت علیؑ کو خلیفہ منتخب کیا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے دو ہزار شورشی دارالخلافہ پر مسلط تھے۔ خلیفۂ وقت کو قتل تک کر گزرے تھے۔ خود دارالخلافہ میں بھی ایک اچھی خاصی تعداد ان کی ہم خیال موجود تھی۔ نئے خلیفہ کے انتخاب میں وہ لوگ یقیناً شریک ہوئے اور ایسی روایات بھی بلاشبہ موجود ہیں کہ جب حضرت علیؑ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا تو ان لوگوں نے بعض حضرات کو زبردستی بھی بیعت پر مجبور کیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ انتخاب غلط تھا یا کیا اس وقت حضرت علیؑ سے بہتر کوئی آدمی مدینہ ہی میں نہیں پوری دنیائے اسلام میں ایسا موجود تھا جسے خلیفہ منتخب ہو جانا چاہئے تھا۔۔۔۔۔ کیا اس وقت کے رائج اور مسلم اسلامی دستور کی رو سے حضرت علیؑ جائز طور پر خلیفہ منتخب نہ ہو گئے تھے۔ کیا اسلامی دستور میں ایسی کوئی چیز کہیں پائی جاتی ہے کہ نئے خلیفہ کے انتخاب میں اگر سابق خلیفہ کے خلاف شورش برپا کرنے والا گروہ بھی

شریک ہوگیا ہو تو اس کا انتخاب غیر قانونی قرار پائے۔۔۔۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؓ دانستہ ہی قاتلین حضرت عثمانؓ کو گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں کوتاہی کر رہے تھے یا ان کے ہاتھ میں بے بس تھے تب بھی کیا اسلامی آئین و دستور کی رو سے یہ بات ان کی خلافت کو ناجائز اور ان کے خلاف تلوار لے کے کھڑے ہو جانے کو جائز کر دینے کے لئے کافی تھی؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو بعد کے واقعات کے بارے میں ایک صحیح رائے قائم کرنے کے لئے فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں۔۔۔۔ پہلی صدی سے لے کر آج تک تمام اہل سنت بالاتفاق حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفۂ راشد تسلیم کرتے رہے ہیں اور ہمارے اپنے ملک میں ہر جمعہ کو بالالتزام ان کی خلافت کا اعلان کر رہے ہیں۔ کم وبیش یہی صورت حال خود حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی تھی کہ ایک شام کے صوبے کو چھوڑ کر جزیرۃ العرب اور اس کے باہر کے تمام اسلامی مقبوضات ان کی خلافت مان رہے تھے۔ مملکت کا نظام عملاً انہی کی خلافت پر قائم ہو چکا تھا اور امت کی عظیم اکثریت نے ان کی سربراہی تسلیم کر لی تھی۔"

اب رہا بعض صحابہ کے بیعت نہ کرنے کا اعتراض تو تاریخ طبری، البدایہ و النہایہ اور استیعاب جیسے زیادہ تر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ "جب مسجد نبوی میں اجتماع ہوا تھا تو تمام مہاجرین وانصار نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی البتہ صحابہ میں سے سترہ یا بیس ایسے تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی، لیکن اس معمولی اور بے وجہ انحراف کی ذرہ برابر اہمیت نہیں۔"

مولانا مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''اگر سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی خلافت مشتبہ نہیں ہوتی تو ۱۷ یا ۲۰ صحابہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت علیؑ کی خلافت کیسے مشتبہ قرار پا سکتی ہے۔ علاوہ بریں ان چند اصحاب کا بیعت نہ کرنا محض ایک منفی فعل تھا جس سے خلافت کی آئینی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیا مقابلہ میں کوئی دوسرا خلیفہ تھا جس کے ہاتھ پر انہوں نے جوابی بیعت کی ہو؟ یا ان کا کہنا یہ تھا کہ اب امت و مملکت کو بے خلیفہ رہنا چاہئے؟ یا یہ کہ کچھ مدت تک خلافت کا منصب خالی رہنا چاہئے؟ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی تو محض ان کے بیعت نہ کرنے کے یہ معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہ اکثریت اور عظیم اکثریت نے جس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ جائز طور پر فی الواقع خلیفہ نہیں بنا۔'' (خلافت وملوکیت)

حضرت علیؑ کی حکمرانی

حضرت علیؑ کو حکومت کی باگ ڈور اس وقت ملی جب رسولؐ خدا کی اصلاحی اور انقلابی پالیسی پر عمل میں کمی آ گئی تھی۔ فتنہ وفساد نے اپنی پرانی روش اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنی فتوحات میں اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے خصوصاً اپنی حکومت قائم کرنے میں بڑی کاوش کی لیکن یہ بھی ضرور ہوا کہ حکومت کی بساط پر امیر معاویہ کو جو عہدہ ملا اس سے سوئے ہوئے فتنے بیدار ہونے لگے جس میں حضرت عثمان قتل ہو گئے اور حضرت علیؑ کو انہی فتنوں سے نبرد آزما

ہونا پڑا۔ انہوں نے جس مذہب اسلام کا تقویٰ' عدل اور صدق وصفا دیکھا تھا اس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ حضرت علیؑ نے تشویش کی نگاہ سے حالات کا جائزہ لیا اور مسائل تیزی سے حل کرنے لگے۔ ان کے کارناموں و اصلاحات کو دیکھ کر لوگ حیران ہوئے کہ جس شخص نے رسولؐ کی ساری زندگی میں سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے جو صرف رسولؐ کے احکامات پر ہی عمل پیرا رہا اور وفات پیغمبرؐ کے بعد حکومت کے ہر شعبہ سے دور رہ کر پچیس سال صبر آزما زندگی گزاری' سیف کو میان میں رکھ کر جو صرف جہاد بالنفس اور جہاد بالقلم کرتا رہا' اس نے یہ سب کیسے کر دکھایا جو ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ انہوں نے طوفانی حادثات میں بھی اپنی صلاحیتوں کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔

دراصل حضرت علیؑ نے اپنی حکومت کی بنیاد ہی اسلامی نظریات و سیاست پر رکھی جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ نے انسان کو عقل و شعور کی اعلیٰ صلاحیتیں عطا کیں۔ اسے ایک صالح نظامِ حیات دیا گیا کہ وہ انہیں عطیات الٰہی کے ذریعہ بلند سے بلند تر مقام حاصل کر سکے۔ انسان ایک مدت تک صحیح ڈگر پر چلتا رہا۔ ایک قوم ایک مسلک اور ایک ہی نظریہ زندگی تھا۔ نہ آپس میں نفاق نہ اختلاف' امت واحدہ میں سب ایک دوسرے کے بھائی تھے۔ کتنا سادہ' پرامن اور مقدس دور تھا وہ لیکن دوسرا دور ابلیس کے بہکانے میں آ گیا اور امتِ واحدہ' طبقات در طبقات منقسم ہو گئی۔ مذہب' عقیدہ اور معاشی و سیاسی حالات تبدیل ہو گئے۔ انسانیت کی اس غیر فطری حالت کو دیکھ کر خالق کائنات نے انبیاء و رسل بھیجے۔ سورہ ''بقرہ آیت ۲۱۳'' میں ہے کہ:

''كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ

مُنذِرِینَ" (لوگ ایک ہی قوم تھے (پھر انہوں نے باہم اختلاف کیا)
پس خدائے بزرگ و برتر نے انبیاء بھیجے جو اہل ایمان کو بشارت دینے
والے اور منکرین کو ان کے اعمالِ بد کے نتائج سے ڈرانے والے تھے)

نبیوں کی طویل جدوجہد کے باوجود حالات بد سے بدتر ہوتے گئے تو اللہ نے آخری رسول کو مبعوث کیا۔ عالم انسانی پر گمراہی کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے تھے۔ قوم اور اس کا ہر فرد دین الٰہی سے بیگانہ تھا۔ فلسفۂ الٰہی کے اجتماع اور سیاست اسلامی میں عبادت پر خود غرضی' جاہ پسندی اور فرعونیت نے پہرہ بٹھا دیا تھا۔ حریت' آزادی' مساوات اور جمہوریت کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ ملوکیت اور شہنشاہیت کے سکے غریب طبقے کو پامال کرنے میں کام آرہے تھے۔ آنحضرتؐ نے تکالیف برداشت کرتے ہوئے قلیل عرصہ میں انسانی فکر و عمل کو ایمان' صداقت اور مساوات دے کر عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ اسلام عرب سے بڑھ کر کائنات انسانی کے دل و دماغ پر حاوی ہو گیا۔ حضرت علیؑ پروردۂ رسول تھے اور انہوں نے نہ صرف بچپنے سے بلکہ جوانی میں بھی قدم بہ قدم رسولؐ کا ساتھ دیا۔ بڑی بڑی جنگوں کے ہیرو رہے۔ رسولؐ کا طرز حکمرانی دیکھا اور حکومت ملتے ہی انہوں نے اسلامی نظریاتِ سیاست پر عمل کرتے ہوئے رسولؐ کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا۔

اس سلسلے میں مورخ اسلام مسعودیؔ نے حضرت علیؑ کی شخصیت پر مختصر اور جامع روشنی ڈالی ہے:

"اگر تقدم فی الاسلام' صحبت رسولؐ' رفاقت نبویؐ درمعرکۂ حق و باطل' قرابت محمدیؐ' علم کتاب' علم مذہب اسلام' تقویٰ' عدل و مساوات' راست بازی' زہد' صدق و صفا' علم حدیث و فقہ اور علم دین و دنیا کسی

انسان کی بزرگی کی دلیل ہو سکتے ہیں تو یقیناً حضرت علیؑ کا درجہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہے۔"

اسلامی دستور کو تحریری شکل دی

حضرت علیؑ نے قرآن اور سنت میں درج قوانین کو جو دستاویزی شکل دی وہ ان کا عظیم کارنامہ ہے جسے "مالک اشترؒ" کے نام اس وقت لکھا تھا جب وہ مصر کی گورنری کا چارج لینے جا رہے تھے۔ اس اہم سیاسی دستاویز میں الٰہی حکومت میں مملکت خداداد کا تصور، حقوق العباد (بندوں کے حقوق)، جمہوریت اور عوام، عوام کے طبقات، مشاورتی کونسل اور اس کے انتخاب کے طریقے، فوجی انتظام، عدالتی نظم و نسق، حکومت کے ذرائع آمدنی (خراج، جزیہ، خمس)، تجارت اور صنعت و حرفت، سیکریٹریٹ کے عملے کا تقرر، خلیفہ کا منصب اور اس کے فرائض، درباری اور حاشیہ نشین، عہد و میثاق کی پابندی، قتل و خونریزی سے اجتناب، محکمہ پولیس، مرکزی و صوبائی نظام اور حاکموں کے لئے چند ہدایات سب شامل ہیں۔ کاش آج حکومتیں اسی دستور پر عمل کریں تو اسلامی حکومت کا درخشاں باب کھل سکتا ہے۔ خط میں درج تفصیل دینے کے لئے اس کتاب میں گنجائش نہیں اس لئے صرف عنوانات درج کرنے تک دستاویز کو محدود رکھا۔ یہ صرف خط نہیں حکومت کا آئین ہے۔

امیر المومنینؑ کا طرزِ جہاں بانی

حضرت علیؑ کا مشہور قول ہے جو ان کے طرز جہاں بانی کی عکاسی کرتا ہے کہ "اگر تقویٰ مانع نہ ہوتا تو میں عرب کا چالاک ترین سیاست دان ہوتا۔" اس ارشاد سے واضح ہے کہ حکومت میں سیاستدانوں کی چالاکیاں عام اسی لئے ہوتی ہیں کہ وہ تقویٰ

سے عاری ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؑ نے دور خلفائے ثلاثہ میں جس انداز میں خاموش رہ کر پچیس سال زندگی گزاری اس سے زیادہ خراب حالت میں خلیفہ ہوکر گزاری۔ ایک مرتبہ کسی نے سخت سردی میں پرانا کمبل اوڑھے دیکھا جو سردی کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا تو کسی نے بیت مال المال سے لینے کا مشورہ دیا جس کے جواب میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''میں بیت المال سے اپنے لئے کچھ نہیں لینا چاہتا اور یہ کمبل بھی مدینہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔'' دور جدید کے بیت المال سے خزانہ لوٹنے والوں کے لئے یہ تازیانۂ عبرت ہے۔

حضرت علیؑ حکومتی ذمہ داریوں کے باوجود عبادتِ خدا سے غافل نہیں رہے۔ پونے پانچ سال کے دور اقتدار میں کبھی دسترخوان پر دو پلیٹیں استعمال میں نہ دیکھی گئیں۔ بیت المال کی تقسیم میں انتہائی محتاط تھے۔ جیسے ہی بیت المال آتا فوراً مستحقین تک پہنچا دیتے۔ ایک مرتبہ رات میں بیت المال آیا تو اسی وقت خود جا کر غربا میں تقسیم کر دیا۔ واپسی پر معتقدین کے اس اظہار پر کہ یہ مال کل دن میں بھی تقسیم ہوسکتا تھا فرمایا ''کل کی زندگی کی کیا ضمانت ہے؟'' خود قومی خزانے کو اپنی ذات پر استعمال نہ کرتے۔ ایک مرتبہ رات گئے امور مملکت کی انجام دہی میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے بیت الشرف پر حاضری دی۔ آپؑ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا کام سرکاری ہے یا ذاتی؟ اس کے عرض کرنے پر کہ ذاتی ہے' آپ نے چراغ گل کر دیا۔ آنے والے نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا ''ذاتی کام کے لئے سرکاری چراغ نہیں جل سکتا۔'' اس انداز میں بھی آج کے حکمرانوں کے لئے سبق ہے کہ وہ کس طرح قومی خزانوں سے اپنے عزیز واقارب اور دوستوں کو سیر کرا کے اسلامی پابندیوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایک گورنر نے انہیں خط لکھا تو اس کے جواب میں تنبیہہ کی کہ ''خط لکھتے وقت

کاغذ کی سطروں میں زیادہ فاصلہ نہ رکھا کرو۔ اس لئے کہ بیت المال کے خرچ میں کمالِ احتیاط کی ضرورت ہے۔" آپ کے بڑے بھائی عقیل کے بچوں نے ایک روز آپ کو گھر پر بلوایا اور معمول سے ہٹ کر تواضع کی۔ آپ نے پوچھا یہ اتنا اہتمام کیسے ہوا؟ تو بولے جو وظیفہ بیت المال سے ملتا ہے اسی میں تھوڑا تھوڑا بچایا کہ آپ کی دعوت کریں۔ آپؑ نے فرمایا: "اس کا مطلب ہے کہ آپ کا وظیفہ کم کردیا جائے۔"

عدلیہ کی برتری کو حضرت علیؑ ہمیشہ ترجیح دیتے رہے۔" جنگِ صفین سے واپسی پر آپ کی زرہ کھوگئی۔ چند روز بعد کوفہ میں ایک عیسائی کو وہی زرہ پہنے دیکھا۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ نصرانی نے عدالت میں کہا قبضہ دلیل ملکیت ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا: میں نے یہ زرہ نہ اسے بیچی ہے نہ ہبہ کی ہے۔ قاضی متردد ہوا۔ آپ نے برجستہ فرمایا: وہی کرو جو تمہارا منصب ہے۔ اس نے اپنے ہی حاکم کے خلاف اور عیسائی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔" کیا آج کی حکومتوں میں ایسا ممکن ہے؟ حضرت علیؑ کے اندازِ خلافت اور اعلیٰ ظرفی سے متاثر ہو کر عیسائی مشرف بہ اسلام ہوا اور زرہ بھی واپس کردی۔

اپنی رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت علیؑ شب کی تاریکی میں گلیوں کے چکر لگاتے تھے۔ ایک بار ایک ضعیفہ کو مشکیزہ اٹھائے کراہتے دیکھا تو آپ نے مشکیزہ خود اٹھا کر گھر پہنچا دیا۔

حکمرانوں کے انتخاب میں بے حد محتاط تھے۔ دیانت، امانت، زہد، تقویٰ اور شرافت و تدبر کو اہمیت دیتے۔ محنت اور مشقت کر کے خود اپنا گزارا کرتے۔ وہ نادار نہ تھے لیکن ساری دولت وقف کردی تھی خود عوام کی زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت علیؑ نے ہمیشہ اپنے حقوق پر عوام کے حقوق کو فوقیت دی۔ علل شرائع جلد

اول صفحہ ۷۷ا پر شیخ الصدوق نے مختلف حوالوں سے روایت کی ہے کہ امام موسیٰ رضاؑ سے سوال کیا گیا کہ امیر المومنینؑ نے خلیفہ ہوتے ہوئے فدک کیوں واپس نہیں لیا تو آپ نے فرمایا کہ ''ہم لوگ مومنین کے والی ہیں اور ان کے حاکم ہیں ہم لوگ مومنین کے حقوق جو ان سے چھینے گئے ہیں واپس دلاتے ہیں۔ اپنے حقوق واپس نہیں لیتے۔''

بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کے بارے میں سنا کہ وہ کسی امیر کے گھر دعوت پر گئے ہیں تو لکھا:

''مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جن کے یہاں سے فقیر دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں' جو لقمے چباتے ہو انہیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ ہو چھوڑ دیا کرو۔ اے ابن حنیف !اللہ سے ڈرو اور اپنی روکھی سوکھی پر قناعت کرو تاکہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا پاسکو۔''

فی زمانہ حکمرانوں کی دعوتیں محتاج تبصرہ نہیں۔ ہر شخص کے علم میں ہیں۔

ایک حاکم منذر ابن جارود عبدی کے متعلق بدعنوانی کی خبریں ملیں تو اسے تحریر فرمایا:

''مجھے تمہارے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ تم آخرت گنوا کر دنیا بنا رہے ہو اور دین سے رشتہ توڑ کر اپنے رشتہ داروں کو پال رہے ہو۔ تم امین نہیں' نہ ہی خائنوں کا مقابلہ کرنے کے اہل ہو فوراً میرے پاس پہنچو۔ پہنچتے ہی اسے ۲۰ ہزار درہم ہڑپ کرنے کی پاداش میں جیل میں ڈال دیا۔''

ایک مرتبہ قاضی شریح کی عدالت میں ایک ذمی کے ساتھ فریق مقدمہ بن کر حاضر ہوئے۔ قاضی آپ کے احترام میں اٹھ کھڑا ہوا۔'' آپ نے شکریہ ادا کرنے

کے بجائے اسے ڈانٹ کر کہا: قاضی یہ تمہاری پہلی ناانصافی ہے اس لئے کہ اب ہم فریق ہیں دونوں سے یکساں سلوک تمہارے فرائض میں شامل ہے۔"

مالک اشتر گورنر مصر کو اسلامی دستور کے بارے میں تحریر کا ذکر آچکا ہے لیکن چند وہ اقتباسات درج کرنا ضروری ہیں جو حضرت علیؑ کی طرزِ فکر کو اجاگر کرتے ہیں۔ آدابِ حکمرانی کے لئے لکھتے ہیں کہ:

"اے مالک! خوفِ خدا اور اطاعت الٰہی کبھی فراموش نہ ہو' خواہشات پر کنٹرول رکھنا' رعایا سے محبت سے پیش آؤ' اپنے آپ کو حاکم کی بجائے خادم سمجھو' تمکنت و غرور سے دور رہو' اقرباء پروری سے پرہیز کرو' امور جنگ میں کسی بزدل کو مشیر نہ بنانا' خوشامدیوں کے حلقے سے دوری اختیار کرو۔ لوگوں کو پنہاں امور کے بدلے سزا نہ دو۔ فوج 'انتظامیہ' مقننہ کو معقول معاوضہ دینا' سب سے زیادہ نیک کو قاضی بنانا' اپنے ماتحت افسروں پر کڑی نظر رکھو' تاجروں' مزدوروں' صنعتکاروں کے حقوق کا خیال رکھو' فقراء و مساکین کی خبر گیری کرو' مالیات کی وصولی میں رعایت نہ برتنا' کھلی کچہری ہر روز لگانا' حکومت کا نشہ تمہیں عبادت خدا سے محروم نہ کردے۔ خود پسندی سے پرہیز کرنا' فیصلوں میں جلد بازی نہ کرنا' وعدہ وفائی کرو' رعایا سے نیکی کر کے مت جتلانا' سزا دینے میں جلدی نہ کرو' طولِ اقتدار بذریعہ خونریزی نہ ہو' جب غلطی کرو تو معافی مانگ لو' اپنے عوام کے بارے میں باخبر رہو' سب سے مساوی برتاؤ کرنا۔"

اس پورے دستور پر حضرت علیؑ خود عمل پیرا رہے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی

اسلامی اصولوں پر گزاری جس کا ہدف اعلائے کلمہ حق تھا اور عشق محمدی کا نصب العین۔

اسلامی حکومت کا مقصد نہ ایک یا کئی افراد کی ذاتی خواہشات کی تکمیل کرنا ہے اور نہ ہی عوام کی ناجائز خواہشات و بے حساب مطالبات کو پورا کرنا ہے۔ اس حکومت کا مقصد معاشرہ کے واقعی مصالح اور حقیقی ضرورتوں کی حفاظت اور تکمیل ہے۔ اسلامی حکومت کا مقصد قوانین وضوابط اسلامی کی بنیاد پر عدل و انصاف کا قیام اور خدا کی جانب لے جانے کے لئے انسان کی تربیت کرنا ہے۔ ظاہر ہے ایسی حکومت و منصب محض ایک وسیلہ ہے۔ حکمرانی نہ تو بجائے خود مقصد ہے اور نہ ایسا منصب جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

حضرت علیؑ کے طرز حکمرانی میں دیکھیں کہ ان کی نظر میں حکومت کی کیا حیثیت تھی۔ آپؑ صرف اس حکومت کو پسند فرماتے تھے جو اقامۂ عدل وملت کے احقاقِ حقوق کے لئے ذریعہ اور سبب بنے اور یہی طرزِ جہاں بانی رسولؐ اکرم کا بھی تھا۔

اپنے دورِ خلافت میں اپنے پچیس سالوں کا حساب سابقہ ادوار کے مخالفین سے نہ لے کر وہ مثال قائم کی کہ اگر دنیا اس پر عمل کرے تو حکمرانوں میں ایک دوسرے سے بدلہ لینے کی بدترین رسم ختم ہو سکتی ہے۔

سندھ میں اسلام حضرت علیؑ نے پہنچایا

اس عنوان پر مولانا نجم الحسن صاحب نے ''چودہ ستارے'' میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جسے میں مختصر کر کے پیش کر رہا ہوں۔

رسولِ کریمؐ کے بعد اسلام کی جو ذمہ داری امیر المومنین حضرت علیؑ پر تھی اسے فروغ دینے میں وہ تن من دھن سے لگے رہے۔ خلافت کی ذمہ داریوں کے ساتھ

امامت آگے بڑھی اور اسلام کی روشنی غیر ممالک میں پہنچنے لگی۔ ہندوستان جو کفر و الحادؔ اور غیر اللہ کی پرستش کا مرکز اور ملجا و ماویٰ تھا امیر المومنینؑ نے دیگر ممالک کے ساتھ وہاں بھی اسلام کی روشنی تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پہنچادی۔ امام المورخین ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب ''المعارف کے صفحہ ۱۵ طبع مصر ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے عہد میں پہنچا۔'' (ترجمہ) چچ نامہ قلمی صفحہ ۳۴ میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ۳۸ھ میں ناظر بن وعوراء کو سرحدات سندھ کی دیکھ بھال کے لئے روانہ کیا۔ اس سے قبل عہدِ عثمانی میں عبداللہ بن عامر ابن کریز کو مقرر کیا گیا تھا۔ مورخ بلاذری لکھتے ہیں کہ وہ ''ثغر الہند'' کی طرف دریائی مہم پر روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن عامر نے ''حکیم بن جبلہ العدوی کی سرداری میں ایک دستہ سمندر کے راستہ روانہ کیا۔ وہ بلوچستان اور سندھ کے مشرقی علاقہ کو دیکھ کر واپس آئے تو عبداللہ نے ان کو عثمانؓ بن عفان کے پاس بھیج دیا۔ منفی حالات سن کر انہوں نے لشکر کشی کا خیال ترک کر دیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام جن کا مقصد فتوحات کی فہرست مرتب کرنا نہ تھا بلکہ دین اسلام پھیلانا تھا انہوں نے ناسازگار حالات کے باوجود آگے بڑھنے کا عزم بالجزم کر لیا اور ۳۹ھ میں سندھ پر قابو حاصل کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کر دی۔ علامہ ابوالظفر الندوی تحریر فرماتے ہیں کہ ۳۹ھ میں حضرت علیؑ نے حارث بن مرہ عبدی کو سندھ پر قابو حاصل کرنے کے لئے بھیجا اور اس سن میں سندھ فتح ہوا۔ تاریخ سندھ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء میں ہے کہ سندھ حضرت علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھوں فتح ہوا اور حکومتِ اسلامیہ (پہلے پہل) انہی کے ہاتھوں قائم ہوئی۔

علامہ بلاذری المتوفی ۲۷۹ لکھتے ہیں ''آخر ۳۸ھ یا اول ۳۹ھ میں حارث بن مرہ عبدی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے اجازت لے کر بحیثیت مطوع سرحد سندھ پہنچے اور فتحیاب ہوئے کثیر غنیمت ہاتھ آئی۔ صرف لونڈی غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کئے گئے۔ حارث اور ان کے اکثر اصحاب ارض قیقان میں کام آئے۔ صرف چند زندہ بچے۔ یہ ۳۹ھ کا واقعہ ہے (ترجمہ فتوح البلدان بلاذری ج ۲ ص ۶۱۳ طبع کراچی)

اسلام کا قدیم ترین مورخ ابن قتیبہ اپنی کتاب ''معارف'' کے صفحہ ۷۳ پر لکھتا ہے (ترجمہ) ''امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک بیوی سندھی تھیں اور اس سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے تھے۔ پھر اسی کتاب کے ص ۹۵ پر لکھتا ہے (ترجمہ) ''زید بن علیؑ بن الحسینؑ کی کنیت ابوالحسن تھی اور ان کی ماں سندھی تھیں۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے (ترجمہ) مروی ہے جو بیوی امام زین العابدینؑ کو دی گئی وہ سندھی تھی۔ عبدالرزاق لکھتے ہیں کہ زید شہید امام زین العابدینؑ کی جس بیوی سے پیدا ہوئے وہ سندھی تھی (کتاب زید الشہید ص ۵ طبع نجف اشرف)

حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سندھ میں دین اسلام حضرت علیؑ کے ذریعہ پہنچا۔ آج بھی حیدرآباد سندھ میں ''مولا قدم'' یعنی حضرت علیؑ کا قدم زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

حضرت علیؑ میدان جنگ میں

حضرت علیؑ کو حکومت سنبھالتے ہی فتنہ و فساد کے دور سے واسطہ پڑا تھا اس میں ان کی قانونی، مالی اور انتظامی میدان میں بیت المال اور وظائف کی تقسیم میں امتیازی

سلوک ختم کر کے برابری کا اصول دوبارہ نافذ کرنا' حضرت عثمانؓ کے دور میں جمع ہونے والے اموال اور تقسیم کی ہوئی زمینوں اور جاگیرداری کا خاتمہ اور عہد عثمانیؓ کے والیوں کی معزولی خصوصاً طلحہ' زبیر اور امیر معاویہ کی گورنری سے برطرفی نے حالات پیچیدہ بنا دیئے تھے۔ دولت و حکومت کو ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر چند لوگوں نے قتل عثمانؓ اور قصاص عثمانؓ کے بہانے تراشے اور جنگی جنون پیدا کر دیا۔

حضرت علیؑ نے بے انتہا کوشش کی کہ جنگ کو کسی صورت ٹالا جائے لیکن جب جنگ کے بادل گرجے تو مجبوراً بقائے دین کے لئے انہیں اپنے دور خلافت میں ایک بار پھر تلوار بلند کرنا پڑی جو پچیس سال ہدایتِ پیغمبرؐ پر میان میں رہی اور پھر ثابت کر دیا کہ حضرت علیؑ جیسے احد' بدر اور خندق وغیرہ کی جنگوں میں تھے آج بھی کوہِ عزم اور مردِ میدان ہیں۔

ان جنگوں کی تاریخ اور واقعات بیان کرنا میرے دائرۂ موضوع سے باہر ہے لیکن خلافتِ حضرت علیؑ کے حوالہ سے چند باتوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

تاریخ کی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو کام ابوسفیان نہ کر سکا وہ امیر معاویہ نے کر دکھایا۔ ''اگر معاویہ کا اٹھارہ سالہ دورِ حکومت نہ ہوتا تو نہ اسلام میں اتنے فرقے ہوتے اور نہ احادیث میں اتنا تضاد کہ کوئی بات یقین سے کہی نہیں جا سکتی۔ اس کے خلاف کسی نہ کسی گوشے سے کوئی اصلی یا فرضی بیان ضرور مل جاتا ہے۔

(سیاست نامہ عرب صفحہ ۲۲۳۔۲۲۴)

تین جنگیں جو حضرت علیؑ کو لڑنا پڑیں ان میں مرکزی کردار امیر معاویہ ہی کا تھا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین جیسے آزاد خیال مورخ امیر معاویہ کے لئے لکھتے ہیں:

''لوگ حضرت معاویہ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد

رسول اللہؐ کے مقرب بن چکے تھے۔ ان کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے۔ وہ مسلمان تھے اور مخلص مسلمان تھے۔ آنحضرتؐ کے اور تینوں خلفاء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود معاویہ بہر حال احد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابوسفیان کے بیٹے تھے۔ وہ ہندہ کے لڑکے تھے جس کی حضرت حمزہؓ سے دشمنی کا یہ عالم تھا کہ قتل کے بعد ان کی لاش تلاش کرکے اور ان کا پیٹ چاک کرکے ان کا کلیجہ چبائے اور نبی کریمؐ کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کردے۔

حضرت معاویہ کو باپ کی طرف سے توانائی ملی' ساتھ ہی سنگدلی' چالاکی' چالبازی اور لچک بھی ملی' پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض وعداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کم نہ تھیں۔ امیر معاویہ کی سیرت کی ترجمانی میں کم سے کم جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے پختہ کار' چالاک اور فیاض عرب کی سیرت ہے جو لوگوں کو اپنی گنجائش کے مطابق دیتا ہے' جو امراء اور افسروں میں سے جن کی دلجوئی چاہتا ہے کرتا ہے' ایسا کرنا اس کے نزدیک نہ کوئی جرم ہے نہ کوئی گناہ۔ گویا حرص وطمع رکھنے والوں کے لئے حضرت معاویہ کے پاس وہ سب کچھ تھا جو وہ چاہتے تھے ------ ایک نڈر شخص کی طرح مناسب فرصت کا انتظار کرتے رہے اور جیسے ہی موقع ہاتھ آیا پھر اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حضرت معاویہ اگر انصاف اور اخلاص سے کام لینا چاہتے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح حضرت علیؑ کی بیعت کر لیتے' اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے وارثوں کو لے کر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن ان کو قصاص سے زیادہ اس کی فکر تھی کہ خلافت کا رخ کسی طرح حضرت علیؑ سے پھیر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی وفات اور حضرت حسنؑ سے مصالحت کے بعد جب ان کے لئے حکومت کا میدان صاف ہو گیا تو

نہ قصاص یا دربانہ قاتلوں کی تلاش۔(حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ)

حق علیؓ کے ساتھ تھا

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جو جنگیں ہوئیں ان کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ بھی امر واقعہ ہے کہ تمام فقہاو محدثین ومفسرین نے بالاتفاق حضرت علیؓ کی ان لڑائیوں کو جو آپ نے اصحاب جمل اصحابِ صفین اور خوارج سے لڑیں قرآنِ مجید کی آیت (فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ) کے تحت حق بجانب ٹھہرایا ہے کیونکہ ان کے نزدیک آپ امام اہلِ عدل تھے اور آپ کے خلاف خروج جائز نہ تھا۔ میرے علم میں کوئی ایک بھی فقیہ یا محدث یا مفسر ایسا نہیں ہے جس نے اس سے مختلف کوئی رائے ظاہر کی ہو۔ خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علیؓ کے ساتھ اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ ۳۳۸)

جنگِ جمل

جنگِ جمل کی تفصیل تمام کتابوں میں درج ہے۔ ایک مورخ نے اسے مضحکہ خیز جنگ قرار دیا۔ ''جس کے نہ سیاسی اسباب تھے نہ اقتصادی نہ معاشرتی، اگر سبب ہے تو صرف ایک اور وہ ہے ''علی دشمنی'' (علیؓ ابن ابی طالب جلد دوم پروفیسر اختر رضا زیدی) مودودی صاحب نے جنگ جمل کے بارے میں لکھا کہ وہ حضرت علیؓ کے

خلاف چار شخصیتوں کا ملاپ تھا۔ ''حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہ۔'' (خلافت وملوکیت) بہرحال جنگ ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا اور فاتح حضرت علیؓ ہوئے۔ ''خلافت وملوکیت'' ہی میں مودودی صاحب نے جنگ کے نتیجے میں حضرت علیؓ کی نیک نیتی' خلوص اور اسلام دوستی کی تصدیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علیؓ نے اس جنگ کے سلسلے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ ایک خلیفۂ راشد اور ایک بادشاہ کے فرق کو پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ انہوں نے اپنی فوج میں پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا' کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا اور فتحیاب ہو کر مخالفین کے گھروں میں نہ گھسنا۔ فتح کے بعد انہوں نے دونوں طرف کے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں یکساں احترام کے ساتھ دفن کرایا۔ تمام مال جو لشکرِ مخالف سے ملا تھا اسے مالِ غنیمت قرار دینے سے قطعی انکار کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو شکست خوردہ فریق کی اصل قائد تھیں انتہائی احترام کا برتاؤ کیا اور پوری حفاظت کے ساتھ انہیں مدینہ بھیج دیا۔''

حضرت عائشہؓ نے جب بصرہ سے کوچ کیا تو لوگوں سے خطاب کیا جو ملاپ اور صلح کا دلچسپ خطاب ہے:

''اے میرے بیٹو! ہم جلد بازی میں ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ آئندہ ہمارے اختلافات کے باعث کوئی شخص ایک دوسرے سے زیادتی نہ کرے۔ خدا کی قسم میرا اور علیؓ کا شروع ہی سے اختلاف تھا

لیکن یہ اختلاف اسی قسم کا تھا جیسے ساس اور داماد میں ہوتا ہے۔ فی الحقیقت علیؑ میرے نزدیک نیک آدمی ہیں۔"

اس خطاب کے بعد علیؑ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے لوگو! خدا کی قسم، ام المومنینؓ نے سچ فرمایا اور نیک بات کہی ہے۔ میرا اور ان کا اختلاف واقعتاً اسی قسم کا تھا اور حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں۔" (تاریخ طبری۔ مندرجہ علی ابن ابی طالب جلد دوئم صفحہ ۱۰۹)

جنگ جمل کے انجام پر مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اس معاملہ میں حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کا طرز عمل (جو جنگِ جمل کا موجب ہوا) غلط تھا۔۔۔۔۔۔ بعد میں دونوں حضرات اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی اپنے فعل پر نادم ہوئیں اور اس پر وہ اتنا روتی تھیں کہ ان کے دوپٹے کا دامن بھیگ جاتا تھا۔ پھر معاویہ بھی غلطی پر تھے البتہ انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کی بنا پر کیا' اس لئے وہ اس غلطی کی وجہ سے فاسق نہیں ہوئے۔ اہل السنّت والجماعت میں اس امر پر اختلاف ہے کہ انہیں باغی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں سے بعض اس سے اجتناب کرتے ہیں مگر بات انہی کی صحیح ہے جو اس لفظ کا ان پر اطلاق کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا تھا کہ تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔"

(خلافت وملوکیت صفحہ ۳۴۱ بحوالہ شرح فقہ اکبر' ص ۷۸ تا ۸۲)

جنگِ جمل کا آخری نتیجہ مودودی صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ "جن

حضرات نے بھی قاتلین عثمانؓ سے بدلہ لینے کے لئے خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھائی ان کا یہ فعل شرعی حیثیت سے بھی درست نہ تھا اور تدبیر کے اعتبار سے بھی غلط تھا۔" (خلافت وملوکیت صفحہ ۳۴۳)

جنگِ صفین

جنگ جیسی بھی ہو اپنے دامن میں انسانی خون ضرور جذب کرتی ہے اور ۱۳ صفر ۳۷ھ کی جنگِ صفین اسلامی تاریخ کی وہ منحوس جنگ ہے جس میں تقریباً ستر ہزار بنی نوع انسان کا جائز یا ناجائز خون بہایا گیا۔ آج کا مورخ یا مولف تیرہ سوسالہ قدیم تاریخ جس طرح بیان کرنے کی کوشش کرے کہیں نہ کہیں سے حقیقت خود کو منوالیتی ہے۔

جنگِ صفین دراصل جنگِ جمل ہی کا شاخسانہ تھی اور امیر معاویہ ہی کی ساز باز کا نتیجہ تھی۔ جنگِ جمل سے جب انہیں مایوسی ہوئی تو انہوں نے خونِ حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کی ایک اور راہ نکالی۔ دراصل انہیں شام کی گورنری سے معزول کرنے کا غصہ حضرت علیؑ سے نکالنا تھا۔ اسی واقعہ سے مورخین نے بہت سے افسانے تراشے۔ تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا میرے دائرۂ تحریر سے باہر ہے لیکن حقیقت سمجھنے کے لئے مودودی صاحب جیسے مفکر کی تحقیق درج کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ "خلافت وملوکیت" میں صفحہ ۱۳۳ پر لکھتے ہیں کہ:

> "مورخین نے حضرت علیؑ کے حضرت معاویہ کو معزول کرنے کا واقعہ کچھ انداز سے بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ تدبر سے بالکل ہی کورے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ نے ان کو عقل کی بات بتائی

تھی کہ معاویہ کو نہ چھیڑیں مگر انہوں نے نادانی سے یہ رائے نہ مانی اور حضرت معاویہ کو خوانخواہ بھڑکا کر مصیبت مول لے لی۔ حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود انہی مورخین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؑ اگر حضرت معاویہ کی معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ان کے اس اقدام سے ابتداہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

سازشیں

جارج جرداق بیروت (لبنان) کی کتاب ترجمہ اردو "ندائے عدالتِ انسانی" میں صفحہ نمبر ۴۰۵ پر درج ہے کہ:

حضرت علیؑ کے دشمنوں نے حضرت علیؑ کے خلاف بہت مستحکم اور منظم طریقہ پر سازش کی۔ سازش کرنے والے بے شمار تھے اور ان کی غرض و غایت بھی جداگانہ تھیں۔ کوئی کسی وجہ سے حضرت علیؑ کے خلاف سازش کر رہا تھا کوئی کسی غرض سے، لیکن اس بات پر سب متفق تھے کہ حضرت علیؑ ہم پر حکمرانی نہ کرنے پائیں وہ حاکم اور ہم تابع فرمان نہ ہوں۔ اس پروگرام کو منظم اور مضبوط بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ معاویہ کا تھا۔ اصلی کرتا دھرتا وہی تھے۔ دوسرے لوگ ان کے اعوان و

انصار تھے۔ اس موقع پر کہنا پڑتا ہے کہ جنگِ جمل بھی جو ہوئی تو معاویہ ہی کی وجہ سے ہوئی۔ اگر پردے کے پیچھے بیٹھ کر معاویہ اس جنگ کے سامان فراہم نہ کرتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علیؑ کی بیعت ہوئی فوراً معاویہ نے بنی عمیس کے ایک شخص کو خط دے کر زبیر کے پاس روانہ کیا کہ۔۔۔۔۔۔ میں نے آپ کے لئے اہلِ شام سے بیعت لے لی ہے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے آپ کو امیر المومنین بنالیا ہے۔ اب آپ کو چاہئے کہ کوفہ وبصرہ والوں کو اپنے ساتھ ملالیں۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔"

سوچنے کی بات ہے کہ اسے سازش کیسے نہ قرار دیا جائے۔ صفین کی جنگ کا جواز امیر معاویہ نے کس طرح فراہم کیا مودودی صاحب سے سنئے:

"حضرت علیؑ نے معاویہ کو ایک آدمی کے ہاتھ خط بھیجا مگر انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور صفر ۳۶ھ میں اپنی طرف سے ایک لفافہ اپنے ایک پیغامبر کے ہاتھ ان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علیؑ نے لفافہ کھولا تو اس میں کوئی خط نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا "میرے پیچھے دمشق میں ۶۰ ہزار آدمی خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے بیتاب ہیں" حضرت علیؑ نے پوچھا: کس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا "آپ کی رگِ گردن سے۔"(۱)

اس کے بعد صورتحال بد سے بدتر ہوتی گئی اور دونوں طرف سے جنگ کی

۱۔ الطبری جلد۳۔ ص ۴۶۴۔ ابن کثیر ج ۳۔ ص ۱۰۴' البدایہ۔ ج ' ص ۲۲۹۔ ابن خلدون تکملہ ص ۱۵۲' ۱۵۳ ' خلافت وملوکیت صفحہ ۱۳۳

تیاریاں شروع ہوگئیں۔ امیر معاویہ کو تابع فرمان کرنا حضرت علیؑ کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن جنگ جمل شروع ہو جانے سے ابتدا میں حملہ کرنا ملتوی کرنا پڑا تھا۔ جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد ہی وہ خط جس کا اوپر ذکر ہے بیعت کے لئے لکھا تھا۔ بغیر کسی معقول وجہ کے امیر معاویہ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئے اور صفین کی وادی میں نہر فرات کے قریب ہموار زمین پر فوج اتار کر نہر پر قبضہ کر لیا کہ حضرت علیؑ آگے بڑھیں تو فوج پر پانی بند رہے اور فرات سے پانی پینے کی اجازت نہ دی جائے۔

جواب میں حضرت علیؑ اپنا لشکر لے کر مدائین اور رقہ ہوتے ہوئے صفین پہنچے اور دیکھا کہ امیر معاویہ نے دریا کی طرف مورچے سنبھال رکھے ہیں۔ ''معاویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی پر لڑنے نہیں آئے ہیں۔ ہم پہلے پہنچے ہوتے تو پانی ہم تمہاری فوج کے لئے بند نہ کرتے۔ عمرو عاص نے معاویہ کو بہت سمجھایا کہ حضرت علیؑ اور ان کے لشکر کو پانی سے نہ روکو۔ علیؑ کی شجاعت و بہادری سے دنیا واقف ہے ان کے ساتھ جنگ آزما بہادروں کا لشکر ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ پیاسے رہیں۔ معاویہ نے کہا کہ قسم خدا کی یہ پہلی کامیابی ہے۔ خدا مجھے حوضِ کوثر سے سیراب نہ کرے اگر یہ لوگ اس دریا کا پانی پی لیں۔'' اعلان کیا کہ ایک قطرہ بھی تمہیں نہیں ملے گا یہاں تک کہ تم پیاسے مر جاؤ۔''

''حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو بھیجا اور انہوں نے حیرت انگیز طور پر سپاہیوں کو مار بھگایا اور نہر پر قبضہ کر لیا۔'' حضرت علیؑ خوش ہوئے اور فرمایا:

''معاویہ! اب بتلاؤ اگر یہ لوگ تم پر آج اسی طرح پانی بند کر دیں جس طرح تم نے بند کیا تھا تو کیا ان کی طرح پانی کے لئے تم بھی لڑ سکتے ہو' لیکن جو حرکت تم نے

مباح سمجھی علیؓ کبھی مباح نہیں سمجھیں گے۔'' (ندائے عدالت انسانی صفحہ ۴۰۸)

''حضرت علیؓ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اپنی ضرورت بھر پانی لیتے رہو اور باقی سے لشکر مخالف کو فائدہ اٹھانے دو۔''(۱)

کہنے والوں نے کہا کہ پانی بند کرنے کا رواج حضرت معاویہ ہی سے شروع ہوا اور ان کے بیٹے یزید نے بھی کربلا میں حضرت علیؓ کے بیٹے امام حسینؓ پر پانی بند کیا تھا اور امام حسینؓ نے اپنے والد ہی کی طرح دشمن کے لشکر کو پانی سے سیراب کرایا تھا۔ پھر پانی کی رسمِ بد نے وہ شکل اختیار کر لی کہ دنیا کانپ اٹھی۔ کراچی میں ایک دوست فائق صاحب مشہور سوز خواں ہیں انہوں نے ایک شعر سنایا جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور ظلم اپنی انتہا پر نظر آتا ہے، جب امام حسینؓ کے چھ ماہ کے بچے اصغرؓ کی پیاس تیر سے بجھائی گئی۔

ظلم سا ظلم ہے اصغرؓ کو نہ پانی دینا
بچہ چھ ماہ کا پی لیتا وہ کتنا پانی

بہر طور جنگ صفین شروع ہوئی اور کچھ مدت تک جاری رہ کر ایک معاہدہ کے ذریعہ محرم ۳۷ھ کے آخر تک کے لئے ملتوی ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے ایک بار پھر پوری کوشش کی کہ خونِ مسلم نہ بہے۔ ایک وفد حضرت عدیؓ بن حاتم کی سرکردگی میں بھیجا جس نے امیر معاویہ سے کہا کہ سب لوگ حضرت علیؓ پر جمع ہو چکے ہیں صرف آپ اور آپ کے ساتھی ہی ان سے الگ ہیں۔ امیر معاویہ نے جواب دیا کہ وہ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں تا کہ ہم انہیں قتل کر دیں پھر ہم تمہاری بات مان لیں گے اور

۱۔ الطبری ج ۳۔ ص ۵۶۸۔ ۵۶۹، ابن اثیر۔ ج ۳ ص ۱۴۵، ۱۴۶، ابن خلدون تکملہ جلد ۲ ص ۱۷۰۔ (خلافت و ملوکیت۔ ص ۱۳۵)

اطاعت قبول کر کے جماعت کے ساتھ ہو جائیں گے۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے ایک وفد حضرت علیؑ کے پاس بھیجا جس کے سردار حبیب بن مسلمۃ الفہری تھے انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا "اگر آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کیا ہے تو جنہوں نے قتل کیا ہے انہیں ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم حضرت عثمانؓ کے بدلے انہیں قتل کر دیں گے۔ پھر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں، تاکہ مسلمان آپس کے مشورے سے جس پر اتفاق کریں اسے خلیفہ بنالیں۔"(۱)

کیا حضرت علیؑ خلافت سے دستبرداری کی بات سن کر مسکرائے نہ ہوں گے اور اوّل خلافت نہ ملنے کی بات سامنے نہ آئی ہوگی کہ کم از کم اس وقت اسلام کو ایسا خطرہ نہ تھا اور رسولؐ خدا نے بھی صبر کرنے کی ہدایت کی تھی اور اب تو خلافت سے دستبرداری کا مطلب یہ ہوگا کہ دین محمدیؐ کو مزید خطرے میں ڈال دیا جائے۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی:

> "خدایا ہمارا ایمان بھی محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا کہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی و سرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔"(۲)

امیر معاویہ جب راہِ راست پر نہ آئے تو محرم کا مقدس مہینہ گزرنے کے بعد ۳۷ھ سے اصل فیصلہ کن جنگ کا آغاز ہو گیا۔ احد، خیبر اور خندق کے فاتح علیؑ نے

۱۔ الطبری۔ جلد ۴۔ ص ۳۔ ۴، ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸ وغیرہ، (خلافت و ملوکیت۔ صفحہ ۱۳۶)

۲۔ "ندائے عدالت انسانی" جارج جرداق (بیروت، لبنان) صفحہ ۳۰۹۔

یہاں بھی اپنے پرانے اسلامی طرزِ عمل کو برقرار رکھا اور اعلان کر دیا کہ:

''خبردار' لڑائی کی ابتدا اپنی طرف سے نہ کرنا جب تک وہ حملہ نہ کریں۔ پھر جب تم انہیں شکست دے دو تو کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرنا' کسی زخمی پر ہاتھ نہ ڈالنا' کسی کو برہنہ نہ کرنا' کسی مقتول کی لاش کا مُثلہ نہ کرنا' کسی کے گھر میں نہ گھسنا' ان کے مال نہ لوٹنا اور عورتیں خواہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں ان پر دست درازی نہ کرنا۔'' (۱)

آخر کار جنگ ہوئی اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس جنگ کے دوران ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے' حضرت معاویہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہؓ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضورؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ **تـقـتـلـک الفئـيـة الـبـاغـيـه** (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا)'' (۲)

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی اس خبر کا راز کھل گیا کہ حضرت عمار کو ایک باغی گروہ شہید کرے گا اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی

۱۔ الطبری' ج ۴' ص ۶۔ ابن الاثیر' ج ۳' ص ۱۴۹ (خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۳۶)

۲۔ تمام مستند حوالوں کے ساتھ ''خلافت و ملوکیت'' صفحہ ۱۳۶' ۱۳۷

کہ حضرت علیؑ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ باغی ہیں۔"(۱)

مجھے اس سے غرض نہیں کہ جنگ صفین کے بارے میں مورخوں نے امیر معاویہ کے لئے کیا لکھا ہے' میں تو صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کو قتلِ حضرت عثمانؓ کا سبب قرار دینا ہی غلط تھا۔ اس بات کو مودودی صاحب نے واضح کیا ہے کہ:

"حضرت معاویہ شرعاً ولی مقتول بھی نہ تھے اور بالفرض اگر تھے بھی تو انہیں گورنر کی حیثیت سے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کا ہرگز کوئی حق نہ تھا۔"(۲)

پس جنگ کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ تاریخ نے حضرت علیؑ کی طاقت اور تلوار کی کاٹ کو ایک بار پھر دیکھ لیا۔ جس کے لئے رسولؐ کی رحلت کے بعد لوگ سمجھ بیٹھے تھے کہ خلافت کے لئے تلوار نہ اٹھانا حضرت علیؑ کی کمزوری تھی۔ حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد دوسرے ہی دن ۱۰ صفر کو معرکہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ تاریخ میں ہے کہ سامنے' پشت' دائیں اور بائیں ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے مگر علیؑ علیؑ ہی تھے نہ بدن پر زرہ تھی' نہ سر پر خُود' خود ہی زرہ تھے اور خود ہی سپر' ذوالفقارِ حیدری بلند ہوتی اور دشمنوں کا خون چاٹ جاتی۔ بڑے بڑے بہادروں کے کلیجے منہ کو آ گئے۔ بڑے بڑے سورما جو وار سے بچے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

تاریخ میں ہے کہ حیدرؑ کرار دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہ کے مقصودہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی صفوں میں پناہ لی تو حضرت علیؑ نے پکار کے کہا:

"اے معاویہ! ناحق لوگوں کی خونریزی سے کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ ہم تم نپٹ

۱۔ البدایہ' جلد ۷' ص ۲۷۰ (خلافت وملوکیت صفحہ ۱۳۸)

۲۔ خلافت وملوکیت صفحہ ۳۴۴

لیں، جو اپنے مقابل کو مارے، وہی امیر ہوگا۔

''عمرو بن العاص: یہ فیصلہ تو نہایت معقول ہے۔

معاویہ: تو پھر تم اس فیصلے کو اپنے لئے کیوں نہیں قبول کر لیتے۔

عمرو بن العاص: مقابلے کے لئے تجھے بلاتے ہیں میں کیوں جاؤں۔

معاویہ: کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ علیؑ کے مقابلہ کو جو شخص نکلا وہ پھر واپس نہیں آیا۔

عمرو بن العاص: اب تمہارے لئے مقابلے کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔

معاویہ: شاید تو میرے بعد ان چیزوں کا خواہاں ہے۔'' (علی ابن ابی طالب حصہ دوئم، پروفیسر اختر رضا زیدی)

بہر طور جنگ ہوئی اور میدان صفین کی اہم ترین و فیصلہ کن جنگ تھی جو تمام رات ہوتی رہی حتیٰ کہ صبح ہوگئی اور جنگ نے ختم ہونے کا نام نہ لیا۔

مودودی صاحب الطبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز ۱۰ صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے کہ ھذا حکم بیننا و بینکم (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے)۔ اس کی مصلحت حضرت عمرو عاص نے خود یہ بتائی کہ اس سے حضرت علیؑ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے۔ ہم مجتمع رہیں گے اور ان کے ہاں تفرقہ برپا ہو جائے گا۔

اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی (الطبری) اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی' قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔

اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن العاص کو امید تھی۔ حضرت علیؑ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علیؑ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔"

جبران خلیل کہتا ہے کہ حضرت علیؑ کی کیفیت اس پیغمبر جیسی تھی جو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوم کے لئے اور اپنے زمانے کے علاوہ دوسرے زمانہ کے لئے مبعوث ہوا ہو کیونکہ آپ سے قریب ترین تعلقات رکھنے والے اصحاب بھی آپ کو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ آپ کے لشکر میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ رہے جو خشک مزاج اور درشت خصلت تھے' وہ عہد و پیمان کر کے پیمان شکنی کرتے اور آپ کے خلاف ہنگامے کھڑے کرتے رہے۔ وہ لوگ بھی جو آپ سے محبت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور وہ لوگ جو بادلِ ناخواستہ آپ کی مدد کر رہے تھے۔ دونوں کی ایک ہی کیفیت تھی۔ انہی لوگوں میں سے ایک اشعث بن قیس بھی تھا جو انتہائی حریص اور ہوا و ہوس کا مجسمہ تھا۔ اس کی نیتیں ہمیشہ خراب رہیں اور اس نے حضرت علیؑ کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ غداری کی لیکن سب سے بڑی اور نمایاں غداری اس کی جنگ صفین میں ظاہر ہوئی۔ (ندائے عدالت انسانی' جارج جرداق صفحہ ۴۱۴)

تحکیم کے معاہدہ کی ضد پر حضرت علیؑ کے جذبات کا پتہ اور ''نہج البلاغہ'' میں درج انہی کے الفاظ سے چلتا ہے:

''خدا کی قسم! جب میں نے تمہیں تحکیم کے مان لینے کا حکم دیا تھا۔ اگر اسی امرِ ناگوار (جنگ) پر تمہیں لڑائے رکھتا کہ جس میں اللہ تمہارے لئے بہتری کرتا اور تم اس پر جمے رہتے تو میں تمہیں سیدھی راہ پر لے چلتا۔ اگر ٹیڑھے ہوتے تو تمہیں سیدھا کر دیتا۔ اگر انکار کرتے تو تمہارا تدارک کرتا تو بلاشبہ یہ ایک مضبوط طریقہ کار ہوتا لیکن کس کی مدد سے اور کس کے بھروسے پر! میں تم سے اپنا چارہ چاہتا تھا اور تم ہی میرا مرض نکلے۔ اس شخص کی طرح جو کانٹا کانٹے ہی سے نکالنا چاہتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ کانٹا کانٹے ہی کی طرف جھکتا ہے۔''

حضرت علیؑ کی اسلامی سیاست نہ سمجھنے والے دیکھیں کہ اوّل خلافت کے حصول کے لئے تلوار نہ اٹھا کر انہوں نے اسلام کی حفاظت کی اور صفین میں امت کو بچانے کے لئے تلوار روک کر تحکیم پر تیار ہوئے اور جیتی ہوئی جنگ کے باوجود مالک اشتر کو میدانِ جنگ سے واپس بلا لیا۔

حیرت اس بات پر ہے کہ جیسا پہلے درج ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کے متعلق جب یہ کہا تھا کہ ''تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا'' تو عمار کے قتل کے بعد باغی گروہ کے سردار کو خلیفہ کیسے بنایا جا سکتا تھا۔ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حکموں میں سے ایک نے کیا کیا اور دوسرے نے کیا' بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے کسی لفظ

سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کونہیں سونپا گیا تھا کہ وہ انہیں معزول کر دیں۔ پھر انہوں نے یہ بھی غلط فرض کرلیا کہ حضرت معاویہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں۔ حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خون عثمانؓ کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے۔ مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے حکم بنائے گئے ہیں۔ معاہدہ تحکیم میں اس مفروضے کے لئے کوئی بنیاد موجود نہ تھی۔ اسی بنا پر حضرت علیؓ نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''سنو! یہ دونوں صاحب جنہیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انہوں نے قرآن کے حکم کو پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنتِ ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں پہنچے تھے۔'' (۱)

دومۃ الجندل میں فیصلہ کے اوپر حضرت علیؓ کے مندرجہ بالا جملوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اپنی نوعیت کا غیر مہذب اور مضحکہ خیز فیصلہ تھا۔ نہ بحث ومباحثہ ہوا نہ معتبر گواہ تھے نہ قرآن اور سنت کی روشنی میں پرکھا گیا نہ تحریری شکل دے کر عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعری کے دستخط ہوئے۔ قرآن اور سنت کے نام پر بننے والی عدالت کے دونوں جج جاہل بھی نہ تھے وہ کوفہ اور مصر کے گورنر رہ چکے تھے لیکن انہوں نے فیصلہ ایسا صادر کیا جو کوئی جاہل بھی نہ کرتا جو کہ مہمل اور بے معنی تھا اور جس میں عمر

۱۔ الطبری۔ ج ۴۔ ص ۵۷ (خلافت وملوکیت صفحہ ۱۴۴)

بن العاص کی جانبداری بھی نمایاں تھی۔ چالاک دشمن اور نادان دوست کے فیصلے میں ایک اور جنگ نے جنم لیا جسے جنگ نہروان کہا جاتا ہے۔ جہاں تک جنگ صفین کے واقعات کا تعلق ہے اس میں حضرت علیؑ نے یہ ضرور ثابت کر دیا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب رہے' انہوں نے حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ امیر معاویہ اپنے لشکر کو لے کر شام سدھارے اور امت مسلمہ علیؑ کے حق پر متفق رہی۔ حیات حضرت علی تک پھر کسی کو خلافت پر دعویٰ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

جنگِ نہروان اور خوارج

تاریخی حقائق میں عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو شکست سے بچانے میں اپنی چالاک ذہنیت کو استعمال کر کے ایک تیر سے دو شکار کئے۔ ایک تو صفین کی ہاری ہوئی جنگ میں قرآن بلند کروا کر لڑائی بند کرانا' دوسرے تحکیم کا معاملہ اٹھا کر اپنے غلط فیصلے کے اعلان میں ایک فرقہ خوارج پیدا کرنا جو امیر المومنین کے لشکر کو چھوڑ کر چلے گئے اور پھر اپنے ہی ہادی و امیر کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوئے۔

حضرت علیؑ کو جن سیاسی واقعات و حادثات سے دوچار ہونا پڑا ان میں فتنۂ خوارج سے جنگ بھی شامل ہے جسے جنگِ نہروان کہتے ہیں کہ تمام خوارج وہیں اکٹھا ہو گئے تھے۔ حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کی کشمکش جو جنگِ جمل سے شروع ہوئی تھی وہ جنگِ نہروان تک پہنچ گئی۔ چالاک دشمن' نادان دوست اور آستین کے سانپوں میں سلامت رہنا صرف حضرت علیؑ جیسی عظیم شخصیت کا کام تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو وہ حالات کا شکار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتا۔ حضرت علیؑ اپنے انقلابی اور اصلاحی عمل پر کاربند رہے۔ اہلِ شام جو اپنی فکری' سیاسی' اقتصادی اور سماجی صورتحال کو امیر معاویہ

کی سربراہی سے وابستہ کئے ہوئے تھے وہ مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق صرف ملوکیت کا اثر تھا اور حضرت علیؑ ملوکیت ہی کے خلاف ایک سیسہ پلائی دیوار بنے ہوئے تھے۔

اثراتِ تحکیم

امیرالمومنین کی فوج میں جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کچھ جاسوس شامل تھے جسے تقریباً تمام مورخوں نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ دشمن کے ایجنٹوں کی چالاکیوں میں پھنس کر حضرت علیؑ کی فوج میں قرآن بلند ہونے پر کچھ لوگوں نے ضد کی کہ لڑائی روک کر فیصلہ قرآن کے مطابق کیا جائے۔ حضرت علیؑ کی مخالفت کے باوجود اصرار بڑھا تو اندرونی فتنوں کو روکنے کے لئے جیتی ہوئی بازی پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ حضرت علیؑ تو جانتے تھے اور اعلان بھی کیا تھا کہ یہ دشمنوں کا مکروفریب ہے اور انہیں دھوکہ دینے کی کوشش ہے لیکن اپنے مکارم اخلاق اور شریف النفسی میں اس لئے تحکیم پر تیار ہوئے کہ ان کے فوجی ساتھیوں کو چالبازی سمجھنے کا موقع فراہم کر دیا جائے۔ مروجہ قوانین اور مرتب کردہ جنگی قوانین کے مطابق تو عمرو بن العاص کو قبضے میں آنے کے بعد مار ڈالنا چاہئے تھا لیکن اس کی ناشائستہ حرکت' برہنہ ہو جانے پر' شرم و حیا اور شرافت طبعی نے اجازت نہ دی اور اسے چھوڑ دیا کہ شاید وہ راہ راست پر آ جائے۔ وہ اپنی اسلامی سیاست کی حقیقت سمجھانا چاہتے تھے اور جب ان کے ساتھیوں نے تحکیم کا نتیجہ سنا تو اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوئے۔ اب انہیں اس احساس نے پریشان کیا کہ تحکیم قبول کر کے وہ کافر ہو گئے اور انہیں توبہ کرنا چاہئے۔ اپنی اس کم عقلی کا جرم ساتھ لئے وہ حضرت علیؑ کے پاس گئے۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت امیرالمومنین نے فرمایا:

''میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ یہ دھوکہ ہے' فریب ہے' دشمن محض شکست سے بچنے کے لئے چال چل رہا ہے ورنہ کتاب اللہ کی درحقیقت ان کے دلوں میں کوئی وقعت نہیں تھی' اس کو محض انہوں نے ایک آڑ کے طور پر استعمال کیا تھا۔''

یہ لوگ اپنے کئے پر نہ صرف نادم تھے بلکہ چاہتے تھے کہ فیصلہ ہونے سے پہلے ہی جنگ پھر سے شروع کر دی جائے جس کے لئے مولا علیؑ نے فرمایا:

''ہم نے ایک عہد کیا ہے کہ اب جب تک فیصلہ سامنے نہ آ جائے اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ فیصلہ کتاب الٰہی اور سنت رسولؐ کے مطابق ہے یا نہیں ہم کوئی مزید کارروائی کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔''

فرقۂ خوارج کی ابتدا

جب کچھ لوگ بضد تھے کہ غیر اللہ کو حکم بنانا کفر ہے لہٰذا تحکیم کو توڑ کر جنگ ہونا چاہئے تو امیر المومنینؑ نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا:

''ہمیں پہلے حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنا ہوگا۔''

اس بات پر وہ اڑے رہے یہاں تک کہ غصہ میں آ کر حضرت علیؑ کے لشکر کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپ کی بیعت بھی توڑ کر آپ سے جنگ و پیکار پر تیار ہو گئے اس لئے خوارج کہلائے۔

حضرت علیؑ تحکیم کی بات سننے کے بعد صفین سے کوفہ چلے گئے تھے اور ابھی تحکیم کا فیصلہ ہونا باقی تھا کہ ایک بڑی تعداد جن کی ضد پر تحکیم قبول کی گئی تھی وہی لشکر چھوڑ گئی۔ ''بعض روایات میں ان لوگوں کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔''

جناب امیرؑ نے فرمایا:

''پہلے ان ہی لوگوں نے مجھے تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا' پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے فیصلہ ہونے سے پیشتر جنگ شروع کر دوں' خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا۔'' (۱)

امیر المومنینؑ کے اس اعلان کے وقت کچھ خوارج موجود تھے جنہوں نے ایک ساتھ نعرہ بلند کیا کہ ''لا حکم الا اللّٰہ'' (یعنی خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں) اور پھر رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور عبداللہ بن وہب الراسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور کوفہ' بصرہ' انبار' مدائن وغیرہ میں جس قدر لوگ اس فرقہ کے موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور انہوں نے وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔

جنگ کی ابتدا

خارجیوں نے معاملات دین میں حکم مقرر کرنا ہی سرے سے کفر قرار دیا تھا۔ تحکیم کا فیصلہ لوگوں کا تھا اور حضرت علیؑ نے اسے قبول کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا لیکن وہ کچھ سننے پر تیار نہ تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ''وہ دونوں اور ان کا انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون بہانا جائز ہے۔ انہوں نے عبداللہ بن خباب' ان کی اہلیہ ام ستان اور صیدایہ کو قتل کیا۔ انہیں جو ملا اس کو یا تو ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔''

امیر المومنینؑ کو ان خبروں کی اطلاع ملی تو حالات معلوم کرنے کے لئے انہوں

ا۔ ''حیدر کرارؑ'' الحاج سید نذر حسین شاہ مشہدی صفحہ ۲۱۳

نے حارث بن مرہ کو بھیجا اور وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت علیؑ جو نئے سرے سے معاویہ پر فوج کشی کی تیاری میں منہمک تھے اسے چھوڑ کر پہلے خارجیوں کو سبق سکھانے نہروان روانہ ہو گئے۔

جنگ کی ابتدا سے پہلے انہوں نے خارجیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ:
"تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے شاید خدا تم کو راہ راست پر لے آئے۔"

ان لوگوں نے جواب دیا "ہم سب نے انہیں قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں۔"

بہت کوشش کے باوجود خوارج اپنی ضد پر قائم رہے تو حضرت علیؑ اتمام حجت کے لئے خود گئے اور فرمایا کہ: "اے وہ گروہ! جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبولِ حق سے روکا ہے، تم لوگ شبہ اور غلطی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ میں تم کو اس سے متنبہ کرتا ہوں تا کہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خدا کے سامنے تمہارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے حکمین سے یہ شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے؟ میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے لیکن تم ہی نے اسے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اس شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کریں گے جسے قرآن نے ختم کیا ہے لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کر کے کتاب وسنت کی مخالفت کی اس لئے ہم نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا ہے اور اب ہم پچھلی حالت پر لوٹ آئے ہیں۔"

خوارج نے جواب دیا کہ "جب ہم نے تحکیم کی تجویز قبول کی تھی اس وقت ہم

کافر ہو گئے تھے اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

جناب امیرؑ نے فرمایا "اگر میں کفر کا اقرار کرلوں تو گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ مناسب صورت یہی ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس بھیجو تا کہ ہم مل کر آپس میں گفتگو کریں۔ اگر وہ مجھے قائل کر دے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کرلوں گا اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو خدا سے ڈرنا چاہئے۔" (اخبار الطّوال صفحہ ۲۲۱، ۲۲۲)

خارجیوں نے اس تجویز پر عبداللہ بن الکواء کو گفتگو کے لئے بھیجا۔ جناب امیرؑ نے اس سے گفتگو کی اور فرمایا: "خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو حکم بنانے کی اجازت ہے لیکن اگر امت محمدیہ میں اختلاف ہو جائے تو حکم بنانے کی اجازت نہیں۔" کیا ساری امت محمدیہ کی حیثیت ایک میاں بیوی جتنی بھی نہیں؟" پھر فرمایا "کتاب اللہ خود نہیں بول سکتی اس کے لئے ایسے آدمی چاہئیں جو اسے پڑھ کر اس کے مطابق فیصلہ کریں۔" (ماخوذ از "حیدر کرارؑ" سید نذر حسین شاہ۔ صفحہ ۲۱۵)

خوارج سے جنگ

حضرت علیؑ سے گفتگو کے بعد خوارج نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ حضرت علیؑ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کو امان کا علم دیا اور اعلان کرادیا کہ "جو شخص اس علم کے نیچے آجائے وہ مامون ہے اور جو خارجیوں کا ساتھ چھوڑ کر چلا جائے وہ بھی مامون ہے۔"

اس اعلان کے بعد ایک خارجی سردار فردہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں

سے کہا کہ: ”ہمارے پاس علیؑ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے لوٹ چلنا چاہئے اوراس وقت تک کوئی حصہ نہ لینا چاہئے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کر لینے میں کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں۔“

تاریخ میں ہے کہ وہ پانچ سو آدمیوں کو لے کر چلا گیا۔ ایک جماعت کوفہ واپس گئی۔ ایک ہزار حضرت علیؑ کے امان کے علم کے نیچے آ گئے اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ چار ہزار خارجی رہ گئے۔

حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکا لیکن خارجیوں نے **لاحکم الا اللہ** کا نعرہ لگا کر حملہ کیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ خارجی جوش وخروش سے لڑے مگر حضرت علیؑ کے پہلے ہی حملے میں خوارج کی فوج منتشر ہوگئی۔ میمنہ ومیسرہ کی ترتیب جاتی رہی۔ سرعت کے ساتھ خارجی قتل ہوتے رہے۔ وہ جنگ کیسی چھوٹا موٹا معرکہ نظر آتا تھا۔ ایک ایک کر کے سارے خارجی مارے گئے۔ مال واسباب پر قبضہ کر لیا گیا' غلاموں اور عورتوں کو چھوڑ دیا گیا اور جیسا کہ حضرت علیؑ نے کہا تھا کہ ان کی جانب سے دس آدمی بھی نہ مارے جائیں گے وہی ہوا کہ کل سات سپاہی کام آئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ”خوارج کے نو آدمی بھاگ کر ہلاک ہونے سے بچ گئے اور حضرت کے صرف آٹھ آدمی شہید ہوئے۔“

سیاست علویہؑ

انسان فطری طور پر معاشرہ پسند ہے۔مل جل کر اجتماعی یا معاشرتی زندگی گزارنا اس کی ضرورت ہے لیکن ضروریات میں تنوع کے باعث دنگا فساد اور چھینا جھپٹی کا بھی احتمال ہے اس لئے اسے ایک سہارے کی ضرورت ہے جو امن و آشتی قائم کر سکے۔ ان فیصلوں کے حصول میں حاکم ومحکوم کا تصور پیدا ہوتا ہے جس سے زبردستی اور زیردستی کے رشتے جنم لیتے ہیں۔انہی رشتوں میں حکم اور قانون کے ساتھ ان پر عمل کرنے کے انداز دیکھ کر ہی اچھا اور برا معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ اس لئے علم جو منظّم معاشرے یا ریاست کا مطالعہ کرنے لگتا ہے اور اپنی کامیابی کے ذرائع تلاش کرتا ہے علم سیاست کہلاتا ہے۔

یوں تو سیاسی مفکرین ڈاکٹر سٹفنز لیکاک' پروفیسر گارنر اور فرانسیسی مصنف پال جینٹ وغیرہ نے سیاست کی تشریح کی ہے لیکن ایڈورڈ جنکس نے قدرے بہتر انداز میں لکھا ہے کہ ''سیاسیات سے ہمارا مطلب کاروبارِ حکومت ہے یعنی ان لوگوں کو قابو

میں رکھنا ہے اور انتظام کرنا ہے جو باہم معاشرے میں رہتے ہوں۔"(۱)

سیاسیات کا علم بہت قدیم ہے۔ جس کا آغاز قدیم یونان کے مفکرین افلاطون اور اس کے شاگرد ارسطو کے غور و خوض سے شروع ہوا۔ اردو زبان میں لفظ سیاست عربی لغت "المنجد" کے حوالے سے "السیاستہ" یعنی ملکی تدبر و انتظام" کہا جاتا ہے۔ اب یہ لفظ اصطلاح کے طور پر انگریزی زبان کے لفظ پالیٹکس کے ہم معنی ہے جو یونانی زبان ہی کا ماخذ ہے۔

تاریخی طور پر سیاستِ عرب کو آپ جو معنی بھی دیں صرف دو رخ نظر آتے ہیں۔ ایک اسلام سے پہلے کی سیاست جسے دنگا فساد' دھینگا مشتی' زبردستی و زیردستی' جہالت و کفر سازی' قبیلوں اور سرداروں کے زیر اثر لوٹ کھسوٹ و معرکہ آرائی وغیرہ جسے آپ صحرائی یا دنیاوی سیاست کہہ سکتے ہیں۔

دوسری اسلامی سیاست ہے جسے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رائج کیا جس میں اخوت' محبت و بھائی چارگی کے ساتھ خدائے واحد کی ازلی و ابدی حکومت کا اعلان ہوا' جس سے شمع اسلام کی تیز لو میں کون و مکان جگمگا اٹھے اور اسلام کا مرکزی نقطہ پھیل کر وسیع دائرہ بنتا گیا اور پھر جس میں علیؑ کا کردار رسولؐ کے الفاظ میں "کل ایمان" بن کر ابھرا۔

رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد جو تنازع ہوا وہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ میں تو صرف حضرت علیؑ کی اسلامی سیاست دیکھ رہا ہوں کہ حق ہوتے ہوئے انہوں نے خلافت کے لئے تلوار نہ اٹھائی کہ کہیں اسلام خطرے میں نہ پڑ جائے۔ ان کی سیاست

۱۔ تاریخ سیاسیات از پروفیسر اڈورڈ جنکس مترجم مولوی محمد عبدالقوی صاحب (دارالمطبع عثمانیہ) صفحہ ا

میں دنیوی اقتدار نہ تھا' انہیں امت رسولؐ تعلیمات رسولؐ اور ملت کی بقا زیادہ محبوب تھی اس لئے خلفاء کو مشورے دیئے اور مقدمات کے اسلامی فیصلے کئے۔ خلیفہ دوم کے بعد انہیں طویل وعریض حکومت مل رہی تھی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بجز رسولؐ کسی سیرت پر عمل نہ کریں گے۔ سیاسی طور پر خلافت کے خواہاں صرف اس لئے تھے کہ دنیا کو سیرت رسولؐ پر چلائیں ورنہ انہیں حکومت نہ مرغوب تھی نہ محبوب۔ انہیں صرف اصولوں سے پیار تھا' پچیس برس بعد صرف سیرت رسولؐ پر عمل پیرا رہنے کی شرط پر خلافت قبول کی۔ کیا وہ یہ نہ جانتے تھے کہ اپنی خلافت قبول کرتے ہی امیر معاویہ کو گورنری کے عہدے سے ہٹانا دنیاوی سیاست کے منافی ہے لیکن اسلامی سیاست میں انہیں گورنری سے ہٹانا ضروری تھا۔ حوالہ دے چکا ہوں کہ مودودی صاحب نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ پچیس سال تک وحی الٰہی کے سایہ میں پرورش پانے والے علیؑ نبوت کے کار رسالت سے خوب واقف تھے۔

امیر معاویہ کی سیاست کو کامیاب اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ آج ظلم وستم کی شاخیں انہی کی ملوکیت کی سیاسی جڑوں سے نکلیں جبکہ حضرت علیؑ کی سیاست آج انسانیت کی اہم ضرورت ہے جو کائنات کے ہمہ گیر اور غیر متزلزل قوانین پر مبنی ہے یا اس طرح کہیں کہ امیر معاویہ کی سیاست ملوکانہ ہے جبکہ حضرت علیؑ کی سیاست پیغمبرانہ ہے۔

جارج جرداق نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ تدبیر وسیاست میں اس درجہ پر فائز تھے جو عرب کے بڑے بڑے مدبرین اور سیاسی شخصیتوں کو حاصل نہ ہوا۔ سیاسی معاملات اور جنگی امور میں وہ اتنے دوربین اور گہری نظر رکھنے والے' لوگوں کے نفوس کی حالت اور ان کی اندرونی کیفیت سے اتنے باخبر تھے' عواقب ونتائج پر اتنی دسترس اور لوگوں کی ہوا وہوس اور ان کے ہتھکنڈوں سے اتنے واقف تھے کہ جتنے امیر معاویہ

تھے نہ ان کے جیسے دوسرے افراد لیکن حضرت علیؑ سیاسی جوڑ توڑ اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو انتہائی عیب سمجھتے تھے اور ہر اس بات سے متنفر تھے جو انسان کو شرمندہ اور بے آبرو کردے۔ وہ مکروفریب سے خواہ وہ کتنا ہی کامیابی کا باعث کیوں نہ ہو اپنے نفس کو پاک رکھتے تھے۔ انہیں صرف صداقت و استواری پسند تھی۔ ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا:

"خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں لیکن وہ غدار و بدکار ہیں۔ اگر غداری سے مجھے نفرت و بیزاری نہ ہوتی تو میں عرب کا چالاک ترین انسان ہوتا۔"(۱)

سیاست پر عبور رکھتے ہوئے حضرت علیؑ نے اشعث بن قیس کے مشورے میں پنہاں اسکے جنگ کے تاخیری حربہ میں شام کی امداد کو سمجھ لیا تھا جیسا کہ "بعض مورخین نے صراحت کی ہے کہ یہ شام جا کر معاویہ سے ملا، ان سے بیشمار دولت حاصل کی اور آئندہ کے واقعات کا انتظار کرنے لگا"(۲) بہرطور امیر المومنینؑ نے لشکر کی زبوں حالی دیکھتے ہوئے سرِ دست جنگ کا ارادہ ملتوی کیا اور کوفہ میں اقامت پذیر ہوگئے۔ جنگ کے بارے میں انہیں ختم المرسلینؐ کے درج ذیل ارشادات بھی یاد آئے ہوں گے۔

ا۔ "خیبر کی فتح والے دن جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا "اگر میری امت کے لوگ تمہارے حق میں وہ باتیں نہ کہنے لگتے جو نصاریٰ عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو آج میں تمہارے متعلق وہ حقائق آمیز کلمات کہتا کہ پھر جس جماعت مسلمین کی طرف سے گزر جاتے تو تمہارے پیروں کے تلے کی مٹی اور غسل کا پانی لیتے تاکہ اس

ا۔ "ندائے عدالت انسانی" جارج جرداق۔ ص ۴۲۳۔۴۲۴

۲۔ "ندائے عدالت انسانی" جارج جرداق۔ صفحہ ۴۲۷۔

سے اندرونی اور بیرونی امراض سے صحت حاصل کریں۔ اے علیؑ! تو میری ذمہ داریوں کو پورا کرے گا اور میری سنت کے لئے جنگ کرے گا۔"(۱)

۲۔ "اے علیؑ! تم صحیح تاویل قرآن کے لئے لڑو گے جس طرح میں تنزیل قرآن کے لئے لڑا ہوں۔"(۲)

۳۔ "اے علیؑ لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے بھرے ہوئے ہیں جن کو یہ لوگ میرے بعد ظاہر کریں گے۔"(۳)

۴۔ "اے علیؑ! میرے بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا کرے گی۔ تم میری ملت پر زندہ رہو گے اور میری ملت پر قتل کئے جاؤ گے۔"(۴)

جنگ نہروان یا خوارج سے جنگ حضرت علیؑ کے دور خلافت کی آخری جنگ تھی۔ حضرت علیؑ کی جنگوں کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"وہ لوگ بھی جو پہلے حضرت علیؑ اور ان کے مخالفین کی لڑائیوں کو محض فتنہ سمجھ کر غیر جانبدار رہے تھے یہ اچھی طرح جان گئے کہ حضرت علیؑ کس چیز کو قائم رکھنے اور امت کو کس انجام سے بچانے کے لئے اپنی جان کھپا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے آخری زمانے میں

۱۔ امام احمد بن حنبل، شیخ سلیمان۔ احمد الخوارزمی۔ کتاب مناقب۔ عن جابر بن عبداللہ (حیدر کرار صفحہ ۲۱۸)

۲۔ امام احمد حنبل، مسند الجزء الثالث صفحہ ۳۳، شیخ سلیمان مفتی اعظم استنبول، ینابیع المودۃ صفحات ۵۹، ۲۰۹ اور ۲۳۳، محب الدین طبری، ابن حجر مکی۔ الحاکم (حیدر کرار صفحہ ۲۱۷)

۳۔ محب الدین طبری، ریاض النظرہ الجزء الثانی صفحہ ۲۱۰۔ نور الابصار صفحہ ۱۰۳/۱۷۔ شیخ یوسف وغیرہم

۴۔ علی المتقی، کنزل العمال، الجزء السادس صفحہ ۱۵۷، حدیث ۲۶۱۵۔ الحاکم، مستدرک ثمر ل الابرار ص ۲۹ (حیدر کرار صفحہ ۲۱۷)

کہا: ''مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کا ساتھ کیوں نہ دیا۔'' (ابن سعد' ابن عبدالبر الاستیعاب) ابراہیم النخعی کی روایت ہے کہ مسروق بن اجدع حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے (الاستیعاب) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے (الاستیعاب) حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفۂ راشد کے شایان شان تھا۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ ۱۴۵)

حضرت علیؓ کو مجبوراً جتنی بھی لڑائیاں لڑنا پڑیں ان کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''تمام فقہاء ومحدثین ومفسرین نے بالاتفاق حضرت علیؓ کی ان لڑائیوں کو جو آپ نے اصحاب جمل' اصحاب صفین اور خوارج سے لڑیں' قرآن مجید کی آیت **فان بغت احدھما علی الاخری فقاتلو التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ** کے تحت حق بجانب قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک آپ امام اہلِ عدل تھے اور آپ کے خلاف خروج جائز نہ تھا۔ میرے علم میں کوئی ایک بھی فقیہ یا محدث یا مفسر ایسا نہیں ہے جس نے اس سے مختلف کوئی رائے ظاہر کی ہو۔ خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے تو بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے

بغاوت کے مرتکب تھے۔" (خلافت وملوکیت صفحہ ۳۳۸)

جارج جرداق لکھتے ہیں کہ:

"دنیا میں آج تک جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں خواہ کسی زمانہ میں یا کسی شہر میں ان کی پوری تاریخ دیکھی جائے آپ کو حضرت علیؑ جیسا نہ کوئی شریف النفس انسان ملے گا نہ دریا دل اور فیاض طبیعت، نہ حضرت علیؑ کے طرزِ عمل سے بڑھ کر شریفانہ طرزِ عمل آپ کو نظر آئے گا۔" (ندائے عدالت انسانی" جارج جرداق صفحہ ۳۸۶)

یہ ہے علیؑ کی سیاست کہ جنگ میں ان کا ساتھ نہ دینے پر لوگ افسوس کرتے رہے۔ ان کی خاموش سیاست ہو یا میدانِ جنگ میں عملی، ہر دو صورتوں میں وہ کامیاب رہے۔ مودودی صاحب نے "خلافت وملوکیت" میں صفحہ نمبر ۹۰ پر علیؑ کی سیاست کا ایک اور رخ بیان کیا ہے کہ "جس زمانے میں حضرت معاویہ سے ان کا مقابلہ درپیش تھا لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس طرح حضرت معاویہ لوگوں کو بے تحاشا انعامات اور عطیے دے دیکر اپنا ساتھی بنا رہے ہیں آپ بھی بیت المال کا منہ کھولیں اور روپیہ بہا کر اپنے حامی پیدا کریں مگر انہوں نے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ "کیا تم چاہتے ہو میں ناروا طریقوں سے کامیابی حاصل کروں۔" (۱)

اسے کہتے ہیں اسلامی سیاست کے رہنما اصول جو حضرت علیؑ نے عملی طور پر پیش کیے۔

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ۔ ج ۱۔ ص ۱۸۲، دار الکتب العربیہ، مصر ۱۳۲۹ھ۔

حضرت علیؑ کو شہید کرنے کی سازش

شام پر حملہ کرنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی' لشکر تیار تھا۔ دس ہزار جانبازوں کو امام حسینؑ کے ماتحت کیا۔ دس ہزار کو قیس بن سعد بن عبادہ کی ماتحتی میں کیا۔ اسی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ماتحت دس ہزار جانباز رکھ کر باقی کے لشکر پر مختلف امیر نامزد کیے۔ ساٹھ ہزار کا لشکر جرار جس نے جناب امیرؑ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی جب تیار ہو گیا تو آپ نے آخری حجت کے طور پر معاویہ بن ابوسفیان کو خط لکھا:

''حیدر کرار'' میں الحاج سید نذر حسین شاہ نے صفحہ ۲۶۵۔۲۶۶ پر تفصیلی خط درج کیا ہے۔ میں اس کی چند سطور نقل کر رہا ہوں۔

> ''خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں' ایسی قسم جس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں کہ قسمت نے اگر مجھے اور تمہیں کبھی یکجا کر دیا تو تمہارا وہ حال کروں گا کہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں ضرب المثل بن جاؤ گے۔ خود تمہارے گھر میں گھس کر تمہیں جھنجھوڑتا رہوں گا یہاں تک کہ خدا ہم دونوں میں فیصلہ کر دے۔''

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ چند کٹر قسم کے خوارج اکٹھا ہوئے جن کے اعزہ و رفقاء نہروان کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ مکہ میں یہ سازش تیار کی گئی کہ ہم پوری اسلامی تاریخ بدل دیں گے اور حضرت علیؑ ابن طالب' امیر معاویہ بن ابوسفیان اور حاکم مصر عمرو بن عاص کو قتل کر دیں گے۔

عمرو بن بکر تمیمی نے کہا: ''میں حاکم مصر عمرو بن عاص کو قتل کروں گا کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے'' برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا ''میں معاویہ بن ابوسفیان کو قتل

کروں گا کیونکہ اس نے قیصریت قائم کی ہے۔"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علیؑ ابن ابی طالب کے نام سے دل کانپتے اور جگر تھراتے تھے بالآخر عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی۔

"میں علیؑ کو قتل کروں گا۔"

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی تاریخ مقرر کی گئی۔ عہد و پیمان کر کے سب اپنی اپنی مقررہ منزل تک پہنچنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

تاریخ میں درج ہے کہ "مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا' یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ عبدالرحمٰن ان کے یہاں آتا جاتا تھا۔ ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ انہی میں ایک خوبصورت قطامہ بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی' عبدالرحمٰن اس پر عاشق ہو گیا۔ سنگدل نازنین نے کہا۔ "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں وہ ادا کرو۔" ابن ملجم راضی ہو گیا۔ قطامہ نے اپنا مہر یہ بتایا کہ تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک کنیز اور علیؑ کا قتل۔"

عبدالرحمٰن نے کہا: "منظور ہے' مگر علیؑ کو کیوں کر قتل کروں؟"

خونخوار معشوقہ نے جواب دیا۔ "چھپ کر۔"

روایتوں سے ثابت ہے کہ جناب امیرؑ کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم کی طرف دیکھتے ہوئے محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ "خدا کی قسم مجھے آنحضرتؐ نے بتلایا ہے "میری موت قتل سے ہوگی۔"

عبدالرحمٰن بن ملجم دو دفعہ بیعت کے لئے آیا مگر آپ نے لوٹا دیا' تیسری دفعہ آیا تو آپ نے فرمایا۔ "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے۔ واللہ یہ

چیز (اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کر کے) ضرور رنگی جانے والی ہے۔"

کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے۔ "تمہارے سب سے زیادہ بد بخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے اور انہیں مجھ سے راحت دے۔"

ایک دن خطبہ میں فرمایا:

"قسم اس پروردگار کی جس نے بیج اگایا اور جان پیدا کی۔ یہ ضرور اس سے رنگی جانے والی ہے (اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کر کے) بد بخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کی۔ "امیر المومنینؑ! ہمیں اس کا نام بتایئے۔ ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے۔" فرمایا "تم ایسے آدمی کو قتل کرو گے جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا ہے۔"

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر عرض کی "ہوشیار رہیئے کیونکہ قبیلۂ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں۔"

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اسے دیکھ کر عمرو بن معد یکرب کا ایک شعر پڑھا کرتے۔ ابن ملجم برابر صفائی پیش کر کے برأت کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا "جو بات ہونے والی ہے ہو کر رہے گی۔"

اس پر بعض لوگوں نے کہا۔ "آپ اسے پہچان گئے ہیں پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟"

فرمایا۔ "اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں؟"

امیر المومنین اپنے گھر چلے گئے۔ (ماخوذ از حیدر کرار، سید نذر حسین شاہ مشہدی)

حضرت علیؑ کی شہادت

کبھی حالات ہمارے قابو میں ہوتے ہیں اور کبھی ہم حالات کے تابع ہوتے ہیں اور یہ عمل مسلسل ہے جو وقت کی طرح کبھی نہیں رکتا ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وقت کو طنابیں ڈال کر کوئی اپنے بس میں نہیں کر سکا۔ کوئی ہاتھ میں نہیں لے سکا۔ جو شخص عمرو بن عاص کو قتل کرنا چاہتا تھا کامیاب نہ ہوا کیونکہ عمرو بن عاص کی طبیعت کی خرابی ہی ان کے لئے باعث سلامتی قرار پائی کہ وہ گھر ہی سے نہ نکلے اور کوتوال شہر خارجہ بن حذافہ کو نماز کے لئے بھیج دیا۔ وہ نکلے تو عمرو بن بکر نے انہی کو عمرو بن عاص سمجھ کر قتل کر دیا۔ قاتل اسی وقت پکڑا گیا اور پھر عمرو بن عاص کے حکم پر اس کی گردن اڑا دی گئی۔

برک بن عبداللہ مسجد میں معاویہ بن ابی سفیان کا انتظار کر رہا تھا جیسے ہی وہ آئے ان کے سر پر تلوار کا وار کیا مگر بجائے سر کے تلوار ان کے سرین پر پڑی اور امیر معاویہ کی جان بچ گئی۔ امیر معاویہ نے اسے قید کر دیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسے قتل کر دیا۔

رمضان ۴۰ھ کی رات کرب و بے چینی کی رات تھی۔ ابن ملجم حضرت علیؑ پر وار کرتے ہوئے اب بھی گھبرا رہا تھا۔ رات بھر اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریکِ کار بنالیا۔ دونوں موقع کی تلاش میں تلوار لے کر مسجد میں بیٹھ گئے۔

حضرت علیؑ کے آخری لمحات

تاریخ میں ہے کہ اس رات امیر المومنینؑ کو نیند نہیں آئی۔انہیں یقین تھا کہ یہ آخری شب ہے جس میں پیغمبرؐ کے قول کے مطابق صبح داڑھی خون سے رنگی جائے گی۔انسان چند لمحوں میں اپنے گزشتہ واقعات سوچ لیتا ہے۔حضرت علیؑ نے بھی اپنے رب اور رسولؐ خدا کی عنایات کے ساتھ اپنی خدمات کو بھی یاد کیا ہوگا۔

اللہ نے کعبہ میں پیدا کیا' اس سے بڑا رتبہ کیا ہوگا' رسولؐ اللہ نے لعاب دہن چوسایا' خود پرورش و پرداخت کی' دعوت ذوالعشیرہ میں اپنا وصی' جانشین اور خلیفہ بنایا' پھر دامادی کا شرف بخشا' بت شکنی کے وقت اپنے کندھوں پر سوار کیا' جنگِ خندق میں کل ایمان کی سند دی' علم و حکمت سے اتنا نوازا کہ میں سلونی کا نعرہ لگانے کا اہل ہوا' امیر المومنین کا خطاب دیا' مجھ سے محبت ایمان اور مجھ سے بغض کفر قرار دیا' مجھے اپنا نفس کہا' شب ہجرت اپنے بستر پر سونے کا اعزاز عطا کیا' مجھ پر اتنا بھروسہ کیا کہ امانت وغیرہ میں واپس کروں' میری مدح و ثنا میں بے شمار احادیث فرمائیں' حکم دیا کہ میرے بعد دلبرداشتہ ہوکر فوری جنگ نہ کرنا' موقع آنے پر منافقوں سے جنگ کرنا۔ کتنے بڑے احسانات کیئے ہیں رسولؐ نے مجھ پر۔

کروٹ بدل کر ایک بار پھر ذہن گذشتہ واقعات کو دہرا رہا ہوگا کہ خداوند عالم نے مجھے ایسی قدرت' کرامت اور فضیلت دی کہ میرے ذریعہ وہ اپنی مخلوق پر اپنی حجت قائم کرے۔میری قدرت و کرامت سے لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ (ایک فرقہ) نے مجھے خدا کہہ دیا حالانکہ قدرت و اقتدار حاصل ہونے کے باوجود بھی میں اپنے معبود کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہوں۔اپنے سجدوں سے اس کی عظمت

وجلالت بتاتا رہا ہوں۔ میں نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ''ہمیں عبودیت کے درجے سے نہ ہٹاؤ پھر جو چاہتے ہو ہماری شان میں بیان کرو مگر پھر بھی تم ہماری شان تک نہیں پہنچ سکتے اور دیکھو غلو سے بچو اور غلو نہ کرو جو نصاریٰ نے کیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کو خدا بنالیا ہے کیونکہ میں ایسا کرنے والوں سے بے تعلق ہوں۔''(۱) ''ایسے ہی غالیوں کو کل میری شہادت کے بعد علم ہو جائے گا کہ میں صرف اللہ کا عبادت گزار بندہ ہوں۔''

پھولوں کی سیج پر آرام کی نیند سونا آسان ہے مگر کانٹوں پر بستر لگائے رکھنا مشکل ہے۔ آج کی شب حضرت علیؑ اپنے معبود کے شکر گزار اس کی لامتناہی عنایتوں پر مسرور' اس سے ملاقات کے مشتاق کروٹوں پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ انہیں وہ لمحات بھی یاد آرہے ہوں گے جب پیغمبرؐ کو آخری غسل دے رہے تھے اور دختر رسولؐ بچوں کو سنبھال رہی تھیں۔ امام حسنؑ تو سات سال کے تھے' امام حسینؑ بھی چھ سال کے تھے' بی بی زینبؑ پانچ سال کی اور ام کلثومؑ تو اس وقت تین ہی سال کی تھیں۔ میرے جگر کے ٹکڑوں نے ماں کے ساتھ نانا کے آخری دیدار میں کیا حالت بنا رکھی تھی۔ رحلت پیغمبرؐ کے بعد میرا حقِ خلافت تو جانے دیں رسولؐ کی بیٹی کا حق باغ فدک بھی نہ ملا۔ رسولؐ کے احکامات پر خاموشی اختیار کی اور جبر برداشت کرتا رہا۔ ہمیشہ رسولؐ کے احکامات پر عمل کیا اور پچیس سال خاموش رہ کر تلوار نہیں اٹھائی لیکن خلفاء کو مشوروں اور فیصلوں سے دین واسلام پر حرف نہیں آنے دیا۔ لوگوں نے پچیس سال بعد خلافت کا بوجھ ڈال دیا اس میں بھی ہمیشہ کی طرح فلاح دین کو مقدم جانا۔ نہ صرف اسلامی حکومت کا خاکہ پیش کیا بلکہ اس پر عمل بھی کر کے دکھایا جس کے لئے تین لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

۱۔ ''کشف العقائد'' سید باقر نثار زیدی صفحہ ۴۴ بحوالہ تفسیر سورۂ نساء' آیت ۱۷۱

حضرت امام حسنؑ سے روایت ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا:۔

''فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی' خواب میں رسول اللہؐ کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا'' یارسول اللہؐ! آپ کی امت سے میں نے بڑی تکلیف پائی''۔ فرمایا'' دعا کرو کہ خدا تمہیں ان سے چھٹکارا دے دے''۔ اس پر میں نے دعا کی'' خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے''۔ حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ:''اسی وقت موذن ابن البناح حاضر ہوا اور پکارا ''لوگو! نماز''۔ میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اٹھے۔ ابن البناح آگے تھا' میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا''لوگو! نماز''۔ روز آپ کا یہ دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے واسطے مسجد میں آنے کے لئے جگاتے تھے۔''

مسجد میں ابن ملجم چھپ کر موقع کی تاک میں لیٹا ہوا تھا۔ اذان ہوگئی۔ حضرت علیؑ کی امامت میں نماز شروع ہوئی۔ آپ سجدہ میں تھے کہ ابن ملجم نے زہر میں بجھائی ہوئی تلوار کا بھرپور وار کیا۔ تلوار کا وار آپ کی پیشانی پر پڑا۔ اس کی دھار دماغ تک اتر گئی زخم کھاتے ہی آپ نے بہ آواز بلند فرمایا:''فزت برب کعبہ''۔ (کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہوگیا) (خصائص امیر المومنین۔ ص۳۶' ارشاد مفید۔ ص۵۱)

ضربت پر اعلانِ کامیابی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمحوں کا عمل طلمساتی ہوتا ہے' کاٹ کھانے والے لمحات شفقتوں کے ضامن بنتے ہیں تو کبھی کوفت دینے والی گھڑیاں خوشی وانبساط کا رنگ و

روپ دھار لیتی ہیں لیکن یہ سب عارضی باتیں ہیں۔ موت کو گلے لگا کر کوئی اپنی کامیابی کا اعلان نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ نے ضربت لگنے پر اپنی کامیابی کا اعلان کیا جو آج تک باعثِ حیرت ہے۔

ا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ کعبہ میں ولادت، جوانی میں تمغۂ شجاعت، بعد رسول امامت منجانب اللہ ورسولؐ، پیری میں خلافت، کسی چیز کے ملنے پر علیؑ نے کامیابی کا اعلان نہ کیا اور اعلان کرتے ہیں تو بارگاہ الٰہی میں جانے کے لئے شہادت کا انتظام ہونے پر، گویا کعبہ میں پیدا ہو کر مسجد میں شہادت ہی ان کی معراج ہے اور یہی ان کی کامیابی ہے جس کا اعلان کیا۔

۲۔ علیؑ نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان کے فضائل وکمالات کو غلو کی حد تک پہنچا دیا جائے، ضربت لگنے پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ نہیں۔ اللہ نے ان کی عبدیت کی لاج رکھ لی اور اسی کامیابی کا انہوں نے اعلان کیا۔

۳۔ حضرت علیؑ کو سرور کائنات نے بیشمار اسناد عطا کئے، فضائل اس طرح بیان کئے کہ: اگر تمام دنیا کے دریا سیاہی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں اور جن وانس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں تب بھی علیؑ ابن ابی طالب کے فضائل کا احصاء نہیں کر سکتے'' (ا) اس سے زیادہ تعریف کیا ہو سکتی ہے، مگر علیؑ اپنی کامیابی کا اعلان نہیں کرتے۔

۴۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنے شہر علم کا دروازہ کہا، دنیا کے تمام علوم کا واقف وماہر بنایا کہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر سلونی کا دعویٰ بھی کیا۔ کسی کامیابی کا اعلان نہ ہوا۔

ا۔ کشف الغمہ ص ۵۳ وارجح المطالب (''چودہ ستارے'' مولانا نجم الحسن کراروی۔ صفحہ ۱۳۳)

۵۔ یہ بھی ایک عظیم حقیقت ہے کہ جنگ احد ہو یا بدر، جنگ خندق ہو یا خیبر، کل کفر کے مقابلے میں رسولؐ سے کل ایمان ہونے کی سند ملے، جنگ حنین ہو یا جنگ بیر العلم جس میں ۲۰ ہزار جنوں کو قتل کر کے ۲۴ ہزار قبائل کو مسلمان بنایا (۱) کوئی بتلا سکتا ہے کہ ان تمام فتوحات میں کبھی علیؑ نے کامیابی کا خود اعلان کیا۔ یہاں تو بس رضائے الٰہی ہی مقصود تھا۔

دراصل کامیابی اور ناکامی کا معیار ہی مقصد کا حصول ہے، مقصد فوت ہو جائے تو راحت اور دولت کے انبار فضول اور بے معنی ہیں۔ علیؑ کا مقصد ہی یہ تھا کہ دین و اسلام سلامت رہے۔ اس کے لئے وہ رسولؐ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی دن و رات محنت کرتے رہے اور یہی جذبہ حفاظت دین و اسلام تھا جو کامیابی کے اعلان میں پنہاں تھا۔

وقت آخر

ضربت کے بعد عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا گیا۔ آپؑ نے حضرت امام حسنؑ سے فرمایا:

> ''یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع کرو، اچھا کھانا دو، نرم بچھونا دو، میں اگر زندہ رہا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہوں گا۔ قصاص لوں گا یا معاف کر دوں گا۔ اگر میں مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا''۔

آپ کے لئے جو دودھ کا پیالہ تیار کیا گیا تھا اس کو ابن ملجم کو پلوا دیا پھر نصیحتیں

ا۔ متعدد حوالوں کے ساتھ ''چودہ ستارے'' مولانا نجم الحسن کراروی۔ صفحہ ۱۲۴۔ ۱۲۵

فرمائیں۔

۱۹ رمضان بروز جمعہ صبح حضرت علیؑ کے فرق مبارک پر ضربت لگی تھی دو دن کرب و بے چینی میں گزارے مگراف نہ کی۔ کچھ دیر بعد بے ہوش ہوئے۔ ہوش آنے پر اپنے صاحبزادوں' حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بلا کر فرمایا۔

''میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا۔ اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اس پر نہ کڑھنا۔ ہمیشہ حق بات کرنا' یتیم پر رحم کھانا' بے کس کی مدد کرنا' آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی بننا۔ کتاب اللہ پر چلنا' خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا''۔

یہ صرف بیٹوں ہی کے لئے نہیں سارے زمانے کے لئے وصیت تھی۔ وقت آخر تک وصیت کا سلسلہ جاری رہا اور اکیسویں ماہ رمضان ۴۰ھ کو آپ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت علیؑ کی شہادت کے اثرات

علیؑ شہید ہوئے لیکن ابن ملجم کی زہر میں بجھی تلوار ان کی دائمی زندگی نہ چھین سکی۔ کئی حکومتیں آئیں اور گئیں' بڑے سے بڑا بادشاہ پیوند خاک ہوا دنیا ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں لیکن علیؑ جو کل تھے وہی آج ہیں۔ دنیاوی خلافت تو صرف چار سال نو ماہ رہی جو خانہ جنگیوں' نزاعات اور فسادات میں گذر گئی۔ دنیا حیران ہے کہ ان حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ کیسے مثالی کردار ادا کرتے رہے اور تعمیری امور پر

بھی توجہ دی پچیس سالہ خاموشی میں جن اصلاحی کاموں کا بیڑا اٹھایا انہیں بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ خلافت کو رسالت کا آئینہ دکھلایا اور اسلامی حکومت کا عظیم الشان دستور ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ دنیاوی خلافت کے اعتبار سے علیؑ کی خلافت آخری تھی پھر امام حسنؑ کے بعد حاکمیت کا تصور پیدا ہو گیا۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''ان (علیؑ) کی خلافت کی صحت پر دلالت کرنے والی چیزوں میں سے ایک وہ مشہور حدیث ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ ''**الخلافه بعدی ثلثونة منه ثم يصير ملكا عفوضاً**'' (خلافت میرے بعد ۳۰ سال رہے گی اور اس کے بعد کٹھنی بادشاہت آ جائے گی) اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت علیؑ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تیسویں سال کے اختتام پر شہید ہوئے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے اجتہاد کی صحت اور حضرت معاویہ کے مقصد کی غلطی پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو حضرت عمار بن یاسرؓ کے حق میں حضورؐ سے ثابت ہے کہ **تقتلک الفئه الباغيه** (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا) اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ معاویہ اور ان کے بعد کے لوگ خلفاء نہ تھے بلکہ ملوک اور امراء تھے''۔ (خلافت وملوکیت۔ صفحہ ۳۳۹۔۳۴۰)

مودودی صاحب کے بیان کی تصدیق' بعد کے واقعات سے اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت امام حسنؑ کو جمہور نے خلیفہ منتخب کر لیا جو بعد میں ایک لشکر جرار لیکر شام پر چڑھائی کے لئے نکلے لیکن امیر معاویہ نے ۴۱ھ میں حضرت امام حسنؑ سے صلح کر لی اور اس طرح میدان امیر معاویہ کی حکومت کے لئے

مکمل طور پر خالی ہو گیا۔ بعد میں انہوں نے امام حسنؑ کے ساتھ ہونے والی صلح کے معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں اور کہا کہ :۔

''میں نے حسنؑ کو سبز باغ دکھائے اور اس سے کئی ایک وعدے کئے۔ آج وہ سارے وعدے میرے پاؤں تلے ہیں۔ میں ان میں سے کسی کو پورا نہ کروں گا۔ اس فتنے میں تلف شدہ جان و مال کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جائے گی۔ حسنؑ کے ساتھ کئے گئے سارے وعدے آج میرے قدموں کے نیچے ہیں''۔(۱)

اب امیر معاویہ ملت اسلامیہ کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ''انا اول الملوک'' (میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں)(۲) بلکہ حافظ ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے (خلافت وملوکیت) تاریخ کا رخ بدل چکا تھا جواب اسلامی نہ رہی بلکہ مسلمانوں کی خون آشام داستانوں کا ذکر بن گئی۔ رہی سہی کسر امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا کر پوری کر دی۔ اسی بات کو مودودی صاحب اس طرح لکھتے ہیں کہ :۔

''۵۳ھ میں زیاد کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ مختلف علاقوں سے مشوروں کے لئے وفود طلب

۱۔ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید۔ اعیان الشیعہ۔ ج۔ ص ۲۶ (ائمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ تالیف استاد عادل ادیب۔ صفحہ ۱۵۷)

۲۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۲۵۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۵ (خلافت وملوکیت صفحہ ۱۴۸)

کیئے گئے۔ اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا گیا۔ ''لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے' مگر حضرت احنف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ نے کہا ''ابو بحر' تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا ''ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے' جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر۔ امیر المومنین' آپ یزید کے شب و روز' خلوت و جلوت' آمد و رفت' ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ اگر آپ اس کو اللہ اور اس امت کے لئے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں کسی سے مشورہ نہ لیجئے۔ اور اگر آپ کے علم میں وہ اس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا اس کے حوالے کر کے نہ جایئے۔ رہے ہم' تو ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ جو حکم ملے اس پر سمعنا واطعنا کہہ دیں''۔(۱)

مودودی صاحب اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یزید بجائے خود اس مرتبہ کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطعَ نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لئے وہ موزوں ترین آدمی ہے''۔(۲)

تمام تر حالات جانتے ہوئے بھی امیر معاویہ نے یزید کو خلیفہ مقرر کر دیا اور لوگوں سے بیعت بھی کرا لی۔ لیکن حسین ابن علیؑ اور ان کے اعزاء و رفقاء نے دین اور اسلام کی بقا کے لئے بیعت سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں یزید نے کربلا کی

۱۔ ''خلافت و ملوکیت'' صفحہ ۱۵۱' ۱۵۲ بحوالہ ابن الاثیر' ج ۳' ص ۲۵۰۔ ۲۵۱' البدایہ' ج ۸' ص ۸۰۔

۲۔ ''خلافت و ملوکیت'' صفحہ ۱۵۰۔ اشاعت چھبیسویں۔ جون ۱۹۹۸ء

خونچکاں داستان رقم کردی۔ انجام تو اس کا یہی ہونا تھا کہ:

رہا نہ دور یزیدی نہ تاج و تخت یزید
مگر حکومت شاہ انام باقی ہے

دین اور اسلام تو امامت نے اب بھی قائم رکھا لیکن خلافت بقول مودودی صاحب حضرت علیؑ و امام حسنؑ کے بعد ختم ہوگئی۔ ذمہ داری کس کی ہے مودودی صاحب ہی سے سنئے:

''حضرت معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔۔۔۔لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں''۔ (خلافت وملوکیت۔ صفحہ ۱۵۳)

خلافت کے انجام پر ہم شخصیات کو سمجھنے کا معیار خطرے میں ڈال ہی نہیں رہے بلکہ ہمارے معیار قائم کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی۔ آنحضرتؐ کے قول کے مطابق ''علیؑ کو اللہ تعالیٰ کے اور میرے علاوہ کوئی نہیں پہچان سکا''۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے پہچاننے کی کوشش کی۔ کیا ایسی شخصیت دنیا نے کبھی دیکھی ہے جو اللہ کے گھر میں پیدا ہوا اور مقام عبادت ہی پر اپنے معبود حقیقی سے جا ملا ہو۔ زندگی کا آغاز اور انجام اس سے بہتر ناممکن ہے۔ زندگی اور شہادت کے درمیان محیر العقول کارناموں کو دیکھ کر بعضوں نے ان کی تقلید کرنا اپنا فرض ایمانی قرار دیا۔ ایک طبقہ نصیری خدا کہہ بیٹھا' خارجیوں نے (نعوذ باللہ) کفر کا الزام لگا دیا' کہیں مورخین نے ان کے نشان عظمت کے ابھارنے میں مصلحتاً کوتاہی کی' پھر بھی کچھ انسانی قلوب ان سے ربط قائم رکھنے میں کوئی نہ کوئی راہ نکالتے رہے۔ اسلام کا ہر فرقہ حضرت علیؑ کے دامن کے پھول چنتا رہا' لیکن اس پھول کی قلب کو ٹھنڈک پہنچانے والی خوشبو کو نہ پا

سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو نظریے وجود میں آ گئے۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ:

رحلت رسولؐ کے بعد سے خلافت کے پچیس سال تک خلافت نہ ملنے پر تلوار نہ اٹھانا بھی علیؑ کی خاص مصلحت تھی۔ وہ خلفائے ثلاثہ کو مشورے بھی ضرور دیتے رہے۔ لیکن فرصت میں وہ اپنی زندگی کا نصب العین اپنے بچوں کو دے کر اپنی نمائندگی تا قیامت قائم رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے بچے حسنؑ اور حسینؑ اس وقت کم سن تھے۔ ان کی حفاظت و رہنمائی ضروری تھی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا ''اے جابر! امام بارہ ہیں' جن میں پہلا علیؑ ابن ابی طالب اور آخری قائم حجتؑ ہے''۔ (۱) امام باقرؑ نے فرمایا کہ زمین بغیر امام باقی نہیں رہ سکتی خواہ امام ظاہر ہو یا غائب'' (۲) چنانچہ امام آتے رہے اور لوگ مانیں یا نہ مانیں' امت کی رہنمائی کرتے رہے۔ اور علیؑ یہی چاہتے تھے۔ ملوکیت ائمہ کو راستوں سے ہٹاتی رہی ایک کے بعد دوسرا جانے والا امامت کی جگہ سنبھالتا رہا حتیٰ کہ جب گیارہویں امام حضرت حسن عسکریؑ رخصت ہوئے تو پانچ سال کی عمر میں مہدیؑ آخر الزمان نے آخری امامت کی باگ ڈور سنبھالی' ملوکیت نے انہیں بھی اپنے شکنجے میں جکڑنا چاہا تو اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرح انہیں بھی پردہ غیب میں ڈال دیا۔ دنیا والوں کی نظر میں اتنے عرصہ بقید حیات رہنا خلافِ معمول ہو مگر ہم خدائی

۱۔ غایۃ المرام۔ ص ۲۴۴ علامہ بحرانی۔ تشریح سورۂ مائدہ آیت ۱۲ (علی فی القرآن۔ آقائے سید صادق حسینی شیرازی۔ صفحہ ۱۱۱)

۲۔ علل الشرائع (اردو) مولف شیخ الصدوق علیہ الرحمتہ۔ جلد اول صفحہ ۲۲۸

خلقت ادریسؑ و عیسیٰؑ جیسی ہو اور ہم حضرت خضرؑ و الیاسؑ کی زندگیوں کے قائل ہوں تو نظام قدرت میں ہم اس بات کے کیسے منکر ہو سکتے ہیں کہ آخری امام کسی جزیرہ خضرا میں مقیم ہیں اور اپنے وقت پر دنیا سے فسق و فجور دور کرنے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ آئیں گے اور ''اثاثہ پیغمبری لیکر آئیں گے''۔

میر محبوب علی خان مرحوم سابق تاجدار دکن نے سچ کہا ہے:

خدا کے راز رسالت مآب سمجھے ہیں — علیؑ کے سرّ خفی بوتراب سمجھے ہیں
علیؑ نبیؐ سے نبیؐ ہیں علیؑ سے یہ حق ہے — ہم اس حدیث کو ام الکتاب سمجھے ہیں
جو سچ کہو تو خدائی میں بندۂ یکتا — علیؑ کو بعد رسالت مآب سمجھے ہیں

چلئے اس نظریہ کے مطابق ہمیں ایک راستہ تو مل گیا لیکن دوسرا نظریہ بھی ہے جس کا جواب عوام الناس کے پاس نہیں ہے۔ وہ یہ کہ جو کچھ ہوا اس پر صبر کیا جائے' تاریخ کا حصہ سمجھ کر آگے بڑھا جائے۔ مگر کیا یہ ملت کے المیوں کا حل ہے؟ ہرگز نہیں' ہر صاحب فکر کو اپنی دانست اور شعور کے مطابق حق کا ساتھ دینا چاہئے۔ اپنے وجود کو اتفاق نہیں' اپنے سبب خلقت کو سمجھنا چاہئے۔ حق کی جستجو ہی انسان کو خالق سے قریب اور اس کی اطاعت سے نزدیک کر سکتی ہے۔ جس کی رہنمائی علیؑ نے محد سے لحد تک کی ہے۔

شہادت علیؑ کا اثر صرف چودہ سو سال پہلے کی امت ہی پر نہ تھا بلکہ وہ شہادت آج بھی اسلام کے سینے پر ایک ایسا داغ اور المیہ ہے جس کا اثر ہنوز جاری ہے۔ ملت فرقہ در فرقہ' جماعت در جماعت بٹ جا رہی ہے۔ مسلمانوں میں فکری اور عملی اتحاد تو کجا ایک مرکز کی نشاندہی بھی بعید از قیاس ہے' ٹکڑوں میں بٹی یہ ملت چودہ سو سال سے ظلم و استبداد کا شکار ہے۔ آج بھی ہم ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے

کے باوجود علم و دولت کے کشکول لئے در در بھٹک رہے ہیں۔ یہ ایک باب العلم چھوڑنے کی سزا ہے یا کفرانِ نعمت کی!

جب تک ملت میں ظالم کو ظالم اور مظلوم کو مظلوم کہنے اور اس کا ساتھ دینے کی جرأت نہیں ہوگی خدا اس قوم کی حالت نہ بدلے گا۔

اللہ، قرآن اور رسولؐ کے ساتھ دین بھی ایک ہی ہے۔ ہم کیوں دینی معاملات میں الجھ کر دورِ خلفاء میں ترقی وتنزلی تلاش کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ دین کا معیار اگر رسولؐ خدا کا آئینِ حکومت ہے تو علیؑ کا دور بھی مختصر ہوتے ہوئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور کہا جائے گا۔ کیونکہ علیؑ نے اپنے دور کی اساس ہی دورِ پیغمبرؐ پر رکھی تھی۔ اس لئے بہتر ہے کہ ادوارِ خلفاء پر بحث ختم کر کے ہم شہرِ علم اور بابِ علم ہی سے وہ سب کچھ حاصل کرلیں جس کے لئے ہم غیروں سے بھیک مانگ رہے ہیں۔ قرآن، رسولؐ اور رسولؐ کے گھرانے سے نکلی ہوئی باتوں کو سارے علماء بیٹھ کر کتابی شکل دیں جو ہماری رہنما ہے۔ گھرانے سے براہ راست نکلی ہوئی بات دور بیٹھ کر سنی سنائی باتوں سے بہتر ہوتی ہے۔ شکر ہے کہ لوگوں میں کچھ نہ کچھ سوچنے کا شعور پیدا ہوا ہے۔

ایک سوچ یہ بھی ہے کہ اگر خلافت امام حسنؑ کی رہتی اور صلح کی آڑ میں امیر معاویہ خاندانی بادشاہت قائم کرنے کے لئے یزید کو خلیفہ نہ بناتے تو خلافتِ راشدہ کی حکومت جو ۳۳۔۳۴ھ تک قائم رہی وہ آج بھی قائم رہتی اور جبری بیعت وموروثی بادشاہی وجود میں نہ آتی۔

ایک عالم جناب محمد باقر شمس صاحب نے اپنی کتاب ''اسلام پر کیا گذری'' میں اظہارِ رائے کیا ہے کہ:

''اگر رسولؐ کے بعد لوگ حضرت علیؑ کو خلیفہ مان لیتے تو امت میں کوئی

اختلاف وافتراق پیدا نہ ہوتا۔ ایک مرکز اور ایک مرجع ہوتا۔ اگر آج بھی مسلمان احکام اسلام حضرت علیؑ سے لیں ان کو چوتھا خلیفہ ہی مانتے ہوئے تو بہت سے اختلاف ختم ہو جائیں جبکہ سب اس کے قائل ہیں کہ حضرت علیؑ سے زیادہ عالم قرآن وسنت کوئی نہ تھا اور حضرت عمرؓ مشکل معاملات میں انہی سے رجوع کرتے تھے تو یہ عین ثواب ہوگا اور امت کی بھلائی کے لئے ضروری ہے۔''

مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے قومی ڈائجسٹ ماہنامہ مارچ ۱۹۸۲ء کو ''علیؑ نمبر'' قرار دے کر لکھا ہے کہ:

حضرت علیؑ کا نام اہل ایمان کے لئے سرمایۂ جان ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں ان کے بارے میں مختلف نکتہ ہائے نظر کا اظہار ہوتا رہا۔ کئی ایسے گروہ پیدا ہوئے کہ جنہوں نے انہیں خدا قرار دیا کئی ایسے کہ جنہوں نے انہیں پیغمبر اسلام سے بڑھا دیا۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے ان کی شان میں کمی کرنے کو ہی عقیدہ بنا لیا اور ایک زمانے میں تو باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں اس چاند پر تھوکنے کی مشق ہوتی رہی۔ آج بھی عالم اسلام میں حضرت علیؑ کے بارے میں کئی چھوٹے چھوٹے گروہ ایسے موجود ہیں جو توازن برقرار رکھنے میں ناکام ہیں لیکن حیدر کرارؑ کی یہ عجب شان ہے کہ ملت اسلامیہ کے دو بڑے حصے شیعہ اور سنی ان کے احترام ہی میں ایمان پاتے ہیں اور خاک مدینہ ونجف دونوں ہی کی آنکھوں کا سرمہ ہیں۔

آج جبکہ دنیا بھر میں نظریاتی آویزش برپا ہے اور عالم اسلام کے خلاف

سازشیں زوروں پر ہیں مسلمان معاشروں کے اندر بھی دشمنوں نے انتشار برپا کر رکھا ہے اور فرقہ بندی ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ ہمارے دشمن فرقہ بازوں کی سرپرستی کر رہے ہیں اور یوں مسلمان آستینوں میں پلنے والے سانپ ہی ان کو ڈسنے لگے ہیں۔ ایران میں اسلامی انقلاب نے اسلام دشمنوں کی تشویش اور اضطراب میں کئی سو فیصد اضافہ کر دیا ہے اور سازشوں کا ایک نیا طوفان اٹھایا جا رہا ہے۔ سنی اور شیعہ کے نام پر پھر کشمکش ابھاری جا رہی ہے۔ اس ماحول میں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت علیؑ کی متفق علیہ شخصیت پر ایک جامع دستاویز قارئین کے سامنے پیش کی جائے اور شیعہ اور سنی دونوں اس راحت جاں کے افکار، خیالات اور تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اختلافات کو پھیلانے کے بجائے سمیٹیں اور اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں اس طرح ایک ہو جائیں جس طرح حضرت علیؑ نے اپنے ہم عصروں سے اپنے اختلاف دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں بھلا دیئے تھے۔"

آیئے انہی افکار کی روشنی میں ہم سب ملکر ایسا معاشرہ تشکیل دیں جو ہمارے لئے باعث افتخار ہو۔ حضرت علیؑ کا کردار نہ صرف معاشرے کی اصلاح کا ضامن ہے بلکہ اصول حیات کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار بھی ہے۔ خدا امت توحید و رسالت کو خیر حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے معاشرہ کو ہر شر و آفت سے محفوظ رکھے جس میں نہ کوئی نصیری ہو نہ بدگمان۔ یکجہتی قائم رکھتے ہوئے جب ہم حضورؐ کی خدمت میں پیش ہوں تو دعوی کر سکیں کہ ہم نے صرف آپ کی سنت پر عمل کیا ہے۔

حصہ دوم

حضرت علیؑ ۔۔۔ مختصر جائزہ

مشہور مفکر نطشے نے کہا تھا کہ تخلیقِ کائنات کے بعد جو ترقی کے منازل ہیں ان میں جمادات' نباتات' حیوان اور انسان کے بعد ترقی رک گئی۔ فوق الانسان (Super Man) بھی ہونا چاہئے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے اپنے نظریہ خودی کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی صورت میں فوق الانسان پیدا کیا۔ خودی کے تین مدارج اطاعت' ضبط نفس اور نیابت الٰہی کی تشریح میں انہوں نے حضرت علیؑ کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ انسان حضرت علیؑ کی پیروی اس طرح کرے جس طرح انہوں نے رسولِ خدا کی پیروی کی۔ ضبطِ نفس میں بھی حضرت علیؑ کی مثال سامنے ہے اور جب یہ دونوں مدارج طے ہوں گے تو نیابتِ الٰہی کا درجہ خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ گویا اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم حضرت علیؑ ہی کی طرح رسولؐ کی پیروی کرتے تو آج تاریخ نہ ناہموار سماج کو جنم دیتی اور نہ انسانوں میں امتیازی فرق ہوتا' نہ قانونی تضاد ہوتے' نہ جہاد کے نام پر دہشت گردی ہوتی' نہ احمقانہ رسم و رواج ہوتے' نہ کھرے کھوٹے کی پہچان ختم ہوتی' نہ ظلم ہوتا نہ تشدد' نہ خون بہتا نہ جہالت ہوتی اور

لوگ اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرتے۔آج کے دور میں جتنے سوال ابھر کر سامنے آرہے ہیں ان کا جواب دینے کے لئے کسی ممبر سے کوئی "سلونی" کا دعویٰ کرنے والا سامنے نہیں۔آج کے دور کو علم کا دور کہا جاتا ہے مگر ہر سیمینار اور کانفرنس میں یہی سنائی دیتا ہے کہ ان پیچیدہ مسائل کے حل نہیں ملتے۔ایک طرف کروڑوں ڈالر کی عیاشی ہے تو دوسری طرف کروڑوں انسانوں کے پاس نہ روٹی ہے نہ کپڑا' نہ مکان ہے اور نہ علاج کی سہولت۔وہ رینگتے کیڑوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ایسے میں مفکرین کے سامنے حضرت علیؑ کا کردار ابھر کر سامنے آتا ہے کہ انہوں نے دولت کا انبار ہوتے ہوئے اسے استعمال نہ کیا۔اسے دوسروں کے لئے وقف کر دیا اور خود کبھی پیٹ بھر روٹی نہ کھائی۔ایسا لباس پہنا اور ایسا رہن سہن اختیار کیا کہ کوئی اپنی غربت نہ محسوس کرے۔وہ غریب اور مظلوم کو اس کا حق دلانا چاہتے تھے۔یوں تو اس کتاب کے ہر عنوان میں حضرت علیؑ کے کردار اور عمل کے بے شمار نقوش سامنے آئے ہیں پھر بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ اپنے وجود میں کیا تھے۔

حضرت علیؑ دعائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلطان النصیر تھے۔سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۰ میں ہے: وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (اور مجھے خاص اپنی بارگاہ سے ایک طاقتور مددگار دے دے)

رسولِ خدا نے بارگاہِ الٰہی سے طاقتور مددگار ملنے کے انتظار میں اعلانِ رسالت کو بھی روکے رکھا۔ ہندوستان کے مشہور شاعر ڈاکٹر پیام اعظمی نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

برسوں رسولِ حق نہ لڑے جنگِ خیر وشر — یعنی دعا ہے قوتِ بازو پہ منحصر
مقصد یہ تھا کہ ہو کوئی ہمراز وہم سفر — مالک کی بارگاہ سے بھائی کو مانگ کر

لائے ہیں حق کے آخری پیغام کی طرح
پالا ہے اپنی گود میں اسلام کی طرح

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریمؐ کی دعا قبول کی اور حضرت علیؑ کی شکل میں ایک طاقتور معجزہ بھیج دیا جو طاہر ایسا کہ کعبہ میں پیدا ہوا' پیدائشی مسلمان' آغوشِ پیغمبرؐ میں آنکھ کھولی' پہلا شریکِ نماز جماعت' نزولِ وحی کا عینی گواہ' احد کا لافتیٰ' خیبر کا ولی اللہ' خندق کا کل ایمان' دوش پیغمبر پر کھڑے ہو کر بڑا بت گرانے والا' غدیرخم میں مولا کا شرف پانے والا جو تکمیل دین کا سبب بنا' جس کی ایک ضربت دونوں عالم کی عبادت سے افضل قرار پائی' ایسا طاہر کہ آیہ تطہیر نے گواہی دی' ایسا سخی کہ آیہ ھل اتی نے تصدیق کی' ایسا عالم جو پیغمبرؐ کے شہرِ علم کا دروازہ بنا' ایسا مددگار جس کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہ گیا' ایسا عادل کہ عدالت کا ہم معنیٰ' قوتِ ادراک وفہم کا سرچشمہ' بحرِ علوم کا شناور' علم فقہ کا ماہر' علم کلام کا موجد' علم تصوف' علم نحو' علم حساب اور علم فلسفہ کا یگانہ روزگار اور بلند مینار' مماثلِ انبیاء سابق میں آدمؑ کا علم' نوحؑ کا فہم' ابراہیمؑ کا حلم' موسیٰؑ کی وجاہت' عیسیٰؑ جیسا تقی ونقی' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاگرد رشید اور دنیائے سیف وقلم کا تاجدار۔ یہ ہیں وہ علیؑ جن کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تھی۔

علیؑ انسانِ کامل تھے اور مکمل ترین انسان کے پیچھے کوئی محرومی نہیں ہوتی بلکہ محبت اور توجہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور جیسا پہلے عرض کیا وہ ہاتھ مرضی رب کے مطابق رسولِ خدا کا تھا۔ یہی وجہ ہے جو پوری تاریخ انسانی میں آپ دیکھیں گے کہ علیؑ خلاقِ عالم کی توجہ کا مرکز تھے۔ حدیثِ قدسی میں مدینۃ المعاجز طبع ایران ص ۱۹ پر درج ہے کہ خلاقِ عالم نے خلقتِ کائنات سے قبل نورِ علیؑ کو نورِ نبویؐ کے ساتھ پیدا کیا پھر مسجودِ ملائکہ قرار دیا۔ جبرئیلؑ کا استاد بنایا پھر انبیاء کے ساتھ اپنی طرف سے مددگار بنا کر بھیجا' اپنے

مخصوص گھر خانۂ کعبہ میں علیؑ کو پیدا کیا‘ رسولِ اکرمؐ کا خود جانشین بنایا‘ آسمان سے علی کے لئے ذوالفقار نازل فرمائی‘ علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا‘ علم لدنی سے ممتاز کیا‘ فاطمہؑ کے ساتھ عقد کا حکم دیا‘ مبلغ سورۂ برات بنایا۔ مدح علیؑ میں کثیر آیات نازل فرمائیں‘ ان کی نسل میں قیامت تک کے لئے امامت قرار دی‘ قسیم النار والجنہ بنایا‘ لواُ الحمد کا مالک اور ساقی کوثر قرار دیا (۱) دو مرتبہ علیؑ کے لئے سورج پلٹایا۔ ایک بار جنگ نہروان سے فارغ ہو کر واپسی میں بابل کی حدود سے باہر آنے تک جب سورج غروب ہو چکا تھا (۲) دوسری بار مدینہ میں ''کراع النعیم'' کے مقام پر جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور علیؑ کے زانو پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر ہونے کے باعث علیؑ کی نماز قضا ہو رہی تھی (۳)

سورج پلٹنے کی تصدیق محدث دہلوی نے کی ہے اور علامہ اقبال نے بھی ایک شعر میں اس کو تسلیم کیا ہے۔

آں کہ در آفاق گرد د بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

حضرت علیؑ کے گھر میں طلوع فجر کے وقت آسمان سے ایک ستارہ اترا جس کی اطلاع آنحضرتؐ نے دی تھی (۴) حضرت علیؑ کو علم لدنی دیا کہ ایک بار منبر پر بیٹھ کر جب ''سلونی'' کا دعویٰ کیا تو ایک سوال کنندہ کو بحیثیت جبرئیلؑ پہچان لیا۔ (۵)

۱۔ ''چودہ ستارے'' الحاج مولانا سید نجم الحسن کراروی صفحہ ۱۲۷
۲۔ ''عیوان المعجزات'' سید مرتضیٰ بحوالہ اسناد امام محمد باقرؑ ''معجزات آل محمدؐ'' علامہ سید ہاشم البحرانی ص ۱۲۰
۳۔ روایت ابن شہر آشوب بحوالہ حضرت ام سلمہ‘ ابن عباس‘ ابو ہریرہ‘ امام جعفر صادقؑ (معجزات آل محمد صفحہ ۱۲۴)
۴۔ شیخ صدوقؒ بہ اسناد خود وابن عباس (معجزات آل محمد علامہ سید ہاشم البحرانی صفحہ ۳۹۰)
۵۔ فضائل ابن شاذان‘ ص ۹۸۔ بحار بحوالہ فضائل‘ ج ۳۹‘ ص ۱۰۸ احدیث ۱۳

ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت علیؑ کے
مراتب خود بلند کیئے جن کا علم رسول اکرمؐ سے زیادہ کسے ہوسکتا ہے؟ اسی بنا پر خود سر
کائناتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تمام دنیا کے دریا سیاہی بن جائیں اور درخت ق
ہو جائیں اور جن وانس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں۔ تب بھی علی ابن ابی طالبؑ
کے فضائل کا احصاء نہیں کر سکتے۔'' (۱)

پوری تاریخ انسانی شاہد ہے کہ علیؑ کے تمام کمالات اور صفات نے لوگوں کوا
حیران اور انگشت بدنداں کر دیا کہ علیؑ جنہیں خود اپنی بندگی پر ناز تھا انہی کو نصیری ـ
خدا کہنے پر اصرار کیا۔ ابن ملجم کی ضربت پر ان کی کامیابی کا اعلان شاید اسی بات پر
کہ وہ بندۂ خدا ہیں خدا نہیں۔

جب علیؑ کے اتنے فضائل ہوں کہ ایک کتاب میں جمع نہ ہوسکیں تو میں صرف
موضوع کی مناسبت سے اتنا کر سکتا ہوں کہ چند حقائق اس طرح پیش کر دوں کہ آیات
قرآنی میں، رسول اللہ کی نظروں میں، خلفائے ثلاثہ، حضرت عائشہؓ اور دیگر مفکرین کی
نظروں میں علیؑ کا کیا مقام ہے۔ اس سے ایک جھلک سامنے آجائے گی کہ علیؑ کیا
تھے۔ ویسے علیؑ کے لئے رسولؐ کا یہی کہنا کیا کم ہے کہ ایک دن سرکارؐ نے مجمع اصحاب
میں حضرت علیؑ سے فرمایا کہ: ''میرا امتیاز نبوت ہے جس میں تم شریک نہیں ہو او
تمہاری خصوصیات سات ہیں جن میں قریش کا کوئی آدمی شریک نہیں ہے۔ تم سب
سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے زیادہ عہدِ خدا کے وفا کرنے والے، سب سے
بہتر امر خدا کے ساتھ قیام کرنے والے، برابر سے تقسیم کرنے والے، رعایا میں سب

۱۔ کشف الغمہ۔ ص ۵۳، وارجح المطالب (چودہ ستارے صفحہ ۱۳۳)

سے زیادہ انصاف کرنے والے' قضایا کو سب سے بہتر درک کرنے والے اور اللہ کے نزدیک سب سے عظیم مرتبہ رکھنے والے ہو۔'' (حلیۃ الاولیاء ص ۶۵۔۶۶' تاریخ ابن عساکر ا/ ۱۱۷ حدیث ص ۱۶۰' الریاض النضرۃ ۲/ ۲۶۲' مطالب السئول ا/ ۹۵' شرح النہج البلاغہ ۹ /۳/ ۱۷۱' مناقب خوارزمی۔ص ۷۱' ینابیع المودۃ۔ص ۳۱۵ وغیرہ۔مندرجہ ''نظریۂ عدالتِ صحابہ'' تحریر استاذ احمد حسین یعقوب صفحہ ۲۷۷۔

علیؑ آیات قرآنی میں

قرآن لازوال معجزۂ الٰہی ہے' غور و فکر کی تصویر ہے۔ ایسا سمندر ہے جس کی تہہ کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا' وہ بلندی ہے جس پر بغیر امداد پہنچنا ممکن نہیں۔ وہ وسعت ہے جہاں حق ابھرتا اور پروان چڑھتا ہے' وہ روشنی ہے جس میں تیرگی کا گذر نہیں۔ ایسا چراغ ہے جس کی لو ماند نہیں پڑتی' وہ قلعہ ہے جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے' وہ تحریر ہے جس کی ایک سورت کے مقابلے میں کوئی جواب نہ لاسکا' انبیاء و رسل کے معجزات و تذکروں کے ساتھ قرب زمانی بھی ہے اور کثرت روایات بھی' وہ ہر مرض کی دوا اور تمام دکھوں کا علاج ہے۔ وہ علم ہے جس میں ہدایت کے خزانے ہیں' وہ ترازو ہے جس میں حق و انصاف کا امتیاز ہے' ایمان کا معدن اور مرکز ہونے کے ساتھ خدائے بزرگ و برتر کا کلام ہے اور کلام کی سورتوں میں بحوالہ مفسرین قرآن ذکر علیؑ ابن ابی طالب ہے۔

کلام الٰہی کی یہ صفت ہے کہ بغیر نام لئے ہر حکم کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کس کی مذمت ہوئی' کس کے لئے تنبیہ ہے اور کسے تعریف سے نوازا گیا ہے۔ ''شواہد التنزیل میں صفحہ ۲۲' ۲۳ پر نبی کونینؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ آیاتِ قرآن کے چار حصہ ہیں:

۱۔ ایک حصہ بالخصوص ہم اہل بیت کے لئے ہے۔

۲۔ایک حصہ بالخصوص ہمارے اعداء کے لئے ہے۔
۳۔ایک حصہ میں حلال وحرام ہے۔
۴۔ایک حصہ میں فرائض واحکام ہیں۔

یادرکھو۔حضرت علیؑ کے حق میں قرآن کی بہترین آیات ہیں۔

بحوالہ سابقہ یزید ابن رومان سے منقول ہے کہ قرآن کا جتنا حصہ فضائل علیؑ میں نازل ہوا ہے اور کسی کے حق میں نازل نہیں ہوا۔

بحوالہ سابقہ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلےٰ سے مروی ہے کہ قران میں حضرت علیؑ کے فضائل میں اسی (۸۰) ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں آپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔

ینابیع المودة صفحہ ۱۲۶ کے مطابق جناب عبداللہ ابن عباس سے صفحہ ۹ پر مروی ہے کہ علیؑ کے سلسلے میں تین سو سے زائد آیات نازل ہوئیں۔معروف علماء نے یہ تعداد سات سو بھی بتلائی ہے۔

میں نے ان تمام کتابوں سے خوشہ چینی کی ہے جن کا ذکر اس کتاب کے آخر میں کیا گیا ہے لیکن اس موضوع پر زیادہ انحصار کتاب ''علیؑ فی القران'' مولف آقائے سید صادق حسین شیرازی پر کیا ہے جنہوں نے ۶۹۸ قرآنی آیات میں مختلف مستند حوالوں سے تشریح پیش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان روایات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں اور وہ تمام آیات علیؑ کے حق میں نازل ہوئیں۔اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صاحبانِ فکر ونظر کے لئے صرف ۲۳ آیات پیش خدمت ہیں جنہیں کسی معلم کی امداد کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ان میں حضرت علیؑ ہی کے فضائل ہیں۔

آیات قرآنی

۱۔ "بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" (خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں)

ینابیع المودۃ صفحہ ۶۵ پر علماء کا بیان درج ہے کہ "ایک مرتبہ امام المفسرین جناب ابن عباسؓ نے حضرت امیر المومنینؑ سے درخواست کی کہ قرانِ مجید کی تفسیر کے متعلق آج کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپؑ نے نماز مغربین کے بعد سورۂ حمد کی تفسیر بیان کرنا شروع کی۔ سورۂ حمد کی پہلی آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کی تفسیر بیان ہی کر رہے تھے کہ صبح ہوگئی۔۔۔۔۔ موذن نے اذان دی' آپؑ کھڑے ہوگئے۔ ابن عباس نے عرض کی مولا جذبۂ طلب تشنہ رہ گیا۔ حضرتؑ نے فرمایا ابن عباس سنو۔ اگر میں چاہوں تو تفسیر سورۂ فاتحہ سے ستر اونٹوں کا بار تیار کرسکتا ہوں۔

تم مختصراً یہ سمجھ لو کہ قرآن مجید میں جملہ کتب آسمانی کے تمام رموز واسرار موجود ہیں اور جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورۂ فاتحہ میں ہے وہ سب کچھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے' جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ نقطۂ بائے بسم اللہ میں ہے اور میں وہی نقطہ ہوں جو بائے بسم اللہ کے نیچے دیا جاتا ہے۔ (علامہ سلیمان حنفی قندوزی کی کتاب ینابیع المودۃ ۔ص ۶۹۔ طبع مصر)

۲۔ "فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ۔"

(سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۶۱)

(علم آجانے کے بعد بھی اگر کوئی تجھ سے حجت بازی کرے تو پھر ان سے کہہ دے اور آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلالو۔ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلالو۔ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلالو۔ پھر مباہلہ کر لیتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کرتے ہیں)۔

''اور جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آپؐ نے علیؑ بی بی فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلا کر فرمایا۔ اے اللہ میرے اہل بیت یہی ہیں۔''

تفسیر جلالین میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے نجرانی وفد کو دعوت مباہلہ دی تو انہوں نے کہا ہمیں مہلت دیں تا کہ ہم کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ان میں سے جو بڑا تھا اس نے کہا کہ تمہیں محمدؐ کی نبوت پر تو یقین ہو چکا ہے اور یہ یقین بھی کر لو کہ جب بھی کسی قوم نے نبی سے مباہلہ کیا تو وہ تباہ ہوئی ہے۔ نجرانی وفد نے اس شخص کی بات نہ مانی۔ مباہلہ پر آمادہ ہو گئے جب میدان میں آئے تو دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسنؑ، حسینؑ، فاطمہؑ اور علیؑ کو ساتھ لائے ہیں تو وہ ڈر گئے۔ مباہلہ سے انکار کر دیا اور جزیہ قبول کر لیا۔

اس آیت کی تفسیر کئی راویوں نے درج کی ہے۔ (علیؑ فی القرآن صفحہ ۷۰)

۳۔ '' وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ'' (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۰۷)

''لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو اپنی جان رضائے خدا حاصل کرنے کی خاطر فروخت کرتا ہے۔ اللہ لوگوں پر بڑا مہربان ہے۔''

غایۃ المرام صفحہ ۳۴۴۔۳۴۵ میں علامہ بحرانی نے ثعلبی کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ جب آنحضورؐ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو دو کاموں کے لئے اپنے پیچھے چھوڑا۔ ایک تو جو امانتیں آپ کے پاس تھیں انہیں واپس کرنے کی خاطر اور دوسرا اپنے بستر پر سونے کی خاطر' کیونکہ مشرکین نے آپ کے مکان کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ! میری حضری چادر اوپر ڈال کر سو جا۔ حضرت علیؑ سو گئے۔ ذات احدیت نے جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے فرمایا کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔ تم میں سے کون اپنی جان دوسرے بھائی پر قربان کرتا ہے۔ دونوں نے اپنی زندگی سے محبت کا اظہار کیا۔ اللہ نے فرمایا۔ کیا تم علی ابن ابی طالبؑ کی طرح نہیں بن سکتے۔ میں نے علیؑ و محمدؐ کے مابین بھی مواخات کی ہے۔ ذرا دیکھو تو علیؑ اپنی جان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر کے اس کے بستر پر سو گیا ہے۔ اب جاؤ اس کی حفاظت کرو۔

دونوں فرشتے زمین پر آئے۔ جبرئیلؑ سراہنے اور میکائیلؑ قدموں کی جانب کھڑا ہو گیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا۔ اے ابن ابی طالب تو کتنا مبارک ہے کہ آج اللہ اعلیٰ تجھ پر فخر کر رہا ہے۔ جب آنحضورؐ غار سے نکل کر سوئے مدینہ جا رہے تھے اثنائے راہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مستدرک' محمد ابن سائب کلبی' ابو عبداللہ محمد ابن احمد ابن ابوبکر ابن فرج انصاری قرطبی' ابن اثیر' علامہ ابوبکر نیشاپوری' علامہ گنجی' علامہ عبدالرحمٰن صفوری' علامہ محب الدین طبری' علامہ ابوالحسن واحدی' علامہ امام غزالی' علامہ شلنجی وغیرہ جیسے بے شمار مفسرین نے مذکورہ آیت کو ہجرت رسولؐ پر حضرت علیؑ کے اس ایثار کی سند لکھا ہے جو آپ نے بستر سرور انبیاء پر سو کر کیا تھا۔ (علیؑ فی القرآن صفحہ ۳۹)

۴۔ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُم۔''

''اے ایمان والو رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔''

غایۃ المرام میں علامہ بحرانی نے ابن شہر آشوب سے اہلسنت سلسلۂ سند سے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اس وقت حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی جب آنحضورؐ نے آپ کو جنگِ تبوک میں جاتے ہوئے خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ قبلہ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: یا علیؑ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔

مجاہد کے مطابق اولیٰ الامر سے مراد حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ اللہ نے امت مسلمہ کو حکم دیا ہے کہ علیؑ اولامر ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے۔ (علیؑ فی القران صفحہ ۹۵)

۵۔ ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۳)

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، نعمت کامل کر دی ہے اور اسلام کو تمہارے دین کے بطور پسند کیا ہے۔''

مقتل الحسین از خوارزمی جلد اصفحہ ۴۷، ۴۸ میں خوارزمی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے غدیر خم کے دن جب ولایت علیؑ کے لئے بلانا چاہا تو مقام خم غدیر میں جتنے درخت تھے ان کے نیچے سے کانٹے صاف کرنے کا حکم دیا اور ہم نے تعمیل کی۔ یہ خمیس کا دن تھا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو ہاتھ سے پکڑ کر بلند کیا۔ ابھی تک آپ نے اعلان مکمل نہیں کیا۔ علیؑ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ الخ۔ آنحضورؐ نے فرمایا تکمیل دین پر اللہ کی حمد ہے۔ اکمال نعمت پر اللہ کا شکر ہے۔ میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر اللہ کی رضا پر اللہ کی حمد ہے۔ پھر آپ نے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ! جو علیؑ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ جو علیؑ کو دشمن سمجھے تو بھی اسے دشمن سمجھ۔ جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی نصرت کر اور جو علیؑ کو رسوا کرنا چاہے تو اسے رسوا کر۔

صحابہ میں سے جن افراد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) عمر (۲) علی (۳) براء ابن عازب (۴) سعد ابن ابی وقاص (۵) طلحہ ابن عبید اللہ (۶) حسین ابن علی (۷) عبداللہ ابن مسعود (۸) عمار ابن یاسر (۹) ابوذر (۱۰) ابو ایوب انصاری (۱۱) عبداللہ ابن عمر (۱۲) عمران ابن حصین (۱۳) بریدہ ابن حصیب (۱۴) ابوہریرہ (۱۵) جابر ابن عبداللہ (۱۶) غلام رسول ابورافع (۱۷) حبشی ابن جنادہ (۱۸) زید ابن شراحیل (۱۹) جریر ابن عبداللہ (۲۰) انس بن مالک (۲۱) حذیفہ ابن رشید غفاری (۲۲) زید ابن ورقم (۲۳) عبدالرحمان ابن حمیر (۲۴) عمرو ابن حمق (۲۵) عمر ابن شرحیل (۲۶) ناجیہ ابن عمر (۲۷) جابر بن سمرہ (۲۸) مالک بن حویرث (۲۹) ابوذویب (۳۰) عبداللہ ابن ربیعہ (علی فی القران ص ۱۰۶/۱۰۸)

۲۔ ''وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا۔'' (سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۱۲)

''اللہ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا ہے ہم نے بنی اسرائیل میں بارہ نقیب مبعوث کئے ہیں''

غایۃ المرام صفحہ ۲۴۴ میں علامہ بحرانی نے ابوالحسن محمد ابن شاذان سے اہلسنت

کے سلسلہ سند سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ کے ایک خطبہ میں جابر ابن عبداللہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کی' قبلہ آپ کے بعد آئمہ کی تعداد کتنی ہے؟

آپؐ نے فرمایا۔ جابر تو نے ایک بات پوچھ کر پورے اسلام کا سوال کردیا ہے۔ اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے۔ میرے بعد میرے اوصیاء اور تمہارے آئمہ کی تعداد نقیبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر ہوگی۔ اے جابر امام بارہ ہیں۔ جن میں پہلا علی ابن ابی طالب اور آخری قائم حجت ہے۔ (علی فی القرآن ص ۱۱۱)

۷۔ ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ هُمْ رَاکِعُوْنَ''

(سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۵۵)

''تمہارا حکمران اللہ ہے' اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو بحالت رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں۔''

غایۃ المرام صفحہ ۱۰۳' ۱۰۴ میں علامہ بحرانی نے تفسیر ثعلبی سے روایت کی ہے کہ اس آیت کا مصدق علیؑ ابن ابی طالب ہیں اس کے بعد ثعلبی نے لکھا ہے کہ ہمیں ابوالحسن محمد ابن قاسم فقیہ نے اپنے سلسلہ سند سے عبایہ ربعی سے' عبایہ ربعی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ ایام حج میں چاہ زمزم کے کنارے بیٹھا لوگوں کو احادیث نبویہؐ سنا رہا تھا کہ ایک عمامے والا شخص آیا۔ ابن عباس خاموش ہوگیا اور وہ احادیث بیان کرنے لگا۔

ابن عباس نے اس سے پوچھا تجھے اللہ کا واسطہ یہ بتا کہ تو کون ہے؟ اس نے اپنا عمامہ اتارا۔ چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا۔ لوگو جو مجھے پہچانتا ہے سو پہچانتا ہے اور جو نہیں

پہچانتا وہ پہچان لے۔ میں جندب ابن جنادہ بدری ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے آنحضورؐ سے ان دونوں کانوں سے سنا ہے اور ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اگر یہ غلط ہو تو میرے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علیؑ نیکیوں کا قائد ہے' علیؑ قاتل کفار ہے' جو حضرت علیؑ کی نصرت کرے گا منصور ہو گا اور جو علیؑ کو رسوا کرنے کی کوشش کرے گا رسوا ہو گا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے جب میں ظہر کی نماز آنحضورؐ کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔ مسجد میں ایک سائل نے سوال کیا۔ اسے کسی نے کچھ نہ دیا۔ سائل نے کہا۔ اے اللہ! گواہ رہنا میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا ہے مگر مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ علیؑ اس وقت رکوع میں تھے علیؑ نے اپنی چھنگلیا کی طرف اشارہ کیا جس میں انگوٹھی تھی۔ سائل نے انگوٹھی اتار لی۔ یہ سب کچھ نبی کریمؐ کے سامنے ہوا اور آپؐ دیکھ رہے تھے۔ جب علیؑ نماز سے فارغ ہوئے تو نبی اکرمؐ نے یوں دعا مانگی۔

اے اللہ! تجھ سے حضرت موسیٰؑ نے شرح صدر کے سوال کے بعد عرض کیا تھا کہ ہارونؑ کو میرا وزیر اور زور بازو بنا' اسے شریک نبوت بنا تو نے موسیٰ کی دعا قبول فرما کر جواب دیا کہ میں تیرے بھائی ہارون کو تیرا زور بازو بنا کر تم دونوں کو حکومت دونگا اور کوئی شخص ہمارے معجزات تک نہ پہنچ پائے گا۔ اے اللہ" میں تیرا نبی محمد مصطفیٰ ہوں۔ میں بھی ویسی ہی دعا مانگتا ہوں۔ میری شرح صدر کے میرے اہل سے علیؑ کو میرا وزیر اور زورِ کمر بنا۔"

ابھی آنحضورؐ نے دعا مکمل نہیں کی تھی کہ حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور سلام ربانی کے بعد عرض کیا۔ پڑھیے۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ کیا پڑھوں؟ حضرت جبرئیل نے

کہا: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ .... الخ. (علی فی القرآن ص۱۱۴_۱۱۵)

۸_ ''یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس''

(سورہ مائدہ ۵_آیت ۶۷)

''اے رسول جو تجھ پر نازل کیا گیا وہ پہنچا دے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تبلیغ رسالت کا کوئی کام بھی نہیں کیا۔ لوگوں کے شر سے اللہ تجھے بچالے گا۔''

☆_شواہد التنزیل جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ میں علامہ حسکانی نے ابوعبداللہ دینوری کے ذریعہ ابواسحٰق حمیری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

☆_شواہد التنزیل جلد ۱_صفحہ ۱۹۰ میں علامہ حسکانی نے ابوبکر سکری سے' ابوبکر نے عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضورؐ سے سنا ہے کہ آپ غدیر خم کے مقام پر فرما رہے تھے من کنت مولاہ فعلی مولاہ. اللھم و آل من والاہ و عاد من عاداہ پھر فرمایا_ اے اللہ گواہ رہنا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا ہے۔

☆تفسیر طبری کے حاشیہ پر تفسیر نیشاپوری جلد ۶ صفحہ ۱۹۴_۱۹۵ میں نظام الدین ابوبکر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ مذکورہ آیت غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی تھی جس کے بعد آنحضورؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ... الخ _اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کو ملے اور کہا: اے ابن ابوطالبؑ آپ کو مبارک ہو آپ میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا بن گئے ہیں۔ (علی فی القران_ص ۱۲۶_۱۲۸)

۹۔ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ''
(سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۱۹)

''اے ایمان والو! متقی بنو اور صادقین کے ساتھ رہو۔''

غایۃ المرام صفحہ ۲۴۸ میں علامہ بحرانی نے مناقب خوارزمی سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سورۂ توبہ آیت ۱۱۹ میں حضرت علیؑ مراد ہیں۔ صواعق محرقہ صفحہ ۹۳، کفایۃ المطالب صفحہ ۱۱۱، مناقب بغدادی ۱۸۹، فرائد السمطین جلد ۱ صفحہ ۶۸۔ الدر المنثور جلد ۳ صفحہ ۲۹۰ اور ینابیع المودۃ صفحہ ۱۱۹ وغیرہ بیشتر کتب میں اس تفسیر کے بارے میں یہی لکھا ہے۔ (علی فی القرآن ص ۱۹۲۔ ۱۹۳)

۱۰۔ ''اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ''
(سورہ ھود ۱۱۔ آیت ۱۷)

''کیا ایسا شخص جو اللہ کی طرف سے معجزہ کا حامل ہو اور اس کا گواہ ان کے ساتھ ہو۔''

☆۔ ابن ابی حاتم اور ابو نعیم ابن عساکر اور ابن مردویہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؑ نے منبر پر فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جس کے بارے میں کچھ نہ کچھ قرآن میں نازل نہ ہوا ہو۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا۔ کہنے لگا آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے سورہ ہود کی آیت ''اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ'' نہیں پڑھی۔ علی بنینۃ سے مراد رسول ہیں اور یتلوہ شاھد منہ سے میں مقصود ہوں۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۲۴، سطر ۱۶ مطبوعہ مصر)

☆ غایۃ المرام صفحہ ۳۵۹ میں علامہ بحرانی نے شواہد التنزیل میں علامہ جسکانی نے

درمنثور میں علامہ سیوطی نے اور اپنی تفسیر میں علامہ آلوسی نے سورۂ ہود کی آیت ۱۷ میں شان نزول میں دسیوں ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور آیت میں بعد میں آنے والے شاہد کا مصداق حضرت علیؑ ہیں۔

☆ علامہ بحرانی نے خوارزمی سے سورۂ ہود کی آیت ۱۷ کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ کے بعد آنے والا ایسا گواہ رسالت جو آنحضورؐ سے ہو حضرت علیؑ ہیں (علی فی القران ص۲۰۴)

۱۱۔ ''وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا'' (سورۂ مریم ۱۹۔آیت ۵۰)

''ہم نے انہیں اپنی رحمت سے عطا کی ہے اور علی کو ان کی زبان صداقت بنایا ہے۔''

☆ شواہد التنزیل جلد اصفحہ ۳۵۸ میں علامہ حسکانی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا ہے جب مجھے معراج پر لے جایا گیا میں جبرئیلؑ کے دائیں پر کے اوپر بیٹھا تھا۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ پیچھے زمین پر کسے چھوڑ کر آئے ہو۔ میں نے کہا۔ اہل ارض کے بہترین فرد اپنے بھائی، وصی، داماد اور چچازاد علی ابن ابی طالب کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ پھر پوچھا گیا۔ اے محمدؐ! کیا تجھے علیؑ سے محبت ہے؟

میں نے کہا: ہاں۔

فرمایا گیا: مجھے بھی علی سے محبت ہے۔ اپنی امت کو محبتِ علی کا حکم دے۔ میں اعلیٰ ہوں، علی کا نام میں نے اپنے نام سے اخذ کیا ہے۔

اترنے کے بعد زمین پر جبرئیلؑ آئے اور مجھے سلام ربانی کے بعد کہا، پڑھ۔

میں نے کہا: کیا پڑھوں؟

حضرت جبرئیلؑ نے کہا: ''وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔'' (علی فی القرآن ص۲۶۰۔۲۶۱)

۱۲۔ ''وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ'' (سورہ طٰہٰ۲۰۔آیت۲۹۔۳۲)

''میرے اہل سے میرا وزیر بنا۔ ہارون میرا بھائی ہے۔ ہارون کو میرا زورِ کمر بنا۔ ہارون کو میرا شریک کار بنا۔''

☆ مناقب علیؑ ابن ابی طالب میں حدیث نمبر ۳۷۸ جو علامہ ابن مغازلی نے ابن عباس سے روایت کی ہے:

آنحضورؐ نے چار رکعات نماز پڑھی پھر حضرت علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور سوئے آسمان بلند کیا پھر کہا۔ اے اللہ تجھ سے موسیٰؑ ابن عمران نے بھی سوال کیا تھا اور میں تیرا نبی محمدؐ بھی سوال کرتا ہوں کہ میرا سینہ کشادہ فرما۔ میرے معاملات آسان فرما۔ ان لوگوں کو میری بات سمجھنے کی توفیق عنایت فرما۔ میرے اہل بیت سے علیؑ کو میرا وزیر بنا۔ اسے میرا زورِ کمر قرار دے اور اسے میرا شریکِ کار فرما۔

میں نے اپنے کانوں سے ہاتفِ غیبی کی آواز سنی ہے۔

اے احمد تو نے جو کچھ مانگا ہے تجھے دے دیا گیا۔

پھر آنحضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ اب اپنے ہاتھ بلند فرما اور اللہ سے سوال کر۔ میں نے دیکھا حضرت علیؑ نے ہاتھ بلند کئے اور عرض کیا:

''اے اللہ! اس ہاتفِ غیبی کی آواز کو میرے لئے مجاہدہ قرار دے اور مجھے اپنی طرف سے محبت عنایت فرما۔''

اس کے بعد آنحضورؐ پر سورۂ مریم کی آیت ۹۶ نازل فرمائی۔

جب آنحضورؐ نے صحابہ کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی تو وہ حیران ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ کس بات پر حیران ہوئے ہو۔ قرآن ۱/۴ حصہ ہم اہل بیت کے حق میں ہے۔ ۱/۴ حصہ حلال وحرام میں ہے' ۱/۴ حصہ احکام وفرائض میں ہے اور قرآن کا عمدہ حصہ علیؑ کے حق میں ہے۔ (علی فی القرآن ص ۲۶۴۔۲۶۵)

۱۳۔ "فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"

(سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۷)

"اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔"

غایۃ المرام صفحہ ۲۴۰ پر علامہ بحرانی نے تفسیر ثعلبی سے روایت کی ہے کہ:

جابر ابن عبداللہ انصاری نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ: ہم اہل ذکر ہیں۔ (علی فی القرآن ص ۲۶۹)

۱۴۔ "رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ"

(سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۸۹)

"اے اللہ! اگرچہ تو بہترین وارث ہے لیکن مجھے تنہا نہ چھوڑ۔"

شرح نہج البلاغہ میں علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ: سیرت وتاریخ کی کتب سے جو کچھ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضورؐ ہمیشہ علیؑ کے لئے متفکر رہے۔ مثلاً جب حضرت علیؑ جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں گئے تو آنحضورؐ نے دعا مانگی: اے اللہ! تو نے جنگ بدر میں عبیدہ لے لیا ہے۔ اب میرے پاس تنہا علی رہ گیا ہے۔ اب علی کی حفاظت فرما۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ انبیاء کی آیت ۸۹ کی تلاوت فرمائی۔ (علی فی القرآن ص ۲۷۰)

۱۵۔ ''وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا'' (سورہ فرقان ۲۵۔ آیت ۷۴)

☆ شواہد التنزیل جلد ا صفحہ ۴۱۶ میں علامہ حسکانی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب جبرئیل یہ آیت لے کر آئے تو آنحضورؐ نے جبرئیلؑ سے سوال کیا: ہماری کون سی ازواج مراد ہیں؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا۔ جناب خدیجہؑ۔ آپؐ نے پوچھا اور امام المتقین کون ہے؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا۔ حضرت علیؑ (علی فی القرآن ص ۳۰۰)

۱۶۔ ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا'' (سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۳)

''نہیں چاہتا اللہ مگر دور رکھے تم سے نجاست کو اے گھر والو اور پاک رکھے تم کو جو پاک رکھنے کا حق ہے۔''

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو ایک سیاہ گلیم منقش اوڑھے ہوئے تشریف لائے۔ پس حسنؑ آئے اور آپؐ نے ان کو چادر میں لے لیا' پھر حسینؑ آئے ان کو بھی چادر میں لے لیا' پھر علیؑ آئے اور پھر فاطمہؑ آئیں۔ آپؐ نے ان سب کو چادر میں لے لیا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ (ابن ابی شیبہ' وابن جریر' وابن حاتم والحاکم والسیوطی فی درمنثور' صحیح مسلم حدیث ۲۴۲۴ جلد ۴ ص ۱۸۸۳۔ کشکول نیو جرسی صفحہ ۲۲۔)

علامہ حسکانی نے شواہد تنزیل میں ایک سو اڑتیس احادیث نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ سورۂ احزاب آیت ۳۳ کا مصداق صرف مذکورہ چار ہستیاں ہی ہیں۔

علامہ بحرانی نے غایۃ المرام میں اہلسنت ذرائع سند سے اکتالیس احادیث مع مکمل سلسلہ سند کے نقل کی ہیں۔ (علی فی القرآن صفحہ ۳۴۶)

۱۷۔ ''وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ''
(سورہ یٰسین ۳۶۔ آیت ۱۲)

''ہم نے ہر چیز کا علم امام مبین کو دے دیا ہے۔''

☆ ینابیع المودہ صفحہ ۷۷ پر علامہ قندوزی نے امام حسینؑ سے اور امام حسینؑ نے آنحضورؐ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے آنحضورؐ سے سوال کیا کہ کیا امام مبین سے مراد تورات ہے انجیل ہے یا زبور ہے؟ اتنے میں میرے بابا حضرت علیؑ تشریف لائے۔ آنحضورؐ نے دیکھ کر فرمایا۔ یہ ہے وہ امام مبین جسے اللہ نے ہر چیز کا علم دیا ہے۔

☆ علامہ قندوزی نے عمار یاسر سے روایت کی ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھا' ہم وادی نمل سے گزرے۔ میں نے چیونٹیوں کو دیکھ کر از راہ تعجب کہا۔ وہ ذات پاک ہے جو ان کی تعداد جانتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا مت کہو بلکہ یوں کہو وہ ذات پاک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد جاننے والا شخص موجود ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں ان میں سے نر اور مادہ کو بھی جانتا ہوں۔ عمار بھلا تم نے سورہ یٰسین کی آیت ۱۲ نہیں پڑھی؟ میں نے عرض کیا۔ پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا: عمار! میں ہی وہ امام مبین ہوں جسے اللہ نے تمام علم سے نوازا ہے۔ (علی فی القرآن صفحہ ۳۶۹۔۳۷۰)

۱۸۔ '' ذٰلِکَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی.'' (سورہ شوریٰ ۴۲۔ آیت ۲۳)

''یہ وہ بشارت ہے جو اللہ اپنے مومن اور صالح بندوں کو بشارت دے رہا ہے۔ انہیں بتا دے کہ میں تم لوگوں سے ذوی القربیٰ کی محبت کے سوا

کوئی اجر نہیں مانگتا۔"

☆ غایۃ المرام میں صفحہ ۲۰۶ میں علامہ بحرانی نے مسند امام حنبل کے حوالہ سے سعید ابن جبیر اور ابن عباس سے روایت کی ہے کہ:

صحابہ نے آنحضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ کے ذوالقربیٰ کون ہیں؟
آپ نے فرمایا۔ علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنینؑ۔

☆ تفسیر خازن کے حاشیہ پر دی گئی تفسیر نسفی جلد۴ صفحہ ۹۴ پر علامہ نسفی نے یہی حدیث نقل کی ہے۔

☆ غایۃ المرام صفحہ ۳۰۶ پر علامہ بحرانی نے صحیح بخاری جلد۶ کے حوالے سے یہی حدیث روایت کی ہے۔

☆ علامہ بحرانی نے صحیح مسلم ج ۵ کے حوالہ سے یہی حدیث درج کی ہے۔

☆ علامہ قندوزی نے ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۸ پر محبت اہلبیت کا فرض ہونا روایت کیا ہے۔

اس کے علاوہ ابن کثیر، علامہ سید قطب فاضل معاصر، علامہ سیوطی، علامہ ابن صباغ، علامہ حموینی، علامہ خوارزمی، علامہ شلنجی اور علامہ ابن حنان نے بھی اپنی تفاسیر میں یہی حدیث روایت کی ہے۔ (علی فی القرآن ص ۳۹۵ تا ۳۹۷)

۱۹۔ "وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"

(سورہ زخرف ۴۳۔ آیت ۲۸)

"ہم نے اس کی نسل میں اپنے کلمہ کو باقی رکھا تاکہ ممکن ہے یہ لوگ پلٹ آئیں۔"

☆ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۱۷ پر علامہ قندوزی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ: سورۂ

زحرف آیت ۲۸ ہمارے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے امامت تا قیامت نسلِ حسینؑ میں ودیعت کردی ہے۔ (علی فی القرآن صفحہ ۴۰۰)

۲۰۔ ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ النَّجْمِ اِذَا ھَوٰی مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَ ھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی'' (سورہ نجم ۵۳۔ آیت ۱ تا ۷)

(رحمٰن اور رحیم اللہ کے نام سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس ستارے کی قسم ہے جب وہ مائل ہوا۔ تمہارا نبی نہ راہ سے بھٹکا ہے اور نہ گمراہ ہے۔ اپنی ذاتی خواہشات سے کوئی بات نہیں کرتا۔ وہی بات کرتا ہے جو وحی ہوتی ہے امین ملک اسے وحی پہنچاتا ہے۔ عزم مصمم کا مالک ہے جس کا قیام افقِ اعلیٰ پر ہے)

غایۃ المرام میں صفحہ ۴۰۹ پر علامہ بحرانی نے مناقب مغازلی کے حوالے سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ:

میں بنی ہاشم کے چند دیگر نوجوانوں کے ساتھ آنحضورؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ ہم نے آسمان سے ایک ستارے کو ٹوٹتے دیکھا' آنحضورؐ نے فرمایا یہ ستارہ زمین پر آئے گا اور جس کے گھر آئے گا وہی میرے بعد میرا وصی ہوگا۔

ہم تمام جوان اٹھ کھڑے ہوئے اور ستارے کو دیکھنے لگے۔ ستارہ مدینہ کے اوپر آ کر چکر لگانے لگا اور پھر خانۂ علیؑ میں آ گیا۔

کچھ صحابہ نے کہا۔

یا نبی اللہ! آپ محبت علیؑ میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔

ان کے جواب میں ذاتِ احدیت نے یہ آیات نازل کیں۔
علامہ کنجی نے کفایۃ الطالب صفحہ ۱۳۱ پر یہ واقعہ ابن عساکر کی تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (علی فی القرآن ص ۴۴۹۔۴۵۰)

۲۱۔ ''فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ'' (سورہ النشرح ۹۴۔آیت ۷)
''جب تو حج سے فارغ ہو جائے تو اسے مقرر کر دے۔''

شواہد التنزیل جلد ۲ صفحہ ۳۴۹ پر علامہ حسکانی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ: ذات احدیت کی طرف سے آنحضورؐ کو یہ حکم حجۃ الوداع کے بعد آیت غدیر سے پہلے ملا تھا کہ جب حج سے فارغ ہو جائیں تو علیؑ کی خلافت کے لئے تقرری کا اعلان کر دیں۔ (علی فی القرآن ص ۵۵۳)

۲۲۔ ''سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الۡمَعَارِجِ'' (سورہ معارج ۷۰ آیت۔۱۔۲۔۳)
''مانگنے والے نے کفار کے لئے عذاب کا مطالبہ کیا۔ ذوالمعارج اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب کو کوئی بھی نہ روک سکے گا۔''

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی نے روایت کی ہے کہ: اس آیت کا مصداق حارث ابن نعمان فہری ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آنحضورؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا ہے۔ من کنت مولا ۔ فعلی مولا ۔ تو اس نے کہا تھا۔ اے للہ: جو کچھ محمدؐ کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہے تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا۔ اسے دعا مانگتے ہوئے تھوڑا سا ہی وقت گزرا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر آیا اس کے سر پر پڑا اور وہ اسی وقت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ نور الابصار صفحہ ۷۸ پر علامہ شبلنجی نے یہی روایت سفیان ابن عینیہ سے نقل کی ہے۔ (علیؑ فی القرآن ص ۵۰۸)

۲۳۔ ''وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ'' (سورہ بلد۹۰۔آیت۳)

''مجھے باپ اور اس کی اولاد کی قسم ہے۔''

شواہد التنزیل جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ پر علامہ جسکانی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ: والد سے مراد حضرت علیؑ اور ماولد کا مصداق حضرت حسنینؑ ہیں۔ (علیؑ فی القرآن ص ۵۴۵)

علیؑ رسولؐ اللہ کی نظروں میں

حضرت علیؑ رسولؐ اللہ کی نظروں میں کیا تھے۔ یہ اقوالِ رسولؐ سے پتہ چلتا ہے اور جب قرآن میں ہے کہ'' وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی '' (پیغمبر جو کچھ بھی کہتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کہتا ہے) تو اقوالِ رسولؐ میں مرضی رب بھی شامل ہے۔ اقوال اتنے زیادہ ہیں کہ کتاب کی ضخامت سے بچنے کے لئے چند اقوال درج کئے جا رہے ہیں جو مختلف کتابوں سے نقل کئے ہیں۔

۱۔ رسولِ اکرمؐ امام علیؑ سے فرماتے ہیں:

''تمہیں تین ایسی نعمتیں دی گئی ہیں جو کسی دوسرے شخص کو حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں دی گئیں۔ تمہیں میری دامادی کا رتبہ حاصل ہے اور مجھے یہ فضیلت حاصل نہیں۔ تم میری بیٹی ''صدیقہؑ'' جیسی بیوی رکھتے ہو اور میری اس جیسی کوئی بیوی نہیں۔ علاوہ ازیں تمہیں حسنؑ اور حسینؑ جیسے دو فرزند دیئے گئے اور میرے صلب سے ایسے فرزند وجود میں نہیں آئے۔ تاہم تم مجھ سے جدا نہیں ہو۔ تم اور حسنؑ اور حسینؑ مجھ سے اور میں تم سے ہوں۔'' (الریاض النضرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ دوسرا ایڈیشن ۱۳۷۲ھ دار التالیف قاہرہ اور ''احیائے دین میں ائمہ اہل بیت کا کردار'' علامہ محقق سید مرتضیٰ عسکری صفحہ ۶۳ جلد

اول)

۲۔ ''علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور خود میرے اپنے یا علیؑ کے سوا کوئی میری جانب سے رسالت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔'' (صحیح ترمذی جلد ۵ صفحہ ۶۳۶ حدیث ۳۷۱۹، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۴۴، حدیث ۱۱۹، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۶۴، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۹، ''احیائے دین میں ائمہ کا کردار'' صفحہ ۶۲ جلد اول)

۳۔ ''حضرت علیؑ کے ساتھ ائمہ اہل بیت کے بارے میں بھی مختلف صورتوں میں کہا کہ:

''صحابی رسولؐ مقدام بن معدی کرب کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے حضرت حسنؑ کو ان کی صغرسنی کے عالم میں گود میں اٹھایا اور فرمایا: ''ھذا منی '' (۱) یہ مجھ سے ہے اور حضرت حسینؑ کے بارے میں بھی فرمایا: ''حسین منی و انا من الحسین '' (۲) یعنی حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں۔'' اہل بیت کے آخری فرد یعنی اس خاندان کے آخری امام حضرت حجت بن الحسن امام مہدیؑ کے بارے میں بھی آپ نے فرمایا: ''المھدی منی '' (۳) یعنی ''مہدیؑ مجھ سے ہے'' یا ''المھدی منا اھل البیت '' (۴) یعنی مہدیؑ ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔''

۴۔ ''حضرت علیؑ سے محبت رکھنا ایمان میں داخل ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔'' (صحیح مسلم شریف جلد اول صفحہ ۱۷۱)

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۳۲ قدیم ایڈیشن۔ نیز کنزل العمال سے بھی رجوع کریں۔

۲۔ صحیح ترمذی جلد ۵ صفحہ ۶۵۹۔۶۵۸ حدیث ۳۷۷۵۔ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱، حدیث ۱۴۴، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۔

۳۔ سنن ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۱۰۷ حدیث ۴۲۸۵۔

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۸۴ مندرجہ (احیائے دین میں ائمہ اہلبیت کا کردار'' علامہ محقق سید مرتضیٰ عسکری صفحہ ۶۴ جلد اول)

۵۔ ''سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو خلیفہ کیا (مدینہ میں) جب آپ غزوہ تبوک کو تشریف لے گئے' انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم خوش نہیں ہوتے اس بات سے کہ تمہارا درجہ میرے پاس ایسا ہو جیسے ہارونؑ کا تھا' موسیٰ علیہ السلام کے پاس اور میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم شریف نووی جلد ۶ صفحہ ۹۸)

یہی بات صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۹۲۷ پر درج ہے۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے کہا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تمہارا درجہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسا حضرت ہارون علیہ السلام کا درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔''

۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا غدیر خم پر۔ ''میں جس کا مولا ہوں پس علیؑ اس کے مولا ہیں۔ بارِ الٰہا اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے۔'' (صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱۸ دوسرا حصہ) بدایہ ونہایہ ج ۸۔ ص ۳۹۴ پر مزید اضافہ کے ساتھ ہے کہ ''اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا مبارک ہو اے علیؑ آج سے آپ ہر مومن کے ولی ہو گئے۔'' اس روایت کو ۱۶ راویوں نے بیان کیا ہے۔ (۱)

۷۔ ''فرمایا رسولؐ خدا نے کہ ''میں اور علیؑ پیدا ہوئے تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال پیشتر۔ پھر خلق فرمایا آدم کو تو ہمارے نور کو صلب آدم میں جگہ دی اور پھر ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ صلب عبدالمطلب میں آیا پھر دو حصوں میں منقسم

ا۔ شاہ ولی اللہ کتاب قرۃ العین' صفحہ ۲۰۷' امام احمد حنبل' کتاب المناقب۔ مسند' مشکوٰۃ۔ المصابیح' شیخ عبدالحق محدث دہلوی' اشعۃ اللمعات۔ شرح مشکوٰۃ جلد چہارم صفحہ ۱۷۳ وغیرہ۔

ہوا' ایک حصہ صلب عبداللہ میں آیا جس سے میرا ظہور ہوا' دوسرا حصہ صلب ابوطالب میں منتقل ہوا جس سے علیؑ کا ظہور ہوا۔'' (علامہ حلی کتاب نہج الحق اور کشف الصدق' احمد بن حنبل کتاب مسند اور ابن معازلی بحوالہ جابر بن عبداللہ) اس روایت کو ہر فرقہ نے بغیر اختلاف تسلیم کیا ہے۔

۸۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جو آپ کے ساتھ ہی ساتھ مڑتا ہے۔'' (شیخ الاسلام حموینی۔ فرائد باب ۳۷' سلیمان بلخی حنفی۔ ینابیع المودۃ' متقی ہندی۔ کنز العمال جلد ششم صفحہ ۱۵۷' امام فخر رازی۔ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۱۱۱ وغیرہ (خورشید خاور شبہائے پشاور۔ جلد اول و دوم' صفحہ ۱۸۲)

۹۔ شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۵۵ میں ترمذی سے بریدہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ''پیغمبر کے نزدیک عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہؑ اور مردوں میں علیؑ تھے۔'' (خورشید خاور شبہائے پیشاور جلد اول و دوم صفحہ ۲۰۶)

۱۰۔ حدیث طیرؔ ۔ ایک روز کوئی عورت ایک بھنا ہوا طائر ہدیے کے طور پر جناب رسولؐ اللہ کی خدمت میں لائی' آنخضرتؐ نے اس کو تناول فرمانے سے پہلے بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند فرمائے اور عرض کیا: ''پروردگار جو شخص میرے اور تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تا کہ اس بھنے ہوئے طائر میں سے میرے ساتھ نوش کرے۔'' اس وقت علیؑ آئے اور آنخضرتؐ کے ساتھ اس کو تناول کیا۔ (یعنی علیؑ خدا اور رسولؐ دونوں کی نظروں میں محبوب تھے) (بحوالہ بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' امام احمد ابن حنبل کی مسند' ابن ابی الحدید کی شرح' نہج البلاغہ' ابن صباغ مالکی کی فصول المہمہ اور سلیمان بلخی کی ینابیع المودۃ کے باب ۸ وغیرہ مندرجہ خورشید خاور شبہائے پیشاور صفحہ ۲۰۸۔۲۰۹)

۱۱۔ مباہلہ۔ مسلم نے سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیت اَنَــــدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُم.. الخ کا نزول ہوا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور فرمایا "اللھم ھو لاء اھلی" (اے خدا! یہ میرے اہل بیت ہیں)

۱۲۔ طبرانی و حاکم نے ابن مسعود کی روایت درج کی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ: "علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے۔"

۱۳۔ جناب ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ "میں نے جناب سرور کائنات کو فرماتے سنا ہے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک کہ حوض کوثر پر دونوں نہ وارد ہوں۔" (ارجح المطالب ص ۱۱۱ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)

۱۴۔ خطیب نے براء سے اور دیلمی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: "علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو میرے جسم کو میرے سر سے ہے۔"

۱۵۔ رسولؐ خدا کی اس روایت کو تقریباً تمام محققین نے درج کیا ہے کہ:

"میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔"

۱۶۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ اللہ فرماتے تھے "یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہے اس کا گوشت میرا گوشت ہے اور اس کا خون میرا خون ہے اور یہ مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہے موسیٰ سے مگر نبی میرے بعد نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ام المومنین ام سلمہؓ سے ارشاد فرمایا۔ اے اُم سلمہؓ، گواہ رہیو اور سن کہ یہ علیؑ مومنوں کا امیر اور مسلمان کا سردار اور میرے علم کا خزانہ ہے اور میرے علم کا ایسا دروازہ ہے کہ جس سے لوگ داخل ہو سکتے ہیں اور میرے اہل بیت کے مردوں کا وصی ہے اور دنیا میں میرا بھائی ہے اور آخرت میں میرے ہم صحبت ہے اور میرے ساتھ

جنت کی اونچی جگہ میں ہوگا۔" (ارجح المطالب ص۱۰۹۔ اخرجہ ابونعیم فی منقبتہ المطہرین والخوارزمی فی المناقب والشیرازی فی الالقاب)

۱۷۔ بیہقی اپنی اسناد کے ساتھ اس حدیث کو جناب رسولؐ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ: "جو شخص آدم کو ان کے علم کے ساتھ اور نوح کو ان کے تقویٰ کے ساتھ اور ابراہیم کو ان کے خلیل ہونے کے ساتھ اور موسیٰ کو ان کی ہیبت کے ساتھ اور عیسیٰ کو ان کی عبادت کے ساتھ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہو وہ علی ابن ابی طالبؑ کو دیکھ لے۔" (ارجح المطالب ص۱۴۸)

۱۸۔ فضل اللہ بن روز بہان کشف الغمہ میں ناقل ہیں کہ جمہور اہل سیر روایت کرتے ہیں کہ جب جناب امیرؑ عمرو (بن عبدود) کے مقابلے کے لئے نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے۔" (ارجح المطالب ص۱۸۳)

۱۹۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ: "میں جناب رسالتؐ مآب کے حضور بیٹھا تھا کہ آنحضرتؐ سے جناب علیؑ کی نسبت پوچھا گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ حکمت دس حصوں پر تقسیم کی گئی ہے پس علیؑ کو نو حصے اس کے دیئے گئے ہیں اور ایک حصہ سب لوگوں کو دیا گیا۔" (ارجح المطالب۔ ص۱۰۶، اخرجہ الدیلمی)

۲۰۔ ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ وہ کعبہ شریف کا دروازہ پکڑے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ: "میں نے جناب رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ میرے اہل بیت سفینہ نوح کی مثل ہیں جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو مخالف ہوا ہلاک ہوا۔" (اخرجہ احمد فی مسند الجریری فی تاریخہ)

۲۱۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ: "ہر نبی کی ایک نظیر اس کی امت میں ہوتی رہی ہے۔ پس علیؑ میری نظیر ہے۔" (ارجح المطالب ص ۴۲۵،

اخرجہ الخطعی والدیلمی)

۲۲۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ: ''علی کی مثال لوگوں کے درمیان ایسی ہے جیسے قل ھواللہ کی قرآن میں۔'' (ارجح المطالب ص ۴۵۰ اخرجہ الدیلمی)

۲۳۔ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے خندق کے دن عمرو بن عبدود کے ساتھ جناب امیرؑ کے مقابلہ کرنے کی نسبت فرمایا ''تمام ان اعمال سے کہ قیامت تک میری امت کے لوگ کرتے رہیں گے، علیؑ کی یہ ایک ضرب افضل ہے۔'' (ارجح المطالب۔ص ۴۵۰ اخرجہ الدیلمی فی فردوس الاخبار)

۲۴۔ بریدہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: ''جس نے علیؑ کی شان گھٹائی اس نے میری شان گھٹائی''۔ (ارجح المطالب۔ص ۴۸۰ اخرجہ الدیلمی فی فردوس الاخبار)

۲۵۔ حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ: ''علیؑ سے کوئی منافق محبت نہیں رکھے گا اور کوئی مومن علیؑ سے بغض وحسد نہیں رکھے گا۔'' (مسند احمد بن حنبل۔ج ۶۔ص ۲۹۲)

۲۶۔ امام احمد بن حنبل وبیہقی فضائل الصحابہ میں روایت کرتے ہیں: ''فرمایا جناب رسولؐ خدا نے کہ جو شخص ارادہ کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو ان کے علم کے ساتھ، حضرت موسیٰؑ کو ان کی ہیبت کے ساتھ اور حضرت عیسیٰؑ کو ان کی عبادت کے ساتھ دیکھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ چہرہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو دیکھے۔''

جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ: جو شخص چاہتا ہے کہ دیکھے اسرافیلؑ کو ان کی ہیبت میں، میکائیلؑ کو ان کے رتبہ میں، جبرئیلؑ کو ان کی جلالت میں، آدمؑ کو ان کے علم میں، نوحؑ کو ان کے فہم میں، ابراہیمؑ کو ان کی صفت خلیل الٰہی میں۔ یعقوبؑ کو ان کی قربت خداوندی میں جو صابر کو رنج وغم کی حالت میں حاصل

ہوتا ہے۔ یوسفؑ کو ان کے جمال میں، موسیٰ علیہ السلام کو ان کی صفت کلیمی میں، ایوبؑ کو ان کے صبر میں، یحییٰ علیہ السلام کو ان کے زہد میں، عیسیٰ کو ان کی طریقت میں، یونس کو ان کی پرہیزگاری میں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے جسم و خلق میں تو اسے چاہئے کہ حضرت علیؑ کو دیکھے ان میں نوے ۹۰ صفات انبیاء کی صفات میں سے جمع ہوئی ہیں جو کبھی ان کے سوا کسی اور میں نہیں ہوئیں۔"

ان تمام خصائل کو کتاب جواہر الاخبار میں جمع کیا گیا ہے۔ (بحوالہ سید علی ہمدانی، مودۃ القربیٰ)

۲۷۔ رسولؐ خدا نے ایک دن اصحاب سے فرمایا: "اللہ نے علیؑ کے بارے میں مجھ سے ایک عہد لیا تو میں نے عرض کی خدایا وہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا۔ یاد رکھو علیؑ پرچم ہدایت، امام الاولیاء اور میرے اطاعت گزاروں کے لئے ایک نور ہے۔" (حلیۃ الاولیاء ۱/ ۶۷، شرح نہج البلاغہ ۹/ ۶۷، مناقب خوارزمی ص ۲۱۵، تاریخ ابن عساکر ۲/ ۱۸۹ حدیث نمبر ۶۷۲، مناقب ابن مغازلی ص ۴۶، ینابیع المودۃ ص ۳۱۲، احقاق الحق ۲/ ۱۶۸، فرائد السمطین ۱/ ۱۴۴۔ ۱۵۱۔ مندرجہ نظریۂ عدالت صحابہ ص ۲۶۴۔

۲۸۔ "اے علیؑ لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور تم ایک درخت سے ہیں۔" (از منتخب کنزل العمال بر حاشیہ مسند احمد حنبل۔ ۳۱)

۲۹۔ "علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔" (ریاض النضرۃ ج ۲، ص ۲۱۵)

حضرت علیؑ خلفائے ثلاثہ کی نظر میں

(درج ذیل روایات میں بعض کے صفحات میں فرق ہے ورنہ روایات یکساں ہیں)

روایاتِ حضرت ابوبکرؓ

ا۔ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے۔ (تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۸)

۲۔ پیغمبرؐ خدا کی وفات کے چھ دن بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؑ کے ہمراہ آنحضرت کی قبر مبارک کی زیارت کو آئے۔ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ آگے چلئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں ایسے شخص پر سبقت نہیں کرسکتا جس کے متعلق رسالتمآبؐ نے فرمایا ہو کہ علیؑ کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو مجھ کو اپنے پروردگار سے نسبت ہے۔

(فضائل الخمسہ جلد ا صفحہ ۳۴۴، ریاض النظرہ جلد ۲، صفحہ ۱۶۳، صواق محرقہ صفحہ ۱۰۶ جبکہ کشکول نیو جرسی میں ابن سماں کی کتاب کے حوالے سے صفحہ ۱۰۸ درج ہے)

۳۔ شعبی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؑ کو سامنے سے آتے دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ رسولؐ خدا سے قریب ترین، بلند مرتبہ، خدا کی راہ میں سب سے زیادہ تکلیف اٹھانے والے اور خدا کے نزدیک سب سے بزرگ کی طرف نگاہ کرے تو اس کو چاہئے کہ اس شخص (حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرکے) کی طرف نگاہ کرے کیونکہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ وہ یقیناً آدمیوں پر مہربان ہے اور نہایت نفس کش اور بردبار ہے۔

(مناقب خوارزمی فصل ۱۴ صفحہ ۹۸، کشکول نیوجرسی صفحہ ۹۷، فضائل الخمسہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۳)

۴۔ انس ابن ملک نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھا جب انہوں نے کہا کہ کوئی شخص پل صراط سے نہیں گزر سکے گا جب تک علیؑ کا پروانہ راہداری اس کے پاس نہ ہو۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۰۔ صفحہ ۳۵۶، فضائل الخمسہ۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۳۱)

کشکول نیوجرسی میں یہی روایت قیس بن حاتم سے بحوالہ محبّ طبری شافعی (۶۱۵۔۶۹۴) کی کتاب ذخائر العقبیٰ طبع مصر ۱۳۵۶ء درج ہے۔ ابن سماں کی کتاب ''موافقۃ'' اور خوارزمی حنفی (۴۸۴۔۵۶۸) کی مناقب کی انیسویں فصل میں اور مقتل حسینؑ (جلد ۱ صفحہ ۳۹ طبع نجف ۱۳۶۷ھ) میں بھی اس حدیث کا ذکر ہے۔ حموینی شافعی کی کتاب فرائد السمطین اور کتاب ریاض النظرہ میں تحریر ہے کہ صحابہ کے ایک گروہ نے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعود اور انس ابن مالک شامل ہیں یہ حدیث بیان کی ہے۔

ابن حجر شافعی (۹۰۹۔۹۷۴) نے بھی اپنی کتاب ''صواعق محرقہ'' طبع مصر ۱۳۰۸ کے صفحہ ۹۷ پر خود اپنی سند سے ابن سمان سے حضرت ابوبکرؓ کی روایت نقل کی

ہے۔ انہوں نے جناب رسولؐ خدا کو فرماتے سنا ہے کہ پل صراط سے کوئی شخص نہ گزر سکے گا جب تک اس کے پاس حضرت علیؑ کا پروانہ راہداری نہ ہوگا۔

۵۔ ہندوستان کی انیتا رائے نے اپنی کتاب "An affair of the Heart" میں صفحہ ۱۰۸ پر حضرت ابوبکرؓ کی ایک اور روایت درج کی ہے جسے اسی کے الفاظ میں حوالوں کے ساتھ نقل کر رہا ہوں۔

"Umer B. Kattab Said, "I heard Abu Bakar Ibn Abi Qahafa quoting the Holy Prophet thus, Allah has created angels from the light of Ali's face. They are constantly praising and glorifying Allah, the reward of which is accounted in Ali and his progeny's name" (Meah Manqebah pg 148)"

یہی روایت خوارزمی حنفی نے اپنی کتاب "مناقب" کی انیسویں فصل صفحہ ۲۳۰ پر اپنی سند سے "عماد بن ثابت نبانی" سے انہوں نے عبید بن عمر لیثی سے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان سے درج کی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا کہ بالتحقیق خدائے تعالیٰ نے ایک فرشتہ حضرت علیؑ کے نور سے پیدا کیا ہے۔

۶۔ موفق بن احمد خوارزمی حنفی (۴۸۴۔۵۶۸) نے اپنی کتاب "مناقب" کی انیسویں فصل صفحہ ۲۰۵ پر اپنی سند سے حبشی بن جنادہ سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک روز میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جس شخص سے رسولؐ خدا نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔ ایک آدمی اٹھا اور کہا کہ رسولؐ خدا نے مجھے تین مٹھی خرمے دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت علیؑ کو بلا لاؤ'

حضرت علیؑ آئے ان سے حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے ابوالحسن اس شخص کا دعویٰ ہے کہ رسولؐ خدا نے اس کو تین مٹھی خرمے دینے کا وعدہ فرمایا تھا' آپ اس کو تین مٹھی خرمے دے دیجئے۔ جب حضرت علیؑ نے تین مٹھی خرمے علیحدہ کر دیئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ان کو شمار کیا جائے۔ جب گنتی کی گئی تو ہر مٹھی میں ساٹھ دانے خرموں کے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے ٹھیک فرمایا تھا' ہجرت کی رات جب میں آنحضرتؐ کے ہمراہ غار سے باہر آیا اور ہم مدینہ کی جانب چلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اے ابوبکر میری اور علیؑ کی مٹھی برابر ہے۔

جلال الدین سیوطی شافعی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء (جلد ا صفحہ ۳۷) میں حدیث کے آخر میں لکھا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میرا اور حضرت علیؑ کا ہاتھ انصاف کرنے میں برابر ہے۔

۷۔ خوارزمی حنفی نے ''مناقب'' کی فصل انیس ۱۹ صفحہ ۲۰۶ پر یونس بن سلیمان تمیمی کی سند سے اور انہوں نے اپنے باپ زید بن تبیع کی سند سے روایت کی ہے کہ زید نے حضرت ابوبکرؓ کو کہتے سنا کہ انہوں نے سرورکائنات کو دیکھا کہ چادر اوڑھے ہوئے تھے اور عربی کمان پر تکیہ کیے ہوئے تھے' اس چادر کے اندر علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ تھے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: اے میرے مسلمانو! میں ہر اس شخص سے جو ان لوگوں سے جو اس چادر کے اندر ہیں لگاؤ رکھے گا لگاؤ رکھوں گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا میں اس سے مخالفت کروں گا۔ ان کے دوستوں کا میں دوست ہوں اور ان کے دشمنوں کا میں دشمن ہوں۔ کسی نے زید سے پوچھا کہ اے زید! آیا یہ حدیث تو نے حضرت ابوبکرؓ کو بیان کرتے ہوئے سنی۔ زید نے جواب دیا کہ کعبہ کے پروردگار کی قسم ہاں۔

شریف عسکری کہتا ہے کہ اسی مفہوم کی بہت سی حدیثیں اور بھی ملتی ہیں۔ علماء

نے اس حدیث کا نام حدیث کساء رکھا ہے۔

روایاتِ حضرت عمرؓ ابن خطاب

۱۔محبّ طبری شافعی نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ کے صفحہ ۱۰۰ پر اپنی سند سے حضرت عمرؓ ابن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسولؐ خدا پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر آسمان اور زمین ترازو کے ایک پلہ میں رکھے جائیں اور حضرت علیؑ کا ایمان دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو ایمان علیؑ کا پلہ جھک جائے گا۔

۲۔خوارزمی حنفی نے اپنی "مناقب" کی انیسویں فصل میں صفحہ ۲۳۲ پر اپنی سند سے حضرت عمرؓ ابن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو تین فضیلتیں عطا ہوئی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھ کو حاصل ہوتی تو سرخ بال والے اونٹوں سے زیادہ اس کو پسند کرتا۔ان سے پوچھا گیا اے امیر المومنین وہ کون سی فضیلتیں ہیں؟ جواب دیا:

۱۔فاطمہؑ دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان سے شادی کا ہونا۔

۲۔علیؑ کا رسولؐ خدا کے ساتھ مسجد نبوی میں رہنا اور جو رسالت مآب کے لئے جائز تھا' ان کے لئے بھی جائز تھا۔

۳۔خیبر کی فتح کے لئے علیؑ کو علم دینا۔

بہت سے اہل سنت کے علماء نے اس حدیث کو کئی طریقوں سے بیان کیا ہے۔

۳۔سید علی شافعی ہمدانی نے مودۃ خامسہ ذوالقربیٰ کے ضمن میں اپنی سند سے حضرت عمرؓ ابن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر دریا سیاہی ہو جائیں اور تمام

درخت قلم بن جائیں اور تمام آدمی کاتب ہو جائیں اور جنات حساب کرنے والے ہو جائیں تو اے ابوالحسن تمہارے فضائل کو شمار نہیں کر سکتے۔ (ینابیع المودۃ جلد اول صفحہ ۲۴۹)

۴۔ زین الفتیٰ فی شرح سورہ ہل اتی لابو محمد احمد علی العاصمی میں ہے کہ خلیفہ دوم نے حضرت علیؑ کے متعلق یہ گواہی دی ہے کہ "یہ علیؑ ہمارے رسولؐ اور قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔" (ترجمہ) (منہاج نہج البلاغہ از سید سبط الحسن ہنسوی۔ دار النشر للمعارف الاسلامیہ لکھنو صفحہ ۱۳)

۵۔ ذخائر العقبیٰ کے صفحہ ۶۱ پر اس عنوان کے تحت حضرت عمرؓ ابن خطاب سے روایت نقل ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علیؑ کی مانند فضیلتیں حاصل نہیں کی ہیں۔ اپنے دوست کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں اور ہلاکت سے بچاتے ہیں۔

روایات جو ہندوستان کی انیتا رائے نے اپنی کتاب "An Affair of the Heart" میں جمع کی ہیں۔

6- "Ali has the maxium knowledge of what was revealed to the Holy Prophet."(Shawahedut Tanzeel, vol.1 pg.30)

7- Ibn Abbas heard umar saying, "The best judge among us is Ali." (Sahih Bokhari, vol.6 kitabul tafseer)

یہی حدیث ابن حجر نے صواعق محرقہ کی تیسری فصل کے صفحہ ۷۸ پر جس میں حضرت علیؑ کی مدح صحابہ کی زبانی بیان کی ہے۔ طبقات ابن سعد کے حوالے سے اپنی

سند سے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ ہمارے سب
سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔

8- Some one told umar, "You do not treat others like you treat Ali." Hearing this umar answered, He is the master of all those whose master is the Holy Prophet." (Riyaazun Nazrah, vol 2. pg. 169)

علیؑ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی نظر میں

جس وقت میں یہ مضمون تحریر کررہا تھا تو ایک دوست ملنے آئے۔ عنوان دیکھ کر بولے کہ حضرت عائشہؓ تو جنگ جمل کی اصل قائد تھیں جس جنگ میں دونوں طرف کے ملا کر دس ہزار آدمی شہید ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں حضرت علیؑ کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہوں گے جنہیں لکھنا ضروری ہے۔ مجھے بتلانا پڑا کہ زندگی بعض اوقات ایسے دوراہے پر کھڑا کردیتی ہے جہاں مصلحتوں کے تقاضے دامن سے لپٹ جاتے ہیں۔ امیر معاویہ نے جنگ کا رخ اپنی طرف آتے دیکھ کر انتہائی مہارت کے ساتھ اسے جنگ جمل کے لئے ایسے تقاضے لا کھڑے کئے کہ حضرت عائشہؓ مصلحتوں میں پھنس کر درست فیصلہ نہ کرسکیں۔ تاریخ میں ہے کہ حضرات طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا طرزِ عمل بھی غلط تھا جو جنگ جمل کا موجب بنا۔ اسی بات کی وضاحت مودودی صاحب نے بھی کی ہے کہ ''یہ دونوں حضرات اپنے فعل پر نادم ہوئے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی اپنے فعل پر نادم ہوئیں اور اس پر وہ اتنا روتی تھیں کہ ان کے دوپٹے کا دامن بھیگ جاتا تھا۔''

(خلاف وملوکیت صفحہ ۳۴۱)

دوسری جانب جنگ کے بعد حضرت علیؑ نے بہ کمال احترام "حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو شکست خوردہ فریق کی اصل قائد تھیں، انتہائی احترام کا برتاؤ کیا اور پوری حفاظت کے ساتھ انہیں مدینہ بھیج دیا۔" (البدایہ، ج ۷ ص ۲۴۵، ۲۴۶۔ الطبری، ج ۳، ص ۵۴۷۔ خلافت وملوکیت صفحہ ۱۳۱)

ان حالات میں جبکہ وہ ام المومنین زوجہ رسولؐ تھیں اور حضرت علیؑ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی اور داماد ہونے کے ساتھ انسانِ کامل کی جملہ صفات کے مجموعہ تھے کیسے بے اعتنائی برت سکتی تھیں۔ باہر والی جگہ سے زیادہ دلوں کے اندر والی جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھا سلوک اور خدمت خود جگہ بنا لیتی ہے۔ جنگ کے باوجود حضرت علیؑ کا طرز عمل دیکھ کر حضرت علیؑ کے وہ اوصاف کیسے نہ بیان کرتیں جنہیں رسولؐ سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ وہی روایات ہیں جنہیں مورخین اور مولفین نے تاریخ کے ماتھے پر سجا رکھا ہے اور میں انہی کی نقل کر رہا ہوں۔

۱۔ گنجی شافعی نے اپنی کفایت الطالب کے صفحہ ۱۱۹ پر اپنی سند سے 'عطا' سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ حضرت علیؑ خیر البشر ہیں اور سوائے کافر کے اس میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔

ابن عساکر اور شریف عسکری کے علاوہ ابن محمد جعفر بن احمد بن علی قمی نے اپنی کتاب میں ۷۵ سندیں اس حدیث کے متعلق جمع کی ہیں اور اس کا نام "نوادر الاثر فی علیؑ خیر البشر" رکھا ہے۔ یہ کتاب تہران میں ۱۳۶۹ھ میں چھپی ہے۔

۲۔ کفایت الطالب کے صفحہ ۱۸۶ پر گنجی شافعی نے اپنی سند سے شریح بن ہانی سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا نے کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں کیا جو رسولؐ خدا کے نزدیک علیؑ ابن

ابی طالب سے زیادہ محبوب ہو۔ (انیتا رائے نے صفحہ ۱۸۴ پر درج کیا ہے)

حاکم نے **مستدرک الصحیحین** میں یہی حدیث اپنی سند سے' جمیع بن عمیر سے نقل کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اپنی ماں کے ہمراہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گیا اور پردے کے پیچھے سے میں نے ان کو یہ فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ علیؑ کے متعلق ان سے سوال کیا گیا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا' مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو خدا کی قسم روئے زمین پر سب سے زیادہ رسولؐ خدا کے نزدیک محبوب تھا اور عورتوں میں اس کی زوجہ فاطمہؑ زیادہ محبوب تھی۔ حاکم کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہونے کی سند رکھتی ہے۔

۳۔ محبّ طبری احمد بن عبداللہ شافعی نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ کے صفحہ ۳۵ پر حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کون لوگ رسولؐ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے۔ فرمایا حضرت فاطمہؑ' پھر ان سے پوچھا کہ مردوں میں کون تھا' فرمایا اس کا شوہر' جیسا کہ میں جانتی ہوں وہ روزہ دار اور تہجد گزار تھا۔

انیتا رائے نے بھی حضرت عائشہؓ سے متعلق حوالے دیئے ہیں۔ وہ ان کی زبان انگریزی میں پڑھئے۔

4- Ayesha while quoting the prophet narrates, "Remembrance of Ali is worship."

(Manaqib khwarazmi pg 261, kanzul-ummal vol. 6, pg. 152)

5- Ayesha says that I asked the Holy Prophet, 'who is the best among men after you?' He

replied, 'Ali, because he is from my own self, and I am from him."

(Manqib Khwarazmi, Chapter 14 pg. 90)

6- The mother of the faithfull is also reported to have said. "When my father was on death bed, Ali came to visit him. My father was constantly looking at him. When Ali left, I asked my father as to why he was looking canstantly without even batting on eyelids? My father replied, "I heard the Holy Prophet say that looking at the face of Ali is worship.

(Manaqib Ibn Maghazali, page 207, Riyaazun Nazrah, vol 2, pg. 219)

7- Another gem from the reliable and assuring traditions of Ayesha: One day, a gathering of people asked Ayesha of Ali. She said: "You have asked about a man who was loved the most by the Holy prophet. He was the husband of most beloved of the Prophet. Once I said that Ali, Fatima, Hassan and Hussain, toghter with the

Holy prophet were gathered under a cloak, The Prophet said, 'Allah, these are my Ahlebayt, my helpers and my supporters. Please keep away every kind of un-cleanliness (and sins) from them and purify them in the best form of purification, I said to him, "O prophet of Allah! I too am from your Ahlebayt." He said, "You keep away" (Shawahid ul Tanzeel vol. 2 pg, 39, Ayat ul tathir, vol. 1, pg 237)

علیؑ شناسی

یادوں کا اپنا ہی تیکھا پن ہوتا ہے جو نوکیلے کانٹوں کی طرح ذہن کے کسی نہ کسی حصہ میں چپکی رہتی ہیں اور کسی نہ کسی موقع پر اپنی چبھن کا احساس دلا دیتی ہیں۔ زمانہ گزر گیا لیکن آج بھی ہر برے وقت میں حضرت علیؑ کی یاد باعث تسکین ہوتی ہے۔ دراصل حضرت علیؑ کے بعد ملوکیت نے زندگی میں اتنی تلخی گھولنا شروع کردی کہ انسان خوابوں میں جینے لگا۔ خواب بھی کیسے دل ہلا دینے والے اور رلا دینے والے اور جب رونے کے لئے بھی انہیں کوئی کندھا نہ ملا تو یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ پتھروں کی دیواروں کے سامنے رونا کیسا؟ ایسے میں پھر علیؑ کی مشکل کشائی یاد آنے لگی کہ وہی حاجت روائی کا وسیلہ اور ہر دور کے معلم ورہبر اور ولیوں کے ولی ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایک عہد کا معلم دوسرے عہد میں اتنا معتبر نہیں ہوتا کہ نئے عہد میں بھی قابل تقلید ہو۔ یہ علیؑ کی واحد شخصیت ہے جو ہر عہد میں مشعل راہ رہی اور آج بھی ہے۔ پچھلے صفحات میں ہم نے علیؑ کو آئینہ قرآن' رسولؐ خدا' خلفائے ثلاثہ' حضرت عائشہؓ اور جید علماء کی نظروں میں دیکھا۔ آج ملوکیت کی عالمی تباہ کاریوں

میں اسلامی و غیر اسلامی ضروریات سے مجبور ہو کر جو علی شناسی کی ہلکی سی لہر بلند ہوئی ہے اس میں دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر کے لوگوں نے علیؑ کو کس نظر سے دیکھنا شروع کیا ہے۔ کتاب کے محدود دائرے کا خیال رکھتے ہوئے چند محققین، غیر مسلمین اور اقوام متحدہ (U.N.O) کے نظریات پیش کئے جا رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی شناسی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

دوسروں کے نظریات اور تحقیق بیان کرنے سے قبل علیؑ شناسی کے سلسلے میں ہم دور حاضر کے عظیم مفکر، شاعر انقلاب اور ہمہ صفت مصنف شبیر حسن خان جوش ملیح آبادی مرحوم کے حضرت علیؑ کی شان میں ان کے خیالات اس لئے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ بعض حضرات نے بارگاہ ولایت میں ان کی عقیدت کو کمزور نگاہوں سے دیکھا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''یادوں کی برات'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اے علیؑ! اے میدانِ جنگ کے سورما رجز خواں، اے منبر امن کے شیریں سخن خطیب، اے ایوانِ عدل کے دیدہ ور قاضی، اے کشورِ سیف و قلم کے خدیو کج کلاہ، اے نانِ جویں کی بے پناہ طاقت کے مظہر، اے زندگی کے معتوب، اے موت کے محبوب، اے علت العلل کے باب میں ''لاغفور'' لارحمٰن، اور لاقہار اور ''الا ہو'' کی سی معنی خیز و خیال انگیز بات کہہ کر خاموش ہو جانے والے مفکر۔۔۔۔ سیف و قلم کا مجرا قبول کر۔''

علیؑ محققین کی نظروں میں

۱۔ اہل سنت کے مشہور محقق علامہ شیخ شہاب الدین احمد الاتشبھی لکھتے ہیں: (ترجمہ اردو)

''امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ ایک آیت

ہیں آیات خدا میں سے اور معجزہ ہیں رسولؐ اللہ کے معجزات میں سے۔
آپ کے ساتھ تائید الٰہی شامل حال تھی، غم واندوہ کو آپ دور کرنے والے تھے، ستون اسلام کو آپ ہی نے محکم کیا اور آپ ہی کشتیٔ اسلام کے لنگر تھے۔"

(منہاج نہج البلاغہ" سید سبط الحسن الھنسوی ص ۱۴ دارالنشر للمعارف الاسلامیہ۔ لکھنو)

۲۔ اہل سنت ہی کے ایک جلیل القدر عالم دین علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی مشہور و معروف کتاب شرح نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے لیے لکھا ہے کہ:

"دنیا کا کوئی بھی انسان اس ذاتِ والا صفات کی توصیف کیسے کر سکتا ہے جس کی عظمت و جلالت اور رفعت و منزلت کا عالم یہ ہے کہ کمالات انسانی، اسی ذات والا صفات کی طرف منتہی نظر آتے ہیں:
قرآن کی گفتگو ہو تو ان سے بڑا کوئی مفسر نہیں۔
حدیث کی بات ہو تو ان سے عظیم تر کوئی محدث نہیں۔
فقہ کا معاملہ ہو تو ان سے زیادہ جلیل القدر کوئی فقیہ نہیں۔
محرابِ عبادت میں ان کے جیسا کوئی نمازی نہیں۔
منبر پر ان کے مانند کوئی خطیب نہیں۔
میدانِ جنگ میں ان کے جیسا کوئی بہادر نہیں۔
منصبِ قضاوت پر ان سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔
اور مسند علم پر کوئی ان سے ہمسری کا دعویٰ کرنے والا نہیں۔"

۳۔ علامہ اقبال جیسے ممتاز اور عظیم مفکرِ اسلام سے سب واقف ہیں۔ علیؑ کی منقبت میں

ان کے چند اشعار ہیں۔

اے محو ثنائے تو زبانہا　　اے یوسفِ کاروانِ جانہا
اے سرِ نبوتِ محمدؐ　　اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ
بے تو نتواں باو رسیدن　　بے او نتواں بتو رسیدن
از ہوش شدم مگر بہ ہوشم　　گوئی کہ نصیرئی خموشم
اماچہ کنم مئے تولاّ　　تند است بروں فتد ز مینا
ز اندیشۂ عاقبت رہیدم　　جنسِ غم آل تو خریدم

ترجمہ: ''اے علیؓ آپ کی ذات وہ ہے جس کی دنیا تعریف کرتی ہے۔ آپ جانوں کے قافلے کے یوسفؑ ہیں۔ آپ حضورؐ کی نبوت کا راز ہیں آپ کی مدحت پیغمبرؐ کی مدح ہے' آپ کے بغیر محمدؐ تک اور محمدؐ کے بغیر آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں اپنے ہوش وحواس میں ہوں لیکن لوگ سمجھتے ہیں میں نے حواس کھودیئے ہیں۔ اگر تم کہو کہ نصیری ہو گیا ہوں تو یہ سن کر چپ ہوں' کیا کروں؟ آپ کی محبت کی شراب دوآتشہ ہے جو میرے دل کی صراحی سے ہونٹوں پر ابل پڑی ہے۔ مجھے عاقبت کا ڈر نہیں کیوں کہ میں نے شفاعت کے لئے آپ کی اولاد کا غم خرید لیا ہے۔''

۴۔ جناب خواجہ حسن ثانی نظامی مرحوم کا کہنا ہے کہ:

> ''یہ عجائبات کی دنیا ہے' قدم قدم پر یہاں حیرت سے سابقہ پڑتا ہے میں نے جب سُنّی بن کر شیعوں کی طرف دیکھا تو دم بخود رہ گیا کیونکہ ان میں ایک ایسی ہستی مجھے نظر آئی جو خود سنیوں میں بھی حرفِ لائق صد احترام ہے بلکہ اس سے محبت' اس سے عقیدت کو دین ودنیا میں کامیابی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد جب میں نے شیعہ کیمپ میں کھڑے ہو کر سنی کیمپ کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ جو یہاں آقا و مولیٰ ہے' دوسری طرف بھی اس کی غلامی اور حلقہ بگوشی قابلِ فخر سمجھی جا رہی ہے۔ میں دیوبندیوں کے مقابل آیا' بریلویوں کے خلاف صف آرا ہوا' صوفیوں اور واعظوں پر تلوار اٹھائی مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ہر دشمن گروہ کے درمیان محترم پایا۔

اب سوچتا ہوں اپنے دشمنوں سے کیسے لڑوں' کس کا ساتھ دوں کس کا ساتھ نہ دوں' کس فرقے سے اپنے آپ کو وابستہ کروں' کس سے علیحدہ ہو جاؤں۔ میں سب کو چھوڑ سکتا ہوں علیؑ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ علیؑ سب جگہ ہیں' کیا مجھے بھی سب جگہ رہنا پڑے گا۔ علیؑ سب کے دوست ہیں کیا مجھے بھی سب سے دوستی کرنی ہوگی۔ کیا اور لوگ بھی میرا ساتھ دیں گے۔ کیا شیعوں کو' سنیوں کو' دیوبندیوں کو' بریلویوں کو' صوفیوں کو' واعظوں کو' مقلدوں کو' غیر مقلدوں کو سب کو یہ ہوش آئے گا۔ یہ عقل آئے گی کہ وہ علیؑ کے نام پر ایک ہو جائیں گلے مل جائیں۔

علیؑ سب کے ہیں' سب میں ہیں' ہر ایک کے چہیتے ہیں' ہر ایک کے آقا و مولیٰ' پوری اسلامی تاریخ میں اللہ و رسولؐ کے بعد کیا کسی ایک شخصیت پر یہ اجماع ہوا ہے۔''(۱)

۵۔ ہندوستان کے سابق وزیر معروف و مشہور مفسر و عالم اہلسنت مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ ''میں دوست دارِ دشمن ہوں'' خواجہ حسن ثانی نظامی مرحوم (کشکول نیو جرسی صفحہ ۵۱۵۔۵۱۶)

''اگر یہ سچ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے خوارج و منکرین کے مقابلہ میں فرمایا تھا کہ میں قرآن ناطق ہوں تو میں اس کی تصدیق کے لئے تیار ہوں، اگرچہ حقیقت ناشناس طبیعتیں سمجھتی ہیں کہ یہ بہت بڑا دعویٰ تھا، یقیناً یہ بڑا دعویٰ تھا جو کوئی انسان نہیں کرسکتا لیکن اگر حضرت امیرؑ نے کیا تھا تو غلط نہ تھا۔ اگر ان کی مقدس زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک کامل عکس تھا اور ان کے اعمال کی روشنی سراج منیر رسالت ہی سے ماخوذ تھی تو کیوں انہیں یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے تئیں ''قرآن ناطق کہیں'، جو کتاب الٰہی یا بین الدفتین حروف و نقوش کی شکل میں تھی اس کی ہستی ناطق تھی جو اعمال حضرت مرتضویؑ کے اندر سے پکارتی تھی کہ یہ حضرت علیؑ بن ابی طالب کی آواز نہیں ہے بلکہ ''القرآن الحکیم'' کی صدائے الٰہی ہے اور چونکہ ''القران'' کی آواز ہے اس لئے یقیناً خود منزل القران کی آواز ہے۔'' ''اکنت سمعه الذی یسمع به و لسانه الذی یتکلم به۔'' (بخاری) (لمعات صداقت حصہ اول مجموعہ مضامین ابوالکلام آزاد ص ۱۳ طبع لاہور ۱۳۴۰ھ) (۱)

۶۔ امام شافعی کی مشہور رباعی ہے جس میں انہوں نے فرمایا:

علی حبه جنة　　قسیم النار و الجنة

وصی مصطفے حقا　　امام الانس و الجنة

ا۔ ''منہاج نہج البلاغہ'' سید سبط الحسن ہنسوی۔ دار النشر للمعارف الاسلامیہ۔ لکھنو صفحہ ۹۰

ترجمہ: علیؑ وہ ہیں جن کی محبت آخرت کے لئے سپر ہے' جو جنت اور دوزخ کے بانٹنے والے ہیں۔ یقیناً وہ مصطفیٰؐ کے وصی ہیں اور انسانوں اور جنوں (دونوں) کے لئے امام ہیں۔ (ماخوذ از کشکول نیو جرسی)

علیؑ غیر مسلمین کی نظر میں

ا۔ متشرق شہیر گابریل انکیری (Gabriel Enkiri) اپنی قابل قدر کتاب شہسوار اسلام (Lechevalpier d L Islam) میں جو فرانسیسی زبان میں امیر المومنینؑ کے حالات میں اس نے لکھی ہے لکھتا ہے:

''علیؑ کی بلند شخصیت میں دو صفتیں ''اعلیٰ حد کمال'' ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن کا ایک مقام پر جمع ہونا سمجھ سے باہر ہے اور تاریخ عالم میں سوائے علیؑ کے اور کوئی دوسری مثال نہیں ملتی' علیؑ ہی کی ذات ہے جو قہرمانِ جنگ' فاتح اور جنرل ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک زبردست عالم' وفصیح ترین خطیب بھی تھی' کیا ''رولنڈ Roland'' (یورپ کا مشہور بہادر جس کی تلوار کا نام ''دوراندل'' تھا پتھر کی چٹان پر اپنی تلوار کی ضرب لگاتا تھا تو اس میں شگاف پڑ جاتا تھا) ''بایارڈ Bayard'' (مشہور فرانسیسی جنگجو سردار ۱۴۷۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کی شجاعت و حماست کا اقرار اس کے دشمن تک کرتے تھے) کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ تورات وانجیل کی تشریح وتفسیر کر سکتے ہیں اور بالائے ممبر فصیح وبلیغ تقریر کر کے قانون مدنی Procedur law وقانون تعزیرات Criminal procedur law کے عقدوں کی گرہ

کشائی کر سکتے ہیں' یہ ممکن ہے کہ مقدس تھامس ڈاکن (عیسائی مذہب کا مشہور قدیس' مرتاض و عابد) Saint Thomas d, Aq-uin ومقدس جان کریسوسٹوم (دنیائے عیسائیت کا مشہور زاہد تارک الدنیا عبادت گزار) یا بشپ (اسقف) بوسیٹ Bishop Bossuat (فرانس کا مشہور ومعروف بشپ (اسقف) اور کامیاب مصنف وطلیق اللسان مقرر فصیح و بلیغ مذہبی تقریروں کے کرنے میں آپ اپنا نظیر) میدان جنگ میں ایک جانباز سپاہی کی حیثیت سے شمشیر بکف دشمنوں پر حملہ کرنے اور ان کی صفوں کو خاک وخون میں ملاتے نظر آئیں۔ یہ تو صرف علیؑ ہی کی ایک مثال ہے جن کو تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔"(۱)

۲۔عیسائی مورخ جارج جرداق نے شخصیت علیؑ ابن ابی طالب پر پانچ جلدوں میں تاریخی شاہکار تحریر کیا ہے' وہ لکھتا ہے کہ:

"تاریخ کے نزدیک خواہ تم پہچانو یا نہ پہچانو' نامور شہید' شہداء کے پدر بزرگوار' عدالتِ انسانی کی آواز اور مشرف کی جاوداں شخصیت علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ وہ انسانی اخلاقِ کریمہ اور صفاتِ فاضلہ عالیہ میں بلندی وکمال کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔اے دنیا کیا ہو جاتا (کیا بگڑ جاتا؟) اگر اس تمام طاقت وتوانائی کو جو رکھتی ہے کام میں لاتی اور ہر زمانہ میں ایک دوسرا حضرت علیؑ جس میں انہی کی عقل ودانش' انہی کا دل

۱۔"منہاج نہج البلاغہ" سید سبط الحسن ہنسوی۔صفحہ۱۴ونہج الاسرار صفحہ۱۵۔

اور انہی کی زبان اور انہی کی ذوالفقار ہوتی عالم کو بخش دیا کرتی۔''

(صوت العدالۃ الانسانیۃ' ۱۰' ص:۵۱۰)

۳۔ مشہور مورخ مسٹر اوکلے نے اپنی تاریخِ عرب (Ockley's History of Saracens) صفحہ ۳۳۲/۳۳۳ پر درج کیا ہے کہ:

''تمام مسلمانوں میں بالاتفاق علیؑ کی عقل و دانائی کی شہرت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ آپؑ کے چند کلمات ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی اور فارسی میں ترجمہ ہوگیا ہے۔ ماسوا اس کے آپؑ کے اشعار کا دیوان بھی جس کا نام ''انوار العقول'' ہے بوڈلین لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں آپ کے اقوال کی ایک بڑی کتاب بھی موجود ہے۔''

۴۔ مسٹر واشنگٹن ایرونگ اپنی کتاب ''خلفائے رسول'' Successors of Prophet Mohammad کے صفحہ ۱۸ پر رقم طراز ہیں کہ:

''آپ (یعنی علیؑ) کا بہت عزت و احترام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ہی پہلے وہ خلیفہ ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت اور حفاظت فرمائی ہے۔ آپ کو خود بھی شعر گوئی کا پورا مذاق تھا اور آپ کے بہت سے حکیمانہ مقولے ضرب الامثال اس وقت تک لوگوں کے زبانِ زد ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوگیا ہے۔''

۵۔ مسٹر ویلز نے لکھا ہے کہ:

''اگر علیؑ امن و سکون سے حکومت کرنے پاتے تو ان کی نیکیاں' استقلال اور اعلیٰ خصائل کی بدولت سلطنت جمہوری ضرور باقی رہ جاتی

لیکن قاتل کے خنجر نے اسلام کی امیدیں خاک میں ملا دیں۔"

(اسپرٹ آف اسلام)

۶۔ دوسا بھائی فرام جی کرا کا کا ایک مضمون ''حضرت علیؑ تک میری مراجعت'' عرصہ ہوا السٹرٹیڈ ویکلی آف انڈیا میں شائع ہوا تھا جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کی خودنوشت سوانح عمری ''تب حضرت علیؑ آئے'' بھی شائع ہوئی ہے۔ بارہ صفحات پر مشتمل تفصیل ''کشکول نیو جرسی'' میں درج ہے۔ اس میں سے چند جملے درج کئے جارہے ہیں جس میں ایک غیر مسلم کی حضرت علیؑ سے عقیدت کا انوکھا انداز ہے۔

انہوں نے تحریر کیا ہے کہ وہ کبھی مذہبی آدمی نہیں رہے اور نہ اب کسی مذہب کے مقلد ہیں۔ کئی بار نجفِ اشرف کی زیارت سے مشرف ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ایک سخت بیماری سے شفایاب ہونے کے بعد میں نے اس مقدس مقام کی زیارت کی۔ مقصد یہ تھا کہ میں اس ہستی کے آگے سرِ عقیدت خم کروں جو کہ میرے خواب میں کئی سال قبل آچکی تھی۔ میرے اس خواب میں حضرت علیؑ نے مجھے اپنے چہرے کی زیارت کا موقع دیا تھا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ مجھ پر رکھا تھا۔ میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور مجھے اپنے سے لپٹایا تھا یہ ایک عظیم خواب تھا اور آج بھی مجھے یہ اس طرح یاد ہے گویا گزشتہ رات کی بات ہے۔

۱۹۴۹ء میں جبکہ میں نے اپنا ہفتہ وار اخبار ''کرنٹ'' نکالنا شروع کیا تو میں بہت پریشان تھا کہ نامعلوم مستقبل میرے لئے کیا ہے۔ ایک مذہبی پارسی خاتون کے ذریعہ ایک ''بابا'' کا پیغام ملا کہ ''میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لئے موجود ہوں ہمت رکھو''۔ ۵ سال بعد میں نے خواب دیکھا جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ عظیم ہستی جس نے کہا تھا کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ ہے حضرت علیؑ کی تھی۔۔۔۔ مجھے احساس ہوتا ہے

کہ مجھے ایک دوست مل گیا ہے میں دولت مند ہو گیا ہوں۔ اس سال فروری میں اب تک میں ''یا علیؑ'' کے لفظ کو کم از کم پانچ لاکھ مرتبہ ورد کر چکا ہوں اور یہ وظیفہ میری زندگی کا ایک جزو بن گیا ہے۔

یہ علیؑ ہیں میرے علیؑ۔ وہ سب کے ہیں لیکن ان کو اپنے پاس محسوس کرنے کے لئے مجھ جیسا اندھا اور مکمل اعتقاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت علیؑ پر ایمان کس قسم کا رکھا جائے اس کا ذکر کسی ایسی کتاب میں نہیں ملے گا جو لفظوں پر مشتمل ہو جیسے کہ گونا آباد کے ایک زبردست عالم نے اپنے ایک فارسی خط میں مجھے لکھا تھا ''علیؑ'' کو سمجھنا گویا سمندر کو کوزے میں بند کرنا ہے۔

میرا کوزہ تو لبریز ہو رہا ہے۔''

۷۔ ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والی انیتا رائے حضرت علیؑ کی عظمت کو جان و دل سے سلام کرتی ہے۔ اس کے خوابوں میں جناب رسولؐ خدا' ان کے نائب حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، امام حسینؑ اور بی بی زینبؑ جیسی عظیم شخصیتیں آتی ہیں جو انیتا کو اللہ سے عقیدت کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔ وہ لکھتی ہے کہ علیؑ نے اسے زندگی کی حقیقت سے آشنا کیا اور وہ ان کی پرستار بن گئی' اس سوچ سے بھی پرے ہٹ کر کہ وہ اپنے خاندان سے بغاوت کر رہی ہے۔ مشہور مصنف Huxley نے جب یہ لکھا کہ:

"If a little knowledge is dangerous, where is the man who has so much as to be out of danger?"

انیتا رائے نے جوب دیا:

Dear Mr, Huxley

I have found that man (Ali)"Anita Rai

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیتا نے پوری تاریخ اسلام پڑھی اور پھر ایک لاجواب کتاب "An affair of the Heart" لکھی(۱) کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت علیؑ کے شاندار کارناموں کا تذکرہ مستند حوالوں سے کیا گیا ہے۔ ایک بات بہرحال واضح ہے کہ یہ مقدس ہستیاں صرف مسلمانوں کیلئے نہیں تمام مذاہبِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ صرف ہماری سمجھ کا قصور ہے۔ انیتا' حضرت علیؑ سے اتنا متاثر ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنی ہی طرح علیؑ شناسی کی دعوت دیتی ہے۔ اسے آپ اس کی زبان میں پڑھیں:

"I do not know about you, but this man (Ali) alone has made my life so rich, so meaning ful, and so beautiful. The fullness in my heart is so sweet and tender that I can not help shedding a tear or two.... The thought of Ali always brightens up everykind of dullness, darkness and dumbness that life playfully throws to me from time to time. I have experienced this--- a single thought of Ali miraculously can purge your total

---

(1)"An affair of the Heart" by Anita Rai- printed in America Texas commerce printers, 9011 carpenter frwy, suit 102, Dallas, texas 75247

system. All emotional and mental toxin drain away leaving you feeling flushed well scrubbed and sparklingly clean. You too can experience and enjoy this priceless joy and happiness. You just need to do a thing, Every now and then dip your soul in to Ali. Your life would never have felt and tasted better, Suddenly your sensory qualities are sharper and keener. The child hidden inside you will revisit you."

حیرت کی بات ہے کہ ایک ہندو لڑکی علیؑ کی محبت میں ہدایت دینے کے مرتبے تک پہنچ جاتی ہے۔

"A small word of caution. To change and to change for the better are two different things. The famous 'believers' we are talking about did also manage to change. But that change has been a sheer disaster. It has changed Islam beyond recognition. Its profile has become so distorted and ugly in their hands, that it is almost impossible to know it from the 'deen' (religion) God chose for you in Ghadeer. Their version of

"Islam" has produced the yazids, the Hishams,the Mansoors, the Haroons, the Mamoons the Mutawakils, the Ghaznavis, the Ghauris, the Chengez khans, the Aurangzebs, the saddam Husayns and the Bin Ladens. While it has churned out a regular flow of these harmful elements, it has remained providentially incapacitated in producing a single Husain,

------- The noble blood of Ali and Fatima, coursing through the veins of Husain and spilling over to us, has power enough to compel the lost people to reacquaint themselves with their lost entities."

انیتا نے مسلمان نہ ہوتے ہوئے علیؑ کو پہچانا حضرت علیؑ کے خطبے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہے:

Ali Said, "Look to my time in future when my mertis, so far not recognised, will become manifest, and you will recognise me when you miss me and find another in my place."

We miss you - O king of all kings, we miss you

so much. Your age was hopelessly ignorant of your worth, But the intellect, the vision, the spirit of the modern world does posses the capacity to comprehend."

یہ لکھ کر حوالہ دیتی ہے کہ علیؑ کے مرتب کردہ اسلامی دستور کی چند دفعات کو اقوام متحدہ میں شامل کیا گیا اور پھر ایک غیر مسلم یہ بھی کہتی ہے کہ:

"Ali is the gift of God. Why would you let some selfish persons dictate you in to living a life miserably deficient.? A life that has no Ali in it is a risky affair."

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علی شناسی کی حقیقی منزل اب دور نہیں۔

☆ مشہور مصنف ہکسلے کے سوال پر کہ "اگر تھوڑا علم خطرناک ہے تو وہ انسان کہاں ہے جسکے پاس اتنا علم ہو کہ وہ خطرے سے باہر ہو۔" انیتا رائے نے ہکسلے کو لکھا:

محترم جناب ہکسلے!

"مجھے وہ شخصیت مل گئی اور وہ ہے علی۔"

انیتا پڑھنے والوں کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ مجھے آپ کے بارے میں تو علم نہیں لیکن اس شخص علیؑ نے مجھے میری زندگی کو انتہائی با مقصد اور خوبصورت بنا دیا۔ علیؑ کی مختصر سی سوچ بھی پوری روح کو پاک و پاکیزہ بنا دیتی ہے۔ آپ بھی یہ خوشی محسوس کر

☆ پہلے ایڈیشن کے بعد بے حد فرمائش پر انیتا کے بیان کا مختصر ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سکتے ہیں اور یہ میرا تجربہ ہے کہ علیؑ کا ذرا سا خیال بھی آپ کی زندگی کو معجزاتی طور پر تبدیل کر کے خوشنما بنا دے گا اور پھر آپ کی تمام خوبیاں ابھر آئیں گی۔

لیکن یہ یاد رہے کہ بدلنا اور بہتری کے لئے بدلنا دو الگ الگ باتیں ہیں ہم جن لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین محمدؐ کی اس قدر تبدیل کر دیا کہ ان کے بیان کردہ اسلام کے نتیجے میں ہمیں یزیدز' ہشامز' منصورز' ہارونز' ماموز' متوکلز' غزنویز' غوریز' چنگیز خانز' اورنگ زیبز' صدام حسین اور بن لادنز جیسے لوگ نظر آتے ہیں لیکن ان میں ایک حسینؑ جیسی شخصیت نہ پیدا ہو سکی۔ علی اور فاطمہ کا پاکیزہ خون جو حسین کی نسوں سے بہا اور ہم تک پہنچا وہ کافی ہے کہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھلا دے۔

علی نے کہا کہ مستقبل میں پلٹ کر دیکھنا کہ میری جو خصوصیات میرے زمانے میں لوگ نہیں سمجھ پا رہے ہیں وہ مستقبل میں واضح ہو جائیں گی اور لوگ مجھ سے دوری کا افسوس کریں گے۔

> ''(اے علیؑ) ہم آپ کو یاد کر رہے ہیں' اے بادشاہوں کے بادشاہ آپ کا وہ زمانہ جہالت کے باعث آپ کو نہ پہچان سکا لیکن یہ دور جدید اتنی صلاحیت رکھتا ہے کہ آپ کو سمجھ سکے علی خدا کا ایک تحفہ ہیں۔ زندگی میں علی نہ ہوں خطرے سے خالی نہیں ہے کیوں کوئی کسی مطلب پرست کی بات سن کر (بغیر علیؑ) زندگی گزارے۔''

حضرت علیؑ کے دستور اسلامی کی چھ دفعات اقوام متحدہ میں

دنیا کے لئے حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا ایک عظیم الشان جنرل

علیؑ زمانہ رسولؐ میں خونریز جنگوں میں مشغول رہا۔ رحلت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ۲۵ سال مدینہ میں رہ کر صرف اسلامی نظریات کی حفاظت کرتا رہا اور پھر دنیاوی خلافت میں بھی آرام کا سانس لینے کی نوبت نہ پاسکا' کس طرح سب سے پہلے اسلامی دستور کو تحریری شکل دیتا ہے اور وہ بھی تنہا مالک اشتر کو خط لکھ کر جو ۷۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ انیتا رائے نے اپنی کتاب میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے جو عرب ہیومن رپورٹ ۲۰۰۲ء برائے ریاست ہائے عرب پیش کی گئی تھی اس کے دستور کا ذکر کیا ہے کہ اس میں حضرت علیؑ کے دستور سے چھ دفعات اخذ کئے گئے ہیں جو اچھی حکومت چلانے کے لئے لاجواب ہیں۔ اسی کی زبان میں پڑھیں۔

"In this report, distributed around the world, UNDP has listed six main points from the comments of Ali Bin Abu Talib. They are indeed gems and jewels of good, governance, which has rightly been emphasized by Mr. kofi Anan the secretary general of the U.N. They are also an eye opener for all those who are responsible for the governance of the Arab region and else where all over the world."

منشور اقوام متحدہ (تاریخ اعلانِ حقوق انسانی) ایک فرانسیسی اہل قلم بیر بابیہ کی تالیف ہے جس کو محمد مندور نے عربی میں ترجمہ کیا ہے اور جس کو متحدہ عرب جمہوریہ نے شائع کیا ہے۔ اس میں چوبیس دفعات ہیں جو جرداق کی کتاب ''ندائے عدالت

انسانی'' میں صفحہ نمبر ۱۸۹ سے ۱۹۱ تک درج ہیں۔ حضرت نے جو مالک اشتر کو خط لکھا تھا اس میں سترہ دفعات ہیں۔ انیتا نے لکھا ہے کہ اس میں سے چھ دفعات اقوام متحدہ کے منشور میں ہیں جبکہ جارج جرداق صفحہ ۱۸۸ پر تحریر کرتے ہیں کہ:

''ہم اجمال واختصار کے ساتھ کہتے ہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے امامؑ کے دستور اور حقوقِ انسانی کے بارے میں منشورِ اقوام متحدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور اگر کوئی فروعی اور ظاہری فرق نظر بھی آئے تو وہ اصطلاحاتِ زمانہ میں تغیر واقع ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً ہے نہ کہ دنیاوی اور اصولی حیثیت سے۔ اس منشور میں کوئی فصل ایسی نہیں ہے جس کی نظیر علی علیہ السلام کے دستور میں نہ پائی جاتی ہو بلکہ حضرت کے دستور میں اس سے بہتر اور بالاتر چیزیں موجود ہیں۔''

حضرت علیؑ اور زراعت

اسلام نے معاشی نظام کو بہت اہمیت دی ہے اور معاشی نظام میں انسان کی مادّی ضروریات کے معقول اور ضروری حد تک پورا کرنے میں کاشتکاری جسم میں ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہے۔

معاشی فلاح و بہبود کے ذرائع میں تعلیم وصحت کے مرکزوں کا پھیلاؤ' زراعتی پیداوار اور مویشی وصنعتی پیداوار کی ترقی' ضروری اشیاء کی جائز اور درست طریقہ پر تقسیم' مہنگائی' ذخیرہ اندوزی اور سیاہ بازاری کا سدباب اور فضول خرچی وغیر ضروری اخراجات پر پابندی وغیرہ شامل ہیں لیکن اس سلسلہ میں زراعتی پیداوار یا کاشتکاری کی وہ اہمیت ہے جس پر سب سے زیادہ قوم وملت کی خوشحالی اور کامیابی کا دارومدار ہے۔ پیٹ خالی ہے تو دوسرے کام بھی نہیں ہو سکتے۔ شریعت اسلامی نے اس لئے کھیتی باڑی کو نہ صرف اہمیت دی ہے بلکہ اس کو ایک مقدس فریضہ قرار دیا ہے۔ انبیاء' اوصیاء ائمہ اور اللہ کے نیک بندوں نے بھی کاشتکاری کی ہے۔

کاشتکاری کی تاریخ انتہائی قدیم ہے جس کی ابتدا حضرت آدمؑ کی خلقت سے

وابستہ ہے۔ ''جب حضرت آدمؑ بہشت سے علیحدہ ہوئے اور زمین پر آئے تو جبرئیلؑ ایک سرخ رنگ کا بیل لے کر آئے اور آپ کو زراعت کرنا بتایا گیا۔ جب زمین جوتتے تھے اور پسینہ سر سے ٹپکتا تھا تو فرماتے تھے آہ! یہ وہ رنج و مصیبت ہے جس کو خدا نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔'' (۱)

حضرت آدمؑ کے بعد ہی سے زراعت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا ''خدا کے نزدیک سارے کاموں میں سب سے زیادہ دلپسند کام کھیتی باڑی ہے۔ خدا نے ایسا کوئی پیغمبر مبعوث نہیں فرمایا جو کاشت کار نہ ہو سوائے حضرت ادریس علیہ السلام کے جن کا پیشہ خیاطی تھا۔''

حضرت رسولؐ خدا سے کسی نے پوچھا کہ کون سا سرمایہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا ''زراعت کا جس کا مالک اس کو پیدا کرے اور اس کام کو بہت تندہی اور بغیر کسی عیب اور نقص کے انجام دے اور جب فصل کاٹے تو اس کا حق (زکوٰۃ) ادا کرے۔''

امیر المومنین حضرت علیؑ کھیتی باڑی اور باغبانی خود کرتے تھے۔ زراعت کے اتنے بڑے ماہر تھے کہ مٹی سونگھ کر پہچان جاتے تھے کہ وہ زمین کس فصل کے لئے مفید ہے۔ زراعت کی کامیابی کے لئے انہوں نے کنویں کھودے اور غلہ کی آمد و رفت کے لئے سڑکیں بھی خود بنائیں۔ باغ پر باغ لگاتے چلے گئے۔ جناب امیرؑ کا غلام سالم رضی اللہ عنہ بیان کرتا ہے کہ ''میں جناب امیرؑ کے ساتھ ان کی زمین پر تھا اور وہ اس پر کاشتکاری کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کو ملنے آئے اور السلام علیک یا امیر المومنین و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہہ کر سنت سلام ادا کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اسی طرح کیا

۱۔ سورہ طہٰ'' (حاشیہ) مترجمہ قرآن مولانا حافظ فرمان علی مرحوم صفحہ ۵۷۴

کرتے تھے‘ حضرت نے جواب دیا کہ حضرت ہی نے ہم کو حکم دیا تھا۔(۱)

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی

''اسوۂ رسول حصہ چہارم'' کے حوالے سے ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستان‘ پتھریلا‘ شور بنجر تھا جو سرسبز قطعات تھے ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البتہ کاشتکاری ہوتی تھی۔ بقیہ اہل عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر ماحول زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے اس لئے قیام امن کے لئے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے۔ حجاز و یمن میں انخلا کے سبب یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہوگئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے عام طور پر صحابہ کو اس کی ترغیب دی۔ حکم ہوا کہ: ''جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے۔ جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔''

ترغیبِ عام کے ساتھ خاص خاص انتظام بھی فرمائے۔ بنونضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہِ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرما دیا۔ افتادہ زمینیں بھی صحابہ کو بطور جاگیر عطا فرمائیں۔ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تمدید (اضافہ) کرسکتا تھا۔

حضرت علیؑ کے پاس جتنے بنجر علاقے آئے انہوں نے مفادِ عامہ کی خاطر محنت کی۔ وہ خود زمین جوتتے‘ نالیاں تیار کرتے اور پانی کھیت کے آخری سرے تک

۱۔ ارجح المطالب ص ۴۲۵ اخرجہ ابن مردویہ

پہنچانے کا انتظام کرتے۔ کھیتی باڑی کے ساتھ باغ لگانے کا بھی ان کا اپنا انداز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آج کا طریقہ کاشتکاری و باغبانی حضرت علیؑ ہی کا ایجاد کردہ ہے۔

گٹھلیوں سے نخلستان سجادیئے

تاریخ میں ہے کہ ایک بار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے گھر سے نکلے اور حسب معمول صحرا اور باغ کی طرف روانہ ہوگئے جہاں پر وہ کام کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ وزن بھی لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا ''یا علیؑ! آپ اپنے ہمراہ کیا لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ''کھجور کے درخت۔ انشاء اللہ''

کھجور کے درخت!

لیکن اس آدمی کی حیرت اس وقت دور ہوئی جب کچھ عرصہ کے بعد اس نے اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ کھجور کی ساری گٹھلیاں جو حضرت اس دن اس امید کے ساتھ لے جا رہے تھے کہ ان میں سے ہر ایک تناور درخت بن جائے گی نخلستان کی صورت میں تبدیل ہوگئیں اور ہر گٹھلی سرسبز کھجور کے درخت میں بدل گئی۔

حضرت علیؑ کے جانشین بھی کاشتکاری کرتے تھے

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں ''میں اپنی ثروت بڑھانے کے لئے زراعت نہیں کرتا بلکہ اس کا تنہا مقصد یہ ہے کہ تنگ دست اور ضرورت مندوں اور پرندوں کو اس سے رزق حاصل ہو۔''

زراعت عبادت کے مترادف ہے

گرمیوں کا موسم عروج پر تھا۔ محمد بن منکدر نامی ایک شخص مدینہ میں جا رہا تھا تو

دیکھا امام باقرؑ زمین جوتنے میں مصروف ہیں۔ اس نے سوال کیا اس قوی ہیکل جسم کے ساتھ اس گرم موسم میں اس قسم کی محنت اور زحمت اٹھا رہے ہیں۔ موت کی خبر کس کو ہوتی ہے؟ امام باقر علیہ السلام نے ایک دیوار کا سہارا لیکر فرمایا "اگر میری موت اس حالت میں آجائے اور مر جاؤں تو میں عبادت اور فرائض کی انجام دہی کی حالت میں مروں گا کیونکہ یہ کام خدا کی بندگی اور اطاعت میں شمار ہوتا ہے۔ کیا تمہارے خیال سے عبادت صرف روزہ نماز وغیرہ ہی ہے۔ میں گھربار اور اخراجات رکھتا ہوں اگر میں کام نہ کروں اور زحمت نہ اٹھاؤں گا تو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تمہارے اور تم جیسے دوسرے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔ میں رزق کی جستجو کر رہا ہوں تاکہ ہر کس و ناکس کا محتاج نہ رہوں۔ مجھے موت کے آنے کا ڈر تب ہونا چاہئے جب میں گناہ اور برے کام میں مبتلا ہوں نہ کہ اس حالت میں جبکہ میں اللہ کے فرمان کی اطاعت میں گامزن ہوں۔ جس نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ میں دوسروں کے اوپر بوجھ نہ بنوں اور اپنی ضروریات خود مہیا کروں۔"

امام جعفر صادقؑ خود محنت کرتے تھے

امام جعفر صادقؑ ایک موٹا لباس پہنے' ہاتھ میں پھاوڑا لئے اپنے باغ میں سرگرمِ کار تھے۔ سخت محنت کی وجہ سے ان کا جسمِ مبارک پسینہ سے شرابور تھا۔ اس حالت میں ابو عمرو شیبانی وہاں آپہنچے اور انہوں نے امام کو اس حالت میں دیکھا۔ انہوں نے دل میں سوچا شاید خود پھاوڑا چلانے اور خود محنت کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں جو یہ کام کرے لہٰذا خود ہی مجبوراً کام کر رہے ہیں۔ یہ سوچ کر ابو عمرو آگے بڑھے اور عرض کیا۔ پھاوڑا مجھے دے دیجئے میں یہ کام کروں گا۔ لیکن امام نے

ان کی بات نہ مانی اور کہا کہ ان کو ایسی محنت کرنے اور دھوپ میں تپنا بہت پسند ہے۔

رسولِؐ خدا نے بھی کاشتکاری کی

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنی زمین میں محنت کر رہے تھے اور اس کو ٹھیک کرنے میں مشغول تھے۔ زیادہ محنت کے باعث امام کا سارا جسم پسینے میں تر بہ تر ہو گیا۔ اس وقت علی بن حمزہ بطائنی ان کے سامنے پہنچے اور عرض کیا۔ میں آپ کے قربان آپ یہ کام کسی اور کے سپرد کیوں نہیں کر دیتے؟ آپ نے فرمایا۔ ایسا کیوں کروں؟ مجھ سے بہتر لوگ ہمیشہ ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں۔ ابی حمزہ نے پوچھا مثلاً کون لوگ؟ آپ نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (ماخوذ از پیام عمل لاہور ستمبر ۱۹۸۱ء)

خالقِ کائنات نے آسمان و زمین پر ہر شے کو زینت کے ساتھ خلق کیا۔ دنیا کی جن اچھی چیزوں کو حیاتِ دنیا کی زینت کہا گیا ہے ان ہی میں سے ایک کاشتکاری ہے اور حضرت علیؑ نے محنت کر کے پتھریلی زمین کا سینہ چاک کیا اور زمین پر جو اگایا اسے زمین کی زینت ثابت کر دیا۔ درخت لگا کر چٹیل میدان اور ریت کو سر سبز و شاداب کر دیا۔ اسی کا ثبوت ان کے خاندان کے ائمہ نے بھی دیا جو زمین سے اپنا رزق حاصل کرتے رہے۔ ہے کوئی آج ایسا زمیندار جو خود کھیتی باڑی کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم محنت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور دوسروں کی محنت پر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

زراعتی سائنس علیؑ کی ایجاد ہے

تقریباً تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ دینی علوم ہوں یا دنیوی' شجاعت ہو یا سخاوت' حلم ہو یا بردباری' عبادت ہو یا زہد' تدبیر مملکت ہو یا سیاست' جمع قرآن کا کام ہو یا تفسیر و تشریح کا' جمع احادیث و احکام فقہ کا کام ہو یا نشر علوم محمدی کا' قضا و فصلِ قضا

یا کا کام ہو یا مشورے دینے کا' خود خلافتِ مسلمین کے بار اٹھانے کا کام ہو یا سڑکوں کی تعمیر و کھیتی باڑی کا' دنیا کا کوئی ایسا کام نہیں جسے حضرت علیؑ نے امت کو درست راہ دکھانے کیلئے نہ کیا ہو۔

زرعی سائنس بھی حضرت علیؑ کی ایجاد ہے۔ الحاج سید ضمیر اختر نقوی نے اپنی تحقیق میں اس ایجاد کی تفصیل درج کی ہے۔(۱) انہوں نے لکھا ہے کہ بعد وفات رسولؐ مدینہ کے آس پاس میلوں تک جتنی زمینیں پڑی تھیں پتھریلی تھیں۔ صبح ہوتی علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو لے کر جاتے بڑی بڑی چٹانیں کاٹ کر دن بھر تین آدمی کام کرتے دو بچے اور ایک علیؑ۔ پچیس سال میں کئی ہزار مربعے زمین علی نے اس قابل بنائی کہ وہاں گیہوں اگنے لگا' وہاں جو اگنے لگا' وہاں سارے پھل اگنے لگے ''بارہ چشمے'' علیؑ نے کھودے۔ ''چوبیس کنویں'' علیؑ نے کھودے اور ایک فارم بنایا۔ اس کا نام آج ''ینبوع'' ہے جو لوگ عرب گئے انہیں معلوم ہوگا کہ اب ینبوع ایک شہر ہے۔ علیؑ نے اس کا نام ینبوع رکھا تھا اور وہ میلوں تک پھیلا علیؑ کا فارم کہلاتا رہا۔ اب بھی جو لوگ زیارت کیلئے جاتے ہیں تو ''بیر علیؑ'' کی زیارت کرتے ہیں۔ یعنی علیؑ کا وہ کنواں جو انہوں نے خود کھودا تھا۔ بارہ چشمے اور چوبیس کنویں کھودنے کے علاوہ زراعتی سائنس Agriculture Science میں پیش قدمی کرتے ہوئے کھیتوں میں دور دراز تک پانی پہنچانے کا ایسا نظام وضع کیا کہ مدینہ کی بنجر زمین سرسبز و شاداب ہوگئی اور وہیں کھیتوں اور باغوں کے درمیان علیؑ نے ایک مکان تعمیر کروایا۔ مدینہ سے تیس میل دور وہ آج بھی علیؑ کا فارم کہلاتا ہے۔

۱۔ کتابچہ ''امام اور امامت'' الحاج سید ضمیر اختر نقوی۔ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء

علیؑ اور دولتِ دنیا

تاریخ کی ستم ظریفی یہ رہی ہے کہ ماضی کے مورخین نے جس قدر واقعات محفوظ کیے ہیں بعد کے اہل قلم نے ان سے زیادہ استفادہ نہیں کیا۔ کسی سیرت نگار نے اگر اپنے مخصوص ذوق کے مطابق واقعات کو منتخب کرلیا تو دوسروں نے مزید معلومات جمع کرنے کی زحمت اٹھائے بغیر وہی دہرادیا جس کی وجہ سے علمی وفکری تشنگی باقی رہ گئی۔

زیادہ تر مورخین نے حضرت علیؑ کی زندگی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ غریب تھے' نادار تھے' مزدور تھے' بے مایہ تھے' اچھی زندگی گزارنا ان کے لئے ممکن نہ تھا لیکن یہ حقیقت کم مورخین نے لکھی ہے کہ حضرت علیؑ انتہائی دولتمند بھی تھے۔ جو لشکر اسلام کا سپہ سالار ہو' جسے اپنے والد سے ورثہ میں جائیداد ملی ہو' جس کو جنگوں میں رسولؐ نے بہادری پر جنگی وظائف اور انعامات عطا کیے ہوں' جس نے رسولؐ کی عطا کردہ بنجر زمینوں کا سینہ چاک کر کے لہلہاتی فصلیں اور باغات لگائے ہوں' جس نے بارہ چشمے اور چوبیس کنویں کھود کر بے حساب جائیداد بنادی ہو وہ غریب اور بے مایہ کیسے ہوسکتا ہے۔

کلینی' طوسی' مجلسی اور حر عاملی نے حضرت علیؑ کا ایک وقف نامہ امام موسیٰ کاظم

" کے حوالے سے درج کیا ہے جہاں اوقافِ علوی میں ۱۸ علاقوں کی ملکیت کا ذکر ہے جو سرسبز و شاداب تھے اور جن میں باغات' چشمے اور کنویں تھے۔ اوقاف میں الاحمرُ الدریبۃ' الازینۃ' الاتحن' بیرُ الملک' البغیبۃ' البغیبغات' البیضاء' ترعۃ' دعۃ' دیمۃ' ذات کمات' رعیۃ' عین ابی نیزر' عین موات' عین فاقۃ' فقیرین' القصیبہ' وادی القریٰ اور ینبع تھے جن کی تفصیل ثقۃ الاسلام طلعت سیدہ نے اپنی مختصر کتاب ''ناوَ کی تحریر'' میں درج کی ہے۔

واقدی کی روایت میں صرف ایک علاقہ کی آمدنی کا اندازہ لگائیں کہ ''حضرت علیؑ ہی کے زمانے میں تمام علاقے ہرے بھرے تھے۔ بغیبغہ اتنا شاداب ہو چکا تھا کہ وہاں کے نخلستان سے ایک سواسی ۱۸۰ واسق یعنی تقریباً بتیس ہزار چار سو ۳۲۴۰۰ کلو گرام کھجوریں اتاری جانے لگی تھیں۔'' تاریخ میں درج ایک کنویں کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''معاویہ نے امام حسینؑ کو خط لکھا تھا کہ اگر ایک کنواں دے دو تو تیس لاکھ دینار دوں گا۔''(۱)

حضرت علیؑ نے اوقاف و صدقات کا انتظام و انصرام امام حسنؑ کے ذمہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ بھی درج کیا تھا کہ حضرت فاطمہؑ کے دو بیٹوں کے لئے جتنے اوقاف و املاک دیئے گئے اتنے ہی باقی اولادوں کیلئے مجموعی طور پر مقرر کئے ہیں۔ دنیا نے دیکھا کہ امام حسنؑ کا دسترخوان کتنا وسیع تھا جس پر عرب کا کوئی آدمی بھی آتا تو وہاں سے کھانا کھائے بغیر نہ جاتا۔ لنگر تھا جو دن ورات جاری رہتا۔ غریب' نادار' مفلس و بھوکے سب سیر ہو کر

۱۔ ''امام اور امت'' الحاج سید ضمیر اختر نقوی

کھاتے۔ ظاہر ہے یہ دولت حضرت علیؑ سے ملی تھی جبکہ امام حسنؑ خود بھی کاشتکاری کرتے تھے۔

رحلتِ حضرت علیؑ کے بعد ان کی چار بیویاں' دس بیٹے' اٹھارہ بیٹیاں' (۱) نواسے' پوتے۔ عقیلؑ کے دس بیٹے' جعفرؑ کے پانچ بیٹے یہ ابوطالبؑ کی اولاد تھی۔ خود امام حسینؑ کے تین بیٹے' تین بیٹیاں' امام حسنؑ کے آٹھ بیٹے' سات بیٹیاں (۲) حضرت زینبؑ کے پانچ بیٹے دو بیٹیاں اور پورے خاندان کی کفالت اس اوقافِ حضرت علیؑ ہی کا کرشمہ تھا۔ امام حسینؑ اٹھائیس رجب کو مدینے سے کربلا روانہ ہوئے تو کئی سو اونٹ' کئی سو گھوڑے' اونٹوں پر بارِ گیہوں و جو' نیزے' تلواریں' تیر و ترکش' خیمے' چھولداریاں' شامیانے' چھ ماہ کا سامان سفر' پانی و غلہ' یہ اتنے لمبے چوڑے اخراجات کہاں سے پورے ہوئے۔

معرکۂ کربلا کے بعد جب امام زین العابدینؑ وطن واپس آئے تو عبادات اور بیشمار سجدوں کے ساتھ اپنی ملکیت کی دیکھ بھال بھی کرتے اور کاشتکاری بھی کرتے۔ ایک عیسائی عالم عمر ابونصر نے لکھا ہے کہ ''عرب میں کسی کی تجارت اتنی عظیم نہ تھی جیسی سید الساجدین کی تھی کہ کئی ہزار اونٹوں پر سیب' انار اور رطب بھر کر شام بھیجے جاتے تھے اور جب رقم آتی تھی تو سید سجادؑ سے بڑا جاگیردار کوئی نہ ہوتا۔ بعد خلافت جیسے جیسے فتوحات بڑھتی جاتیں غلاموں اور کنیزوں سے مدینہ بھرتا جاتا تھا۔ ایک بازار لگتا تھا جہاں غلام اور کنیز بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کئے جاتے تھے۔ سب سے پہلے

۱۔ ارشاد مفید ص ۱۹۹۔ وجمہرہ ابن حزم و تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۳۴۹ میں ہے کہ آپ کے بارہ بیٹے اور سولہ بیٹیاں تھیں (چودہ ستارے۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ صفحہ ۱۷۶)

۲۔ ارشاد مفید ص ۲۰۸

بازار میں آنے والا حسینؑ کا بیٹا ہوتا تھا اور ایک ہی دن میں کئی کئی ہزار غلام اور کنیزیں خرید کر آزاد کرتا تھا۔ ابونصر ہی نے تعداد لکھی ہے کہ ایک لاکھ غلام اور کنیزیں زندگی میں خرید کر امام نے آزاد کئے تھے۔ ان آزاد کردہ غلاموں اور کنیزوں کے علاوہ پچاس ہزار غلام اور کنیزیں امام کے باغات اور کھیتوں میں کام کرتے تھے۔" یہ دولت علیؑ کے اوقاف ہی کا نتیجہ تھی۔

علیؑ نے دولت دی تو اس پر تصرف کا انداز بھی خود ہی بتلا دیا تھا۔ یہ غلام اور کنیز خرید کر آزاد کرنا انہی کا دکھلایا ہوا راستہ تھا۔ علیؑ نے ہمیشہ خود روکھی سوکھی خوراک کھائی لیکن دولت امت کے غرباء میں تقسیم کرتے رہے۔ امام جعفر صادقؑ کا بیان ہے کہ: "حضرت علیؑ نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد فرمائے۔"

خود حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: "جس دن میں نے فاطمہؑ سے شادی کی اس دن میرے پاس بچھانے کو چادر نہ تھی لیکن اس دن میں نے جو کمائی راہِ خدا میں صدقہ دی وہ اتنی تھی کہ اگر تمام بنی ہاشم میں تقسیم کی جاتی تو بچ جاتی۔" تاریخ البلاذری اور فضائل احمد نے لکھا ہے کہ: "ایک دن حضرت علیؑ نے چالیس ہزار دینار غلہ صدقہ دیا اور اسی دن اپنے گھریلو اخراجات کیلئے یہ کہہ کر تلوار بیچی کہ "اگر میرے پاس رات کے کھانے بھر ہوتا تو ہرگز تلوار نہ بیچتا۔"

علیؑ کی دولت غریبوں کا پیٹ بھرنے کے لئے تھی جبکہ ان کی محنت' مزدوری' تجارت اور زراعت اپنے مصارف پورے کرنے کے لئے تھی۔ بیشتر مورخین نے دولت دوسروں پر خرچ کرتے اور جائیداد وقف کرتے تو نہ دیکھا جو ضرورت مندوں' مسافروں اور مسکینوں کے لئے تھی صرف یہ دیکھا کہ علیؑ ہمیشہ ایسا لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں جس میں اکثر پیوند لگا ہوتا تھا۔ عمر بھر کبھی اینٹ پر اینٹ رکھنے کی نوبت نہ

آ ئی۔ایک مرتبہ ایک صاحب جاڑے کے زمانے میں آپ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ایک بوسیدہ چادر لپیٹے بیٹھے ہیں اور سردی سے کانپ رہے ہیں (۱)

ایسی بہت سی روایات لکھ دی گئیں جنہیں پڑھ کر لوگ سمجھ بیٹھے کہ علیؑ نادار تھے' مزدور تھے اور بے سرمایہ تھے۔علیؑ اپنی خلافت سے پہلے اور بعد میں بھی معمولی زندگی بسر کرتے تھے۔قصر ابیض میں بیٹھنے سے انکار کر دیا تا کہ ان کا گھر فقیروں سے بہتر نہ ہو۔گھر سے رات میں نکلتے اور کسی کو بوجھ اٹھاتے دیکھتے تو اسے اٹھا کر اس کے گھر تک پہنچا دیتے۔کبھی کسی ایسے شخص سے بازار میں کوئی چیز نہ خریدتے جو آپ کو جانتا ہو کہ وہ قیمت میں امیر المومنینؑ ہونے کی بنا پر آپ کے ساتھ رعایت نہ کرے۔(۲)

آپ کا یہ ارشاد آپ کے طرزِ زندگی کا آئینہ دار ہے کہ "میں اتنے ہی پر اکتفا کر لوں کہ لوگ مجھ کو امیر المومنین کہتے ہیں اور مصائب میں ان کا امیر نہ بنوں۔"

خلافت سے پہلے اور خلافت ملنے کے بعد مورخین نے علیؑ کی دیانت' محنت اور غربت ہی کا ذکر کیا لیکن کم ہیں ایسے مورخین جنہوں نے حضرت علیؑ کی دولت اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی لکھا۔حضرت علیؑ صاحب ثروت تھے مگر امامت کا فرض پورا کرنے کے لئے امت کے غریب ترین لوگوں جیسی زندگی بسر کرتے رہے اور تمام جائیداد وقف کر دی تھی۔کلینی نے حضرت علیؑ کے وقف نامہ کا جو متن علیؑ کے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ کے حوالے سے نقل کیا ہے میں اسی کا ترجمہ نقل کر رہا ہوں۔وقف نامہ حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے ۱۰ جمادی الاوّل ۳۶ ہجری کو تحریر کیا تھا۔

۱۔ابن کثیر ج ۸'ص ۳

۲۔ابن سعد ج ۲'ص ۲۸'ابن کثیر ج ۸'ص ۳

وقف نامہ کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''اللہ کی رضا کے لئے' یہ اللہ کے بندے علیؑ کی وصیت اور اپنے اموال کے بارے میں اس کا فیصلہ ہے اس امید پر کہ اللہ مجھے اس وصیت کے سبب جنت عطا فرمائے۔ دوزخ سے دور رکھے نیز لوگوں کے روسیاہ یا سفید رو محشور ہونے والے دن مجھے جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے۔

وصیت یہ ہے کہ:

ا۔ ''ینبع'' اور اس کے مضافات کی وہ سب زمینیں جو میری ملکیت میں ہیں اور ان پر میری ملکیت ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ نیز ان زمینوں پر مامور محنت کشوں میں سے:

الف۔ رباح

ب۔ ابونیزر

ج۔ جبیر

کے علاوہ باقی تمام کاریگر صدقہ یعنی فلاحی اثاثہ ہیں۔ البتہ' یہ تینوں آزاد ہیں ان پر کسی

کو تسلط اور ولایت حاصل نہیں ہے۔ یہ براہ راست میری سرپرستی میں ہیں۔ یہ پانچ سال تک ان زمینوں پر کام کریں گے۔ جس کے نتیجہ میں ان کو حق ہوگا کہ تمام عمر آباد زمینوں کی آمدنی سے اپنا نیز اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچہ وصول کریں۔

۲۔ ''وادی القریٰ'' میں میری تمام زمینیں اور اموال نیز وہاں کام کرنے والے غلام سب کے سب فاطمہ زہراؑ کے بچوں کے لئے وقف ہیں۔

۳۔ ''وادی ترعہ'' کی تمام تر املاک اور زریق کے علاوہ وہاں کام کرنے والے تمام خدمت گار صدقہ یعنی فلاحی اثاثہ ہیں۔

زریق کا حکم وہی ہے جو ''رباح'' وغیرہ کا ہے۔

۴۔ ''اذینہ'' کی تمام املاک اور اس پر مقرر غلام بھی صدقہ ہیں۔

۵۔ جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں ''فقیرین'' اور وہاں موجود تمام غلام بھی صدقہ ہیں۔

یہ سب اثاثہ اللہ کے راستے میں خرچ ہونا ضروری ہے۔

یہاں میں نے اپنے جن اموال واملاک کا ذکر کیا ہے وہ سب قطعی' لازمی اور واجب صدقہ ہیں۔ ان کے بارے میں یہ حکم میری زندگی اور میرے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا۔ ان کو ہر اس کام میں خرچ کیا جاسکتا ہے جس میں رضائے الٰہی ہو اور جو اللہ کی خاطر ہو۔ اسی طرح ان اموال کو بنی ہاشم اور بنی مطلب سے میرے قریب اور دور کے رشتہ داروں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ان اوقاف وصدقات کا انتظام وانصرام حسن بن علی کے ذمہ ہے ان کو حق ہے کہ وہ مناسب مقدار میں ان املاک سے اپنے مخارج لے لیں اور باقی ان موارد میں خرچ کریں جو اللہ کی خوشنودی کا باعث ہیں۔

نیز اگر وہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے ان اموال کو بیچنا ضروری سمجھیں تو بیچ سکتے

ہیں۔ اگر وہ ان املاک کو محفوظ رکھ کر ان کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنا چاہیں تب بھی ان کو اس بات کا حق حاصل ہے۔

علی کی اولاد ان کے غلام اور علی کی ذاتی اموال پر بھی حسن کو ولایت وسرپرستی کا حق حاصل ہے۔

اگر حسن بن علی کا گھر صدقات واوقاف کا حصہ نہ ہو اور وہ اسے بیچنا چاہیں تو ان کو اختیار ہے لیکن جب وہ اسے بیچیں تو انہیں اس کی ملنے والی قیمت کو تین حصوں میں تقسیم کر کے:

☆ ایک حصہ اللہ کے راستے میں۔

☆ ایک حصہ بنی ہاشم و مطلب پر۔

☆ اور ایک حصہ فرزندانِ ابوطالبؑ پر۔

خدا پسند معاملات میں خرچ کرنا ہوگا۔

اگر حسین کی زندگی میں حسن شہید ہو گئے تو ان تمام امور کی ذمہ داری حسین پر ہوگی۔ اس صورت میں جو کچھ میں نے حسن کو حکم دیا ہے حسین کو اسی حکم پر عمل کرنا ہوگا۔ انہیں وہی کچھ کرنا ہوگا جو حسن کرتے اور میں نے حسنؑ کے لئے جو کچھ لکھا ہے وہی ان کے لئے بھی ہے۔

خیال رہے کہ میں نے فاطمہؑ کے دو بیٹوں کے لئے اتنے ہی اوقاف واملاک مقرر کئے ہیں جتنے میں نے اپنی باقی اولادوں کے لئے مجموعی طور پر مقرر کئے ہیں (یہ اوقاف واملاک ان کے علاوہ ہیں جن کا ذکر اس وقف نامہ میں ہے) یہ میں نے صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی، رسولؐ کی عزت وعظمت واحترام بزرگی کے تحفظ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضامندی کی خاطر کیا ہے۔

اب اگر حسن وحسین اس جہانِ فانی سے سفر کر گئے تو آخر میں سفر اختیار کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ علی کی اولاد میں سے کسی کو تلاش کرے جو صلاحیت' اسلام اور امانت داری میں منفرد ہو۔ پھر یہ کام اس کے سپرد کر دے۔

لیکن اگر اولادِ علی میں کوئی ایسا نہ ملے تو اولاد ابوطالب میں سے ان اوصاف کے حامل شخص کو یہ ذمہ داری سونپے۔

پھر اگر یہ دیکھے کہ اولاد ابوطالب میں بھی معزز اور صاحبِ نظر افراد نہیں رہے تو' بنی ہاشم میں سے کسی ایسے فرد کو تلاش کر کے ان امور کا نگراں بنائے جو مذکورہ اوصاف کا حامل ہو۔

جو شخص بھی ان معاملات کا ذمہ دار قرار پائے اس پر یہ شرط عائد ہوگی کہ وہ اصل اموال اور جائیداد کی حفاظت کرے گا اور فقط ان سے حاصل ہونے والے فوائد ہی کو سبیل اللہ نیز بنی ہاشم و بنی مطلب کے قریب اور دور کے رشتہ داروں پر خرچ کرے گا۔

کسی کو بھی کسی بھی قیمت پر ان اصل اموال اور جاگیروں میں سے کوئی بھی چیز بیچنے یا کسی کو بخشنے کا حق نہیں ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی چیز وراثت کے طور پر ورثا کو منتقل ہوگی۔

میرے بیٹے محمد علی (محمد حنفیہ) کے پاس جو اموال اور جاگیریں ہیں نیز فاطمہ کے بچوں کی ذاتی جاگیریں اور ان کے اموال ان دونوں کے متعلق ہیں (ان کا اس وصیت نامے اور وقف نامے سے کوئی تعلق نہیں ہے)

میرے وہ دو غلام جن کا ذکر میں نے ایک اور مختصر وقف نامہ میں کیا ہے میری طرف سے راہِ خدا میں آزاد ہیں۔

اپنے اموال و املاک کے بارے میں علی بن ابی طالب کا یہ قطعی فیصلہ ہے۔

یہ فیصلہ میں نے کوفہ کے قریہ ''مسکن'' پہنچنے کے دوسرے دن صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے حصول کی خاطر کیا ہے۔

کسی بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لئے خواہ وہ کسی بھی دور اور زمانہ کا ہو (آج کا یا برسوں بعد کا) جائز نہیں ہے کہ میں نے اپنے اموال و املاک کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے اس سلسلہ میں رائے دے' مداخلت کرے یا کسی بھی قسم کی مخالفت کرے۔

یہ وہ فیصلہ ہے جو:

علی بن ابی طالب نے ''مسکن'' آنے کے بعد آج کے دن اپنے اموال و املاک کے سلسلہ میں کیا ہے اور اس پر ابوشمر بن ابرہہ' صعصعہ بن صوحان' یزید بن قیس' میاج بن ابی میاج گواہ اور شاہد ہیں۔

اسے علی ابن ابی طالبؑ نے اپنے ہاتھ سے ۱۰ جمادی الاولیٰ ۳۶ ہجری کو تحریر کیا۔

(ماخوذ از کتاب ''ناؤ کی تحریر'' مولفہ ثقۃ الاسلام طلعت سیدہ ناشر زہرا اکادمی' کراچی)

"یہ فیصلہ نہ ہوا آج تک کہ کیا ہیں علیؑ"

جب سے دنیا وجود میں آئی یا یوں کہیے کہ خلقتِ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر زمانہ کے خیالات یکساں نہیں رہے۔ اس تغیر پذیر دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں' خیالات اور عمل کے ساتھ ساتھ اچھائی اور برائی کا انسانی معیار تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ چیزوں کی قدر و قیمت کے معیار میں فرق نظر آنے لگتا ہے۔ بس دین الٰہی ہی ناقابل تغیر ہے جو حق مطلق اور صداقت دائمی بنا کر بھیجا گیا۔ آغاز عالم سے لے کر آج تک توحید' انبیاء عالم غیب' احکام الٰہی کے حقائق یکساں ہیں اور یکساں قائم رہیں گے اسی طرح طہارت' اخلاق اور معاملات کی صداقت کا معیار بھی ہمیشہ سے ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ چوری' ڈکیتی' خیانت' غاصبانہ قبضہ اور ناحق قتل و غارت وغیرہ جیسی برائیاں ہمیشہ سے ممنوع و معتوب ہیں اور رہیں گی۔ سچ کی اچھائی اور جھوٹ کی برائی نہ پہلے بدلی تھی نہ اب بدلی ہے۔ مختصر طور پر یہ کہہ لیجئے کہ دین نے جن باتوں کی تشریح کی ہے وہ غیر متبدل حقیقت ہے بس انسانی خیالات کے سمندر میں طغیانی آتی رہتی ہے۔ حضرت علیؑ کی جو خوبیاں اللہ نے انہیں عطا کی تھیں وہ تو نہ بدلیں لیکن انہیں سمجھنے

کے لئے زمانہ کے خیالات' دماغی صلاحیت اور طریق فکر یکساں نہیں۔ ہر صاحبِ فکر کی دماغی ساخت' ذہنی خصلت اور اندازِ فکر میں یکسانیت نہیں اسی لئے یہ مسئلہ آج تک نہ حل ہوسکا کہ علیؑ کیا ہیں؟ دراصل علیؑ کی محیر العقول صلاحیتوں نے دنیا کو حیرت زدہ کردیا۔

علی کو سمجھنا معمہ حل کرنا ہے

پچھلے اوراق میں امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی مدح وستائش میں بیان کردہ روایات سمندر میں ایک قطرے کی مانند ہیں۔ لوگ علیؑ کے کمالات پڑھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ وہ انسان اور فرشتوں کے درمیان کوئی خاص مخلوق ہیں۔ خانہ کعبہ میں پیدا کرکے اور مسجد کوفہ میں شہادت کے مرتبہ پر فائز کرکے اللہ نے علیؑ کو دنیا والوں کو سمجھنے کے لئے مشکل بنادیا ہے۔ آیات قرآنی میں علیؑ کا ذکر' رسولؐ خدا کے اقوال' علیؑ کا علم لدنی اور معجزات کے ساتھ جنگوں میں ان کی ماہرانہ صلاحیت وطاقت علیؑ کو سمجھنے کے لئے ایک معمہ ہے اور معمہ رہے گا۔ جس کے لئے رسول کریمؐ کہیں کہ ہم اور علیؑ بارگاہ احدیت میں عالم انوار میں خلقت آدم سے ۱۴ ہزار سال پہلے حاضر رہے۔ اس کے بعد جب آدمؑ کی خلقت ہوئی اور یہ نور ان کی طرف منتقل ہوا تو اس کے دو حصے کردیئے گئے۔ ایک میں تھا اور ایک علی۔ (۱)

پھر علیؑ مولودِ کعبہ بھی ہوں تو اللہ کے نزدیک نبیؐ کے بعد علیؑ سے زیادہ معتبر شخصیت کون ہوسکتی ہے۔ قمر جلالوی نے خوب کہا ہے:

۱۔ مستدرک حاکم ۱۲۹/۳' تاریخ دمشق ۱۴۹/۱' تاریخ بغداد ۱۹۵/۴' کنز العمال ۳۹۱/۶' ۹۵/۱' کفایۃ الطالب ص ۲۹۷' (نظریہ عدالت صحابہ' استاد احمد حسین یعقوب ص ۲۵۵)

نہ ہوتی کعبہ میں کیسے ولادتِ حیدرؑ
کوئی چراغ نہ تھا خانۂ خدا کے لیے

اور جب یہ چراغ خانۂ خدا میں آیا تو پاک و پاکیزہ ہی تھا اور کسی شک کی گنجائش نہیں کہ علیؑ پیدائشی مسلمان تھے۔ چودہ سو سال بعد اس حقیقت کو سابق مرکزی وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی مرحوم نے سمجھا اور کہا کہ "علیؑ پہلے مسلمان نہیں پہلے ہی سے مسلمان تھے۔" کوثر نیازی مرحوم کے الفاظ میں:

> "تاریخ نگار اور تبصرہ نگار عجب ستم اٹھاتے ہیں اور غلط کہتے ہیں کہ پہلے ایمان کون لایا۔ پہلے مسلمان کون ہوا؟ کہتے ہیں خواتین میں حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے' غلاموں میں پہلے حضرت زیدؓ ایمان لائے' بچوں میں حضرت علیؑ پہلے ایمان لائے۔ میں کہتا ہوں دوستو! علیؑ کے بارے میں انصاف کی بات کرو' مسلمان ہونے کا سوال تو اس کے لئے پیدا ہوتا ہے جو پہلے کسی اور مذہب پر ہو اور پھر ایمان لانے سے پہلے بت پرست ہو اور پھر ملحد ہوا ہو' پہلے کسی اور کا کلمہ پڑھتا ہو اور پھر اپنے آقا اور مولا کا کلمہ پڑھے۔ کہتے ہیں کہ علیؑ پہلے مسلمان تھے میں کہتا ہوں کہ علیؑ پہلے سے مسلمان تھے۔"
>
> (کشکول نیو جرسی صفحہ ۲۶۴)

رسولؐ اور علیؑ نہ ہوتے تو کوئی اللہ کی عبادت نہ کرتا

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''اگر میںؐ اور علیؑ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نہ جانتا۔ اگر میںؐ اور علیؑ نہ ہوتے تو نہ عذاب ہوتا نہ ثواب' علیؑ کو اللہ تعالیٰ سے کوئی پردہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کو حضرت علیؑ سے کوئی پردہ نہیں ہے۔ علیؑ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان پردہ اور حجاب ہیں۔''(۱)

حضرت علیؑ کی یہ ایسی صفت ہے جسے لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

حیرت انگیز تاریخ

''حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے بعد نسلِ انبیاء حضرت ابراہیمؑ سے چلی۔ اللہ کی قدرت سے محمد مصطفیؐ کا نور روزِ اول پشتِ آدمؑ پر ثبت کیا گیا۔ آدمؑ سے شیثؑ پھر ان کے بیٹے سے سلسلۂ انبیاء باپ سے بیٹے کو' بیٹے سے پوتے کو منتقل ہوتے آنحضرتؐ کی ولادت تک پہنچا اور آپؐ دوسرے انبیاء کی طرح پیدائشی نبی تھے جن کا تذکرہ نبیوں میں ہوتا رہتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کردار اور دیانت داری سے ظالم' جابر' بت پرست اور گمراہ عربوں میں چالیس سال تک پیغامِ توحید سننے کی صلاحیت پیدا کرتے رہے۔''

علیؑ خانۂ خدا میں پیدا ہوئے' رسول نے زبان چسائی' علم منتقل کرتے اور تربیت دیتے رہے۔ علیؑ پروردۂ رسولؐ تھے جنہیں رسولؐ نے اپنے سانچے میں ڈھال کر اپنی کرامات کا بندہ بنالیا تھا۔ عرصہ تک دین اسلام صرف محمدؐ کے گھرانے میں محصور رہا جس میں پیغمبرؐ کے ساتھ صرف ان کی زوجہ خدیجہؓ ان کے ابن عم علیؑ اور ان کے غلام زیدؓ بن حارث مسلمان تھے۔ دعوتِ عشیرہ ہوئی' اعلان نبوت ہوا' رسولؐ نے مدد طلب کی تو

ا۔ کتاب ''سلیم بن قیس ہلالی'' از ملک محمد شریف صفحہ ۲۷۵

صرف کمسن علیؑ ہی نے لبیک کہا۔ ''یارسول اللہ میں آپ کا مددگار ہوں اور جو شخص آپ کے مقابلے پر آئے گا اس سے جنگ کروں گا۔'' اس وقت تو بچہ سمجھ کر مخالفین نے مذاق اڑایا لیکن علیؑ نے جو وعدہ کیا تھا اسے اپنی شجاعت و مردانگی سچ کر دکھایا۔ خندق میں عمرو ابن عبدود کو قتل کر کے کل ایمان ہونے کی سند لی اور جب جنگ خیبر میں آپؑ کے ہاتھ سے سپر گر گئی تو قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر سپر بنالیا تھا اور جب تک معرکہ فتح نہیں ہو گیا اپنے ہاتھ میں رکھا۔ فتح کے بعد اسے دور پھینک دیا تو آٹھ آدمی مل کر اسے حرکت نہ دے سکے۔ (۱)

پیغمبر اور دین اسلام کے لئے علیؑ کی فداکاری کی انتہا ہے کہ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے دشمنوں نے مضبوط گھیرا ڈال رکھا تھا اور پیغمبرؐ کے حکم پر علیؑ آنحضرتؐ کی سبز خضری چادر سر سے اوڑھ کر سو گئے تا کہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ بستر پر علیؑ ہیں۔ یہاں تک کہ رسولؐ خدا صحیح وسلامت تشریف لے گئے۔ اس سرفروشی کی مثال نہیں ملتی کہ جان جائے لیکن رسولؐ محفوظ رہیں۔ جارج جرداق لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایثار و قربانی بہت کمیاب ہے' سقراط اور اس کے ایسے دوسرے افراد نے اپنی خوشی سے موت کو قبول کیا تو علیؑ ابن طالب نے بھی اپنی مرضی اور اختیار سے اپنی جان کو پیغمبر کے اوپر فدا کیا' لیکن میدانِ جنگ میں اپنے پاؤں سے موت کے سامنے جانا یا اپنے ہاتھ سے زہر کا پیالہ پی لینا علیؑ کے کام سے زیادہ آسان ہے۔ کس قدر دشوار ہے اس شخص کے بستر پر سونا جس کو ظالموں نے مجرم سمجھ کر اس کے قتل کا تہیہ کر رکھا ہو اور جہاں ان کے چنگل سے نجات پانا ممکن نہ ہو' وہ چند قدم کے فاصلے سے اس کو

۱۔ مسلم' بخاری۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۷ (نظریہ عدالت صحابہ ص ۲۶۹)

دیکھ رہے ہوں اور یہ بھی ان کی باتیں سن رہا ہو۔ ہر لمحہ کی حرکات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اس کے قتل کا اشارہ کر رہے ہیں، ان کی خون آشام تلواروں کو اپنے سر کے اوپر چمکتا ہوا پا رہا ہو اور اس عالم میں ساری رات گزار دے۔" (۱)

اس جرأت اور ہمت کی داد اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۷ میں دی۔" وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِى ......**بِالۡعِبَاد** "یعنی (انسانوں میں سے بعض (علیؑ) وہ ہیں جو رضائے الٰہی کے لئے اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر مہربان ہوتا ہے۔" (۲)

دوسری طرف رسولؐ جو عالم نور میں نبی اعظم تھے اور حیات انسانی کے ہر دور کے مرسل اعظم ہیں۔ زندگی بھر تابع وحی رہے، بغیر رضائے الٰہی ہونٹوں کو جنبش نہ دی، پوری زندگی نقل و حرکت انسانی مگر پابند الٰہی، علیؑ کو اس طرح پہچنواتے ہیں کہ علی میرا بھائی، وصی، جانشین، کل ایمان، باب علم، علی مع القرآن وقرآن مع علی، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اور ایک بار رسول اکرمؐ نے اصحاب سے خطاب کر کے یہ فرمایا "اللہ نے علیؑ کے بارے میں تین باتوں کی وحی کی ہے۔ علیؑ سردار مسلمین، امام المتقین اور قائد الغرا لمحجلین ہیں۔" (معجم صفیر طبرانی ۲/ ۸۸، مناقب ابن منازلی ص ۶۵، مناقب خوارزمی ص ۲۳۵، تاریخ ابن عساکر ۲/ ۲۵۷، ینابیع المودۃ ص ۸۱، احقاق الحق ۴/ ۱۱، فضائل الخمسہ ۲/ ۱۰۰ وغیرہ۔

۱۔ ندائے عدالت انسانی صفحہ ۳۴

۲۔ غایۃ المرام ص ۳۴۴، ۳۴۵، علامہ بحرانی نے ثعلبی کی تفسیر سے نقل کیا ہے، ابن اثیر نے اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۵، امام فخر الدین رازی، جلال الدین سیوطی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ (خورشید خاور ص ۲۳۸) ترجمہ شبہائے پیشاور

دوسرے موقع پر فرمایا کہ اللہ نے علیؑ کے بارے میں یہ وحی نازل فرمائی ہے کہ ''وہ سید المسلمین، ولی المتقین اور قائد الغرا لمحجلین ہیں۔'' (تاریخ ابن عساکر ۲/ ۲۵٦، الریاض النضر ۲/ ۲۳۴، ذخائر العقبیٰ ص ۷۰، منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ۵/ ۳۴، مندرجہ نظریہ عدالت صحابہ ص ۲٦۳)

کیا یہ حقیقی تاریخ علیؑ کو سمجھنے کے لئے حیرت انگیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علیؑ کو بجز خدا اور رسول کوئی نہ سمجھ سکا۔

عالمِ علمِ لدنی

دنیا حیران ہے کہ ایک ذاتِ علیؑ میں ساری خوبیاں کیسے جمع تھیں۔ یہ حدیث ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ایک جلسہ میں فرمایا کہ ''اگر تم آدمؑ کا علم، نوحؑ کا عزم، ابراہیمؑ کی خصلت، موسیٰؑ کی مناجات، عیسیٰؑ کا زہد اور محمدؐ کی ہدایت ایک ذات کے اندر جمع دیکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو دیکھو جو تمہاری طرف آ رہا ہے۔ لوگوں نے گردنیں اٹھائیں تو دیکھا علی ابن ابی طالب ہیں (۱)

سرکار دو عالمؐ نے علیؑ کے علم کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (۲)

• جب رسولؐ، علیؑ کو اپنے باب علم کا دروازہ کہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی کیا شان

۱۔ جارج جرداق۔ کتاب ''ندائے عدالت انسانی'' صفحہ ۳۰

۲۔ تاریخ ابن عساکر ۲/ ۴٦۲ حدیث نمبر ۹۸۴۔ ۹۹۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۷۰، میزان ذہبی ۲/ ۲۱۵، منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ۵/ ۳۰، شرح النہج ۷/ ۲۱۹ (نظریہ عدالت ص ۲٦۵)

ہوگی۔ پھر دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ علیؑ نے سوائے رسولؐ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا اور دنیا کے سب سے بڑے عالم کہلائے۔ جسے تمام بڑے علماء نے علمِ لدنی یعنی علم منجانب اللہ کہا ہے۔ ابو حامد غزالی نے اپنی کتاب بیانِ علمِ لدنی میں نقل کیا ہے کہ علیؑ نے فرمایا۔ ''رسولؐ خدا نے اپنی زبان میرے دہن میں دی۔ پس آنحضرتؐ کے لعابِ دہن سے مجھ پر علم کے ہزار باب کھل گئے اور ہر باب سے مزید ایک ایک ہزار باب کشادہ ہوئے۔''

قوت ادراک میں علیؑ یگانہ روزگار تھے۔ عرب کا کوئی ایسا علم نہیں جسے آپ نے وضع نہ کیا ہو۔ قرآن سے انہیں عشق تھا۔ اس کا بیان الٰہی ان کے دل و دماغ میں پیوست تھا۔ حکیمانہ نظر کے ساتھ غور و فکر کرتے۔ اکثر لوگوں کے سوالات کا جواب قرآنی آیات سے دیتے۔ اس میں تعجب اس لئے بھی نہیں کہ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہے، جو آنحضرتؐ سے دوسروں نے سنا وہ تو سنتے ہی تھے لیکن جو خود سنا اسے دوسروں نے نہیں سنا۔ بیشتر قرآن کی آیات ان کے سامنے نازل ہوئیں اور جو غیر موجودگی میں نازل ہوئیں وہ رسولؐ انہیں خود بتلاتے۔ پھر سورہ یٰسین آیت نمبر ۱۲ میں بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ امام مبین تھے اور اللہ نے ہر چیز کا علم امام مبین کو دے دیا۔(۱) اس لئے علیؑ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

> ''پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ۔ پس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور آدمی کو پیدا کیا کہ کتاب اللہ کی جس آیت کے متعلق سوال کرو گے میں اس سے متعلق تمہیں آگاہ کردوں گا کہ یہ آیت کب

۱۔ ینابیع المودۃ ص ۷۷ (علی فی القرآن صفحہ ۳۶۹۔۳۷۰) مولف آقائے سید صادق حسینی شیرازی

نازل ہوئی۔ دن میں نازل ہوئی یا رات میں نازل ہوئی۔ رسولؐ خدا سفر میں تھے تب نازل ہوئی یا قیام فرما رہے تھے تب نازل ہوئی۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔ کس کے بارے میں نازل ہوئی' مومن کے حق میں یا منافق کے بارے میں۔ یقیناً خدا نے مجھ کو فہم و ادراک رکھنے والا دل اور فصیح و گویا زبان عطا کی ہے۔'' (نہج البلاغہ)

یہ دعویٰ وہی کر سکتا ہے جو علم قضا کا ماہر ہو اور قرآن و شریعت کی آگاہی میں علیؑ کا جواب نہ تھا۔ علمِ فقہ ہو یا علمِ کلام' علمِ تصوف ہو یا علمِ نحو' علمِ حساب ہو یا علمِ فلسفہ' علیؑ جیسا عالم نہ مشرق میں پیدا ہوا نہ مغرب میں جس کی وجہ سے ذاتِ نبوت کے بعد علیؑ صحرائے عرب کا دوسرا معجزہ تھے۔

تاریخ الادب کے صفحہ ۱۰۱ اور ۱۸۶ پر عہد حاضر کے مشہور مورخ الاستاذ احمد حسین الزیات لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرتؐ کے بعد سلف و خلف میں گفتگو و کلام اور تقریر و خطابت میں حضرت علیؑ سے زیادہ فصیح تر ہم نے کسی کو نہ پایا۔ آپ ایسے حکیم و فلسفی تھے کہ آپ کے بیان سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے اور آپ کی زبان سے خطابت کے دریا ابلتے تھے۔ آپ ایسے واعظ تھے کہ سامعین کے قلب و دماغ کو اپنے وعظ سے مسحور کر دیتے تھے۔ آپ کے مکاتیب و رسائل دلائل کی بے پناہ گہرائیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ حضرت کے وہ خطبے جن میں آپ نے لوگوں کو جہاد کے لئے برانگیختہ کیا اور وہ رسائل جو معاویہ کے نام تحریر فرمائے اور وہ خطبے جن میں طاؤس' چمگادڑ اور دنیا کے اوصاف بیان فرمائے اور وہ فرمان جو مالک اشتر کا

موسومہ ہے۔ سب بدائع عقل بشری اور معجزاتِ زبان عربی میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کے چند خطبوں پر علمائے عظام لکھتے ہیں کہ یہ سب اسرار ہی اسرار پر مشتمل ہیں جن کے معنی کی معرفت سوائے علمائے راسخ کے کوئی نہیں رکھتا۔"

حضرت علیؑ کا کلام اس کثرت سے موجود ہے کہ چھٹی صدی کے مشہور عالم ابوالحسن محمد بن الحسین بیہقی اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ موسوم بہ حدائق الحقائق میں قطب الدین راوندی متوفی ۵۷۳ھ کی کتاب منہاج البلاغہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "قطب الدین راوندی نے حجاز میں علماء سے سنا تھا کہ انہوں نے مصر میں امیر المومنین کے کلام سے ایسے مجموعہ کو دیکھا تھا جو بیس مجلدات سے زیادہ تھے۔"
(روضات الجنات باب العین ص ۴۶۴ طبع ایران)

"چودہ ستارے" صفحہ ۱۳۸ پر علامہ رشید الدین ابن شہر آشوب معلم العلماء اور علامہ سید محسن صدر کی کتاب الشیعہ وفنون الاسلام کے حوالے سے درج ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت علیؑ نے تصنیف کی ہے۔" تصانیف کا ذکر کئی کتابوں میں ہے۔ ان میں صحیفہ جامعیہ قرآن مجید نزول آیات کی ترتیب میں اور مصحف فاطمہ تو موجود نہیں لیکن کتاب تفسیر جس میں علوم قرآن کی ساٹھ سے زیادہ اقسام کا مخصوص مثالوں کے ساتھ بیان ہے' کتاب الجفر' اونٹ کی زکوۃ سے متعلق ایک رسالہ' کتاب فی الدیات مسمی بہ الصحیفۃ وکتاب الفرائض' کتاب صدقات النعم' اربع مائۃ باب جس میں چار سو اقوال موجود ہیں' رسالہ فی النحو' احتیاج علی الیھوذ احتجاج علی نصاریٰ' نوادر احتجاجات' مالک اشتر کے نام تحریری ہدایات' محمد بن حنفیہ کے نام وصیت' کتاب فی ابواب الفقہ اور کتاب فی الفقہ جیسی متعدد کتابیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو نورالابصار امام

شبلنجی ص ۷۳ طبع مصر' کتاب اعیان الشیعہ کی تالیفات وتصنیفات کی فہرست' نہج الاسرار اور چودہ ستارے وغیرہ۔

حضرت علیؑ کے خطبوں کی تفصیل بھی نہج البلاغہ' نہج الاسرار' نظریہ عدالت صحابہ' چودہ ستارے وغیرہ میں درج ہے۔

حضرت علیؑ کی علمی استعداد' ان کے خطبے' مکتوبات' ملفوظات' مسائل توحید' وعظ و نصیحت' افکار' معاشرتی قواعد' طرز حکمرانی اور ملکی سیاست جیسے تمام موضوعات معراجِ کمال کے درجہ پر فائز ہیں۔ اور علم ہیئت وافلاک ونجوم اور اسرارِ طبیعات وفلکیات جیسے علوم تو حضرت علیؑ کے علم لدنی کا حیران کن مظہر ہیں۔ بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی کی مدد سے جو سائنسی حقائق دریافت کئے جا سکے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں لیکن صرف قرآن کو کافی کہہ لینے سے سائنسی معجزات سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اس کے لئے علیؑ جیسے استاد کی ضرورت تھی۔ عرب اپنے آباء سے وراثت میں ملے قصہ کہانیوں پر ہی یقین رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آسمان کو پہاڑوں نے سہارا دے رکھا ہے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ زمین ہموار ہے' اس کے دونوں کناروں پر اونچے پہاڑ واقع ہیں لیکن حضرت علیؑ نے قرآن ہی سے ثابت کیا کہ یہ غلط ہے۔ سورہ الرعد کی آیت ۲ کی تلاوت کی: اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ...... الخ ''خدا وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے۔'' اس وقت لوگ فلکیات Astronomy' طبیعات Physics یا حیاتیات Biology کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے۔ یہ ایسے مضامین ہیں جن سے کائنات کی تخلیق' انسان کی تخلیق' فضا کی ساخت' زمین پر زندگی کو ممکن بنانے والے تناسب جیسے موضوعات کے بارے میں حضرت علیؑ نے جو چودہ سو سال پہلے انکشافات کئے وہ کہاں سے کئے؟ بغیر کسی مکتب

میں پڑھے ان علوم پر روشنی ڈالنا حضرت علیؑ کے علمِ لدنی کا ثبوت ہے۔ کائنات اور زندگی کی تشریح کے لئے ان کے پاس علمی خزانہ تھا۔

بحار الانوار ج ۱۴ میں امیر المومنین کی ایک طولانی حدیث منقول ہے کہ ''جب خدا نے زمین پیدا کی تو پہلے اسے کعبہ کے نیچے حرکت دی۔ پھر اسے پانی پر پھیلایا تو اس نے ہر ایک چیز کو گھیر لیا۔''

ایک اور خطبہ میں فرمایا: ''پہاڑوں کے ذریعے سے خدا نے زمین کو جھولے سے روکا اور زمین کی حرکات کو گڑے ہوئے سخت پتھروں سے معتدل بنایا۔''

دوسرے خطبہ میں مزید صراحت کی: ''زمین میں پہاڑوں کے گاڑے جانے سے اس کا اضطراب (جھولے کھانا) جاتا رہا۔''

نہج البلاغہ میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا ''صرف یہی زمین نہیں ہے جس پر ہم سکونت پذیر ہیں بلکہ خدا نے اور بہت سی زمینیں پیدا کی ہیں جو اس فضا میں ہماری زمین کی طرح متحرک ہیں۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۷۱ میں ہے کہ اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے اس طرح تخلیق کا کام کیا کہ ایک آسمان دوسرے آسمان کو دیکھنے سے نہیں روکتا۔ نہ ایک زمین دوسری زمین کے حالات معلوم کرنے سے روکتی ہے۔''

انوارِ نعمانیہ جزائری بحار مجلسی ج ۱۴ میں ہے کہ امیر المومنین سے ایک شامی نے پوچھا کہ خدا کی پہلی مخلوق کون ہے۔ فرمایا نور، سائل نے پوچھا۔ آسمان کس چیز سے بنا ہے؟ فرمایا: پانی کے بخارات سے۔ خطبہ اولی نہج البلاغہ جلد ا میں حضرت علیؑ کا خطبہ ہے کہ ''خدا نے پانی کو پہلے ایک وسیع فضا میں بلند فرمایا۔ پھر اس سے سات آسمان پیدا کئے، جن میں سے آسمانِ زیریں کو منجمد موج کی طرح بنایا اور بالائے آسمان کو محفوظ چھت کی طرح بنایا۔''

روضہ کافی ثقۃ الاسلام میں امیر المومنین کا ایک طویل ارشاد ہے جس میں فرمایا کہ ''اگر آفتاب کا رخ زمین کی طرف ہوتا تو زمین اور اس کے موجودات شدت حرات کی وجہ سے فنا ہو جاتے۔''

کسی شامی نے امیر المومنین سے پوچھا تھا کہ آفتاب کا طول وعرض کتنا ہے؟ امام نے فرمایا: ''نوسو فرسخ کو نوسو فرسخ میں ضرب دینے سے جو حاصل ہوگا وہی اس کا طول وعرض ہوگا۔'' (بحار جلد ۱۴۔ صفحہ ۱۲۰)

بحار الانوار جلد ۱۴ میں ہے کہ کسی نے امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ چاند کی مسافت کیا ہے۔ فرمایا ''۴۰ فرسخ x ۴۰ فرسخ۔''

دنیا کا ذہن متعدد چاندوں کی طرف گیا بھی نہیں تھا جب امیر المومنین سے بحوالہ روضہ کافی کلینی انہوں نے کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ ''ہمارا چاند یا ان کا چاند'' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس چاند کے علاوہ دوسرے عالم کے لئے دوسرا چاند بھی ہے۔

> بحار الانوار کتاب السماء والعالم ج ۱۴ میں امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ:
> ''سیارات بھی اسی طرح شہروں سے آباد ہیں جس طرح زمین' ہر شہر ایک نورانی ستون سے بندھا ہوا ہے۔ اس روایت کو شیخ فخر الدین طریحی نجفی م ۱۰۸۷ھ نے البحرین میں بھی ذکر کیا ہے۔ سیارات میں شہروں کا ہونا بتاتا ہے کہ اس میں ذی شعور مخلوق آباد ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں کشکول نیو جرسی ''امیر المومنین کا علمی خزانہ)

حضرت علیؑ علم کلام اور الٰہیات کے بانی اور ایسے استاد ہیں جن کی رہبری اور استادی کا ہر عالم اعتراف کرتا ہے۔ ''چودہ ستارے'' میں ہے کہ حضرت علیؑ کے علاوہ

عبداللہ ابن عباس بھی اپنے زمانے کے مشہور و معروف عالم تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ علیؑ کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے تو فرمایا جتنا ایک بحرِ ذخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا سا قطرہ ہو سکتا ہے۔ اس میں یہ بھی درج ہے کہ ''اسلام کا ہر فرقہ و مجتہد حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہے۔ فرقہ امامیہ و زیدیہ کے علاوہ دوسرے چار فرقوں میں مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ مالکی فرقہ کا بانی امام مالک شاگرد تھے ربیعۃ الرائی کے اور وہ شاگرد تھے عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے ابن عباس کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علیؑ کے۔

دوسرے فرقہ حنفی کے بانی امام ابوحنیفہ تھے۔ یہ شاگرد تھے امام محمد باقرؑ کے اور امام جعفر صادقؑ کے اور یہ شاگرد تھے امام زین العابدینؑ کے اور امام عابدؑ شاگرد تھے امام حسینؑ کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علیؑ کے۔ تیسرے فرقے کے بانی امام شافعی شاگرد تھے امام محمد کے اور وہ شاگرد تھے امام ابوحنیفہ کے۔ چوتھے فرقے کے بانی امام احمد بن حنبل شاگرد تھے امام شافعی کے اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علیؑ کا شاگرد ہوا۔ (چودہ ستارے۔ مولانا سید نجم الحسن کراروی۔ صفحہ ۱۴۰)

بغیر الف کے خطبہ

خرائج میں مروی ہے کہ ایک دن صحابہ آپس میں بیٹھے اس بات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ زبانِ عرب میں وہ کون سا حرف ہے جس کے بغیر کوئی لفظ نہیں بن سکتا اور کوئی خطیب اپنے چھوٹے یا بڑے خطبہ میں اس حرف کے بغیر خطبہ نہیں دے سکتا۔ طویل تبصرہ کے بعد سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ الف واحد وہ حرف ہے جس کے بغیر عربی زبان میں کوئی لفظ نہیں بن سکتا۔ حضرت علیؑ بھی ان میں موجود تھے۔ جب ان کا فیصلہ ہو گیا تو آپ نے فی البدیہہ یہ خطبہ شروع کر دیا:

حمدت من عظمت منته و سبقت نعمته و سبقت رحمته.... وحسبی ربی وحده. میں اس ذات کی حمد کرتا ہوں جس کے احسان عظیم ہیں۔ جس کی نعمات کامل ہیں' جس کی رحمت پہلے ہے۔۔۔۔ مجھے تنہا وہی اللہ کافی ہے۔

آقائے محمد باقر دہدشتی بہبہانی نجفی نے اپنی تالیف "الدمعتہ الساکبہ" جلد اول میں صفحہ ۳۴۹ سے ۳۵۶ تک پورا خطبہ درج کیا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں: جونہی آپ نے الف کے بغیر اتنا طویل خطبہ ختم کیا تمام صحابہ انگشتِ حیرت منہ میں دے کر عش عش کرنے لگے۔ کچھ نے اسے آپ کی جادوگری کا ایک حصہ سمجھا اور کچھ نے اعجازِ امامت سمجھا۔ (۱۶۵ کلمات پر مشتمل یہ خطبہ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۵ پر بھی درج ہے)

حضرت علیؑ نے اپنے بحرِ علوم کے ایسے انمول ہیرے جواہرات چھوڑے ہیں جنہیں ایک کتاب میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ یہاں ان کے عالمِ علمِ لدنی ہونے کی ایک اور تاریخی سند نقل کر رہا ہوں جو ان کے خط تصاویر پر ہیرو غلفی پڑھ دینے میں ہے جسے حضرت ابراہیمؑ کے دور تک پڑھا جا سکتا تھا۔ یہ حضرت علیؑ کے الٰہیاتی علم کا شاہکار ہے۔

خطِ تصاویر ہیرو غلفی

صاحب غیاث اللغات اہرام مصر کی بحث کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت علیؑ سے سوال کیا کہ اہرام مصر کی بنا کب ہوئی۔ انہیں اس پر موجود ایک تصویر بتلائی گئی جسے سن کر انھوں نے فوراً بتلایا کہ بارہ ہزار سال پہلے اس عمارت کی بنیاد رکھی

گئی۔ حیرت کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہیروغلفی جو خط تصاویر سے پڑھی جاسکتی تھے نہ اس کے جاننے والے رہ گئے تھے نہ ان کا کوئی نام ونشان تھا لیکن حضرت علیؑ نے پڑھ کر تفصیل بتلادی جس کی تصدیق حضرت علیؑ سے نو سو برس بعد ایک فرانسیسی عالم ڈاکٹر شامپلون نے اپنی تحقیق میں کی۔ دنیا اسے علمِ لدنی کہے یا علمِ غیب بہر حال یہ حیرت انگیز حقیقت ہے۔ اس سلسلے میں جناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری نے جو تفصیل درج کی ہے اسے ان ہی کی زبان میں پڑھیے۔

''دنیا کی تاریخ اور حالاتِ ماضی کی تدوین کا کام سب سے پہلے یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے کیا جو ۴۰۶ سال قبلِ حضرت مسیح گزرا ہے جس کو شیخ الشعراء کہتے ہیں اس نے بہت سے حالات نظم کئے ہیں اس سے پہلے نہ کسی کو تاریخ لکھنے کی توفیق ہوئی نہ کسی نے کوئی ایسی یادداشت چھوڑی جس سے تاریخ کی تدوین ہوسکتی منجملہ تمام علوم و فنون وحالات کے خطوط وخطاطی کا بھی یہی حال ہے کہ ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ خطوط کی ابتدا کب سے اور کیونکر ہوئی ماہرین آثار قدیمہ اور دیگر اہل علم نے ہر علم وفن کی تاریخ اور تدریجی ترقی میں بہت کچھ سراغ رسی کی اور روادی مکاتیب اور دیگر مقامات سے کچھ کتبے ڈھونڈ نکالے اور ان سے پتہ لگایا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ دنیا کے ابتدائی دور میں جس طرح انسان نے تمدن میں ترقی کی اور اظہار خیال اور ان کے تحفظ ونشر کی ضرورت پیدا ہوتی گئی تو کتبے کی صورت میں جو خطوط سب سے پہلے دماغ انسانی میں آئے وہ خط تصاویر تھا جس کو آج ماہرین فن ہیروکلفی یا ہیروغلفی کہتے ہیں یہی خط ہیروغلفی تمام دنیا کے خطوط کا سرچشمہ ہے۔

اس کے جاننے والے حضرت ابراہیمؑ کے بعد نہیں ملتے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علیؑ کے زمانہ میں بہت بڑا تفاوت ہے اور نہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں کوئی

صاحب ایسے گزرے جنہوں نے کوئی تاریخ چھوڑی ہو۔

ہیروغلفی کے متعلق حضرت علیؑ کے نوسو برس بعد جو تحقیقات اور سراغ رسی کی گئی اور مصر اور دیگر مقامات سے ۳۰ سال کی مسلسل سعی اور جانفشانی سے جو کچھ ہیروغلفی کے سمجھنے اور جاننے کے باب میں پتہ لگایا گیا۔ وہ فرانسیسی عالم ڈاکٹر شامپلون تھا اس نے نہ تو دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات۔ اور ۲۳ سال جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھانی' ہزاروں کتبے لاکھوں تصاویر کو ملا کر ایسے کتبوں سے جو ہیروغلفی اور بعض اور خطوط میں لکھے تھے مقابلہ کر کے اور خدا جانے کیا کیا دقتیں اور زحمتیں اٹھائیں کہ آج دو جلدوں میں ایک مبسوط کتاب فرانسیسی زبان میں ''ہیروغلفی'' پر تحریر کر کے یادگار کے طور پر چھوڑ گیا اس کی تصنیف سے ہیروغلفی کے سمجھنے میں اور اس کے کتبوں کے جاننے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

یہ انکشافات اور تصنیف حضرت علیؑ کے ۹ سو برس بعد کی ہے اب دیکھنا تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں ہیروغلفی کا جاننے والا بھی کوئی تھا اور کوئی تاریخ تدوین ہوئی تھی یا نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد جب نہ ہیروغلفی کے جاننے والے رہ گئے تھے نہ یہ خط تھا نہ اس کا چرچا تھا نہ اس کا کوئی نشان تھا تو پھر حضرت علیؑ کے زمانے کا ذکر ہی کیا کہ جب ہیروغلفی کے نام تک کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اب اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت علیؑ نے اپنے زمانے میں ہیروغلفی کے متعلق کچھ فرمایا یا کسی کتبہ کو جو ہیروغلفی میں تھا پڑھ دیا ہو یا اس کے متعلق حالات بتا دیئے ہوں اور اس کی تصدیق نوسو برس بعد ہوئی تو یہ ماننے کے سوا چارہ نہیں کہ حضرت علیؑ کو خدا کی طرف سے کوئی ایسی قوت یا علم ملا کہ جس علم کو انہوں نے کسی دنیاوی دارالعلوم میں پڑھا نہ ہو اور اس کے حالات

اس طرح بتادیں جس طرح اس کے عالم جانتے ہیں اوراس کی تصدیق ایک مدت مدید کے بعد غیر مذہب اور غیر سرزمین کے عالم کی تحقیق اور انکشافاتِ جدیدہ سے ہو تو اس کے سوا کہ اس کو عالمِ علمِ لدنی یا علمِ غیب کا جاننے والا کہا جائے اور کیا ہے۔

جب کسی کے سامنے حضرت علیؑ کو عالِم علمِ لدنی کہا جاتا ہے تو غیر اقوام کا کیا ذکر خود اپنے ہم عقیدہ اس کا ثبوت مانگتے ہیں۔ ہم یہ جبر نہیں کرتے کہ اس کو عقیدتاً مانا جائے کہ حضرت علیؑ عالمِ علمِ لدنی تھے اس کا علمی اور عملی ثبوت پیش کرتے ہیں۔

صاحب غیاث اللغات جو حنفی المذہب تھے اہرام مصر کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے کسی نے سوال کیا کہ اہرام مصر کی بنا کب ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس پر کوئی کتبہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں' آپؑ نے فرمایا کوئی تصویر ہے؟ سائل نے کہا ہاں ایک گدھ کی تصویر ہے جو پنجے میں کیکڑا دبائے ہوئے ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا' معاملہ صاف ہے۔ ''بنی الھرمان وکان النسر فی السرطان'' اہرام مصر کی بنا اس وقت ہوئی ہے جب نسر برج سرطان میں تھا' نسر دو ہزار برس میں ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے اور آج کل برج جدی میں ہے تو یوں سمجھو کہ بارہ ہزار سال پہلے اس عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی اور ٹھیک زمانہ معلوم ہو گیا جس کا پتہ دینے کے لئے ہیرو غلفی خط میں یہ تصویر اس زمانے کے ماہرین نے بنائی تھی اس کا پتہ دینے والا ہزار ہا سال کے بعد دنیا میں ایک ایسا عالم آیا جس کے زمانہ میں کوئی اور روئے زمین پر ہیرو غلفی جاننے والے باقی نہ رہ گیا تھا جس نے اسے پڑھا ہوا گر نو سو برس کے بعد ہیرو غلفی کے متعلق تحقیقات وانکشافات کر کے فرانسیسی عالم ڈاکٹر شامپلون نے کتاب نہ لکھی ہوتی تو اس قول کی تصدیق نہ ہوسکتی۔

اگر کوئی مسلمان محقق ایسی کتاب لکھتا تو یہ شبہ کیا جاسکتا تھا کہ ہیرو غلفی کے متعلق

قول حضرت علیؑ کے لئے ایک بات بنالی گئی یہ قول نہ تو ڈاکٹر شاملون کو معلوم تھا نہ اس کے سامنے اس کا ذکر آیا اور نہ شاید صراحت سے وہ مخصوص طور پر اس پر روشنی ڈالتا لیکن جس طرح تصاویر سے مطالب سے اس میں بحث کی گئی ہے اور جو طریقہ اس وقت اظہار خیال کا تھا اور جس جس عنوان سے خیالات کے ادا کرنے میں تصویروں سے مدد لی جاتی تھی ان سب کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو ہر ذی فہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؑ نے جس طرح اس ہیروغلفی کے عقدے کو فوراً اپنے زمانے میں حل کیا وہ وہی طریقہ ہے جس کو ڈاکٹر شاملون نے سالہا سال کی محنت و جانفشانی اور کتبوں کے میلان کرنے اور نتیجہ نکالنے سے پیدا کیا ہے اس لئے یہ بے محل نہ ہوگا اگر ہم بطور استدلال ڈاکٹر شاملون کی جاں کاویوں سے مدد لیں اور دکھائیں کہ جس وقت ہیروغلفی کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا اس وقت ایسے سوال کا جواب اور ایسا صحیح حضرت علیؑ کی جانب سے (اتنا جلد) دیا جانا جو علمی اور انکشافی حیثیت سے ان کے صدیوں بعد غور کرنے سے درست اور ٹھیک اترے وہ جواب وہی دے سکتا ہے جو عالم علم لدنی ہو اور جس نے درس گاہِ نبوی میں تعلیم پائی ہو۔ (ماخوذ ''صحیفۂ معرفت'' سید اشتیاق حسین صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۴)

کیا علیؑ عالم الغیب تھے؟

غیب کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے کہ ملائکہ کتبِ الٰہی انبیاء تقدیر یوم آخرت اور موت کے بعد جی اٹھنا غیب ہے۔ ساتھ ہی انسان کا گزرا ہوا کل آنے والا کل اپنے اردگرد کی وہ تمام موجودہ چیزیں جو نظر نہیں آتیں اور اللہ اور اس کے نبی نے جن کے بارے میں نشان دہی فرمائی ہے وہ سب غیب ہیں اور غیب پر یقین ایمان

کا جزو لاینفک ہے۔

رسولِ خدا نورِ ازل اور تخلیقِ اول ہیں۔ کائنات اور ملائکہ سب آنحضورؐ کے سامنے خلق ہوئے اور جب آپؐ ہر تخلیق کے عینی شاہد ہیں تو ان کے پاس زیادہ تر علومِ غیب کا نہ ہونا عقل سے بعید ہے۔ اس طرح جو لوگ رسولؐ خدا کے عالم الغیب ہونے کے قائل ہیں ان کو حضرت علیؑ کے عالم الغیب ہونے پر یقین کرنا کوئی مشکل نہیں۔ آیہ مبارکہ ہے:

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ."

(اللہ عالم الغیب ہے پس اپنے غیب سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوا اس رسولؐ کے جس کو مرتضٰی اور برگزیدہ کیا)

خداوند عالم نے حضورؐ کو علومِ غیبی عنایت فرمائے اور وہ آپؐ کے شہرِ علم میں جمع تھے۔ آنحضرتؐ کی حدیث کے مطابق حضرت علیؑ حضور اکرمؐ کے شہرِ علم کا باب تھے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ باب کے بغیر شہر میں کوئی کیسے داخل ہو سکتا ہے اور دروازے پر ہی ماہرِ علوم نہ ہو تو علم رسولؐ لوگوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا رسولؐ نے اپنا علمِ غیب بھی علیؑ کو نہ دیا ہوگا۔ جب علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمائندگی کر رہے تھے اور بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب علیؑ رسولؐ خدا سے ہیں اور خود رسولؐ علیؑ سے ہیں تو علیؑ کے تمام علوم نہ صرف آنحضرتؐ کی دین ہوں گے بلکہ ان میں مرضیٔ رب بھی شامل ہوگی کیونکہ رسولؐ بغیر مرضیٔ الٰہی کوئی بات ہی نہ کرتے تھے۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ پروردگار اپنے پسندیدہ بندوں کو اپنے علمِ غیب سے مطلع کرتا ہے۔ ان تمام اسرارِ کائنات کو وہ اپنے تک کیسے محدود رکھے گا جن کا بتلانا اصلاحِ عالم

کے لئے ضروری ہواوران کی کسی وقت بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے خود یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ اللہ نے انہیں علمِ غیب عطا کیا ہے۔ تاریخ میں ہے کہ ایک باران کے خطبے کے بعد قبیلۂ کلب کے ایک شخص نے دریافت کیا:

''یاامیر المومنین! کیا خدا نے آپ کوعلمِ غیب عطا فرمایا ہے؟'' تو آپ نے ہنس کر فرمایا:

''اے برادر کلبی! جو کچھ میں نے کہا ہے یہ علمِ غیب نہیں ہے بلکہ یہ صاحبِ علم ودانش (رسولؐ خدا) سے سیکھی ہوئی باتیں ہیں اورعلمِ غیب تو قیامت کی گھڑی اوران چیزوں کے جاننے پر منحصر ہے جنہیں خداوند سبحان نے اپنے کلام میں ارشادفرمایا ہے:'' اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ و یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اوراس وقت کی جب وہ بارش نازل کرتا ہے اور جو کچھ رحم مادر میں ہے اس کا علم رکھتا ہے اور کوئی شخص اتنا بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کون سی زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔''

اس کا مطلب ہے کہ غیب کے کچھ علوم ایسے ہیں جو اللہ کسی کو منتقل نہیں کرتا باقی غیب کے علوم بھی اپنے رسولؐ کو عطا کئے اور وہ علوم رسولؐ نے علیؑ کو دیئے جو عام انسانی دائرہ اختیار سے باہر ہیں جن کو دیکھ کر لوگ علیؑ کو بھی عالم الغیب سمجھنے لگے۔

حضرت ابوسعیدؓ کا بیان ہے کہ:
''میں نے حضرت علیؑ کو منبر پر اس صورت میں دیکھا کہ پیغمبرؐ خدا کی اونی چادر اوڑھے ہوئے آنحضرتؐ کی تلوار باندھے ہوئے اور آنحضرتؐ کا عمامہ سر پر رکھے ہوئے تھے اور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ:
''اے لوگو! جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لو۔ میرے پہلو میں علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ میرے پاس علم کا خزانہ ہے۔ یہ پیغمبرؐ کا لعاب ہے۔ یہ وہ علم ہے جو رسولؐ خدا نے مجھ کو دانوں کی طرح اس طرح بھرایا ہے جس طرح پرندہ اپنے بچے کے منہ میں دانا بھراتا ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ امت ہموار ہو جائے اور میرے لئے مسند بچھائے اور میں اس پر بیٹھوں تو جس طرح میں نے اہل قرآن کے درمیان قرآن کے مطابق فیصلے دیئے ہوں تو اسی طرح اہلِ تورات کے لئے توریت سے اور اہل انجیل کے لئے انجیل سے فتویٰ دوں۔ یہاں تک کہ خداوند عالم تورات اور انجیل کو اگر گویائی بخشے تو وہ دونوں پکار اٹھیں کہ سچ کہا علیؑ نے بالکل وہی فتویٰ دیا جو خدا نے مجھ پر نازل کیا ہے اور تم تو کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا عقل سے کام نہیں لیتے۔'' (حضرت ابوسعیدؓ)

اس خطبے میں تین باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ علم کا سمندر جو رسولؐ خدا نے مجھ میں دانوں کی طرح بھرایا۔

۲۔ یہ پیغمبرؐ کا لعاب ہے۔

۳۔ علی نے وہی فتویٰ دیا جو خدا نے مجھ پر نازل کیا۔

پہلی دو باتیں تو ایسی ہیں جن کا علیؑ بار بار اظہار کرتے رہے اور اپنے علمی

کارناموں کا اعزاز خود کبھی نہیں لیا لیکن تیسری بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے بھی ان کو علوم کے عطیات ملتے رہے ورنہ وہ اتنا بڑا دعویٰ کبھی نہ کرتے کہ:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ آج سے لے کر قیامت تک جو خبر مجھ سے پوچھو گے میں بتا دوں گا۔ یا کسی ایسے گروہ کے بارے میں سوال کرو گے جس نے سو افراد کو ہدایت کی ہو اور سو افراد کو گمراہ کیا ہو، میں ان کی بھی خبر دوں گا (اور یہ بھی بتا دوں گا کہ) اس کا پکارنے والا کون ہے؟ اس کے پڑاؤ ڈالنے کا مقام کہاں ہے اور اس کے پالانوں کے اترنے کی جگہ کون سی ہے؟ ان میں کون کون قتل ہوگا اور کون کون اپنی موت آپ مرے گا۔" (نہج البلاغہ)

حضرت علیؑ نے اپنے اس دعوے کے ثبوت بھی دیئے:

جنگِ نہروان کے دوران ایک سوار نے اطلاع دی کہ خوارج نے پانی عبور کرلیا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا "ناممکن ہے" سوار نے اصرار کیا "خدا کی قسم! جب تک میں نے ان کے جھنڈوں کو اس پار پہنچتے نہیں دیکھا واپس نہیں آیا۔" آپ نے فرمایا: "وہ نہیں گزرے اور وہ کیونکر گزر سکتے ہیں" بعد میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ علیؑ نے سچ کہا تھا۔

اسی جنگ میں امیر المومنین نے فرمایا تھا کہ: "ان کی قتل گاہیں آب (نہروان) کے اس طرف ہیں۔ خدا کی قسم ان میں سے دس بھی بچنے نہ پائیں گے اور تمہارے دس آدمی بھی ہلاک نہ ہوں گے۔" (نہج البلاغہ)

بعد میں شمار کیا گیا تو حضرت علیؑ کی پیشگوئی درست نکلی۔

اصحاب کی وفات اور شہادت کی خبر دی۔ جناب میثم تمار، کمیل بن زیاد اور اپنے

غلام قنبر کے بارے میں پیشگوئیاں کیں وہ حرف بہ حرف صحیح نکلیں۔ خود اپنی شہادت کے بارے میں جو پیشن گوئی کی درست ثابت ہوئی۔ اپنے بیٹے حسینؑ سے پوچھا کہ رمضان المبارک ماہ کے کتنے روز گزر گئے تو جواب ملا کہ ''سترہ دن'' یہ سن کر امیرالمومنینؑ نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

'اسی ماہ میں میری داڑھی کو میرے سر کے خون سے وہ شخص خضاب کرے گا جو امت کا بدبخت ترین فرد ہوگا۔ قبیلہ مراد کا نامراد میری موت کا خواہاں ہے جبکہ میں اس کی بھلائی چاہتا ہوں۔'' (نہج البلاغہ)

ان پیش گوئیوں کے علاوہ بھی تاریخ میں بہت سی پیش گوئیاں درج ہیں جو بعد میں درست ثابت ہوئیں۔

علیؑ نے علومِ غیب قرآن شریف سے بھی حاصل کیے۔ قرآن پر انہیں عبور حاصل تھا۔ رسول کریمؐ نے فرمایا تھا کہ ''قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔''

قرآن اور مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں جسے علم غیب کہتے ہیں سوہ انفال آیت ۷' سورہ حجر آیت ۹۴ تا ۹۶' سورہ صف آیت ۹' سورہ قمر آیات ۴۴۔۴۵ سورہ لہب آیات ۱۔۴ وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہ غیب کی باتیں بعد میں درست ثابت ہوئیں اور علیؑ کا قرآن سے علم غیب لینا بھی غلط نہیں ہوسکتا۔

حضرت علیؑ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ:

''رسولؐ خدا اقوام کے پاس پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب اور ایک ایسا نور لائے جس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ قرآن ہے۔ اس کتاب سے پوچھو یہ خود نہ بولے گی۔ میں تمہیں اس کی طرف سے

خبر دیتا ہوں کہ اس میں مستقبل کی معلومات' ماضی کے واقعات اور تمہاری بیماری کی دوا ہے اور تمہاری باہمی تنظیم ہے۔" (تقریر ۱۵۴ نہج البلاغہ ۲/ ۶۹)

یہ مستقبل کی معلومات ہی علم غیب ہیں۔ نور الابصار صفحہ ۷۰ وارجح المطالب میں صفحہ ۲۱۳ پر درج ہے کہ "علیؑ کو علم لدنی اور علم غیب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔" (چودہ ستارے)

ویسے علیؑ اپنے علوم کے اظہار میں بہت محتاط تھے فرمایا:

"خدا کی قسم' اگر میں چاہوں تو تم میں سے ہر ایک کو بتادوں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا اور اس کے تمام احوال بیان کر دوں لیکن ڈرتا ہوں۔ میرے بارے میں تم رسولؐ کے منکر نہ ہو جاؤ (کیونکہ مجھے سب کچھ انہی سے ملا ہے۔ مگر تم واقف نہیں)۔ (خطبہ ۱۷۴۔ نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۴۶۸ پبلشر شیخ غلام علی اینڈ سنز)

امورِ غیب سے متعلق مشہور مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:

"جبکہ کرامات کا ظہور اوروں سے ہوسکتا ہے تو ان ہستیوں کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے کہ جو علم و دیانت کے لحاظ سے ممتاز اور نبوت کی نشانیوں کی آئینہ دار تھیں اور اس بزرگ اصل (رسولؐ) پر جو نظر و توجہ باری تھی وہ اس کی پاکیزہ شاخوں کے کمالات پر شاہد ہے۔ چنانچہ امور غیب کے متعلق اہل بیت کے بہت سے واقعات نقل کیے جاتے ہیں جو کسی اور طرف منسوب نہیں کیے جاسکتے۔"

علوم علیؑ کے سارے دعوے درست ہیں ان کا یہ کہنا بھی ایک حقیقت ہے کہ:

"ہمیں پہچاننا (اور اماموں کی معرفت) بہت مشکل کام ہے جسے وہ

مردِ مومن ہی حاصل کر سکتا ہے جس کے دل کو خدا نے ایمان کے لئے آزمایا ہو اور وہی ہماری احادیث کو محفوظ رکھ سکتا ہے جس کے سینے میں راز' اور عقلیں وزنی اور جان دار ہوں۔" (خطبہ ۲۳۱۔ نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۵۶۰۔ پبلشر شیخ غلام علی اینڈ سنز)

اس سے زیادہ حضرت علیؑ کے علوم کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو نہج البلاغہ پڑھیں جسے آپ "بلاغت کا راستہ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ کتاب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے خطبات' ارشادات' مکتوبات' رقعات' ملفوظات' نصائح اور پیش گویوں کا وہ مجموعہ ہے جسے قرآن کے بعد اہم ترین کتاب ہونے کا درجہ حاصل ہے جسے سید رضی نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں جمع کیا تھا۔

حضرت علیؑ عالم الغیب اس طرح تھے کہ ان کی غیب کی باتیں قرآن فہمی اور عطیاتِ رسولؐ کا نتیجہ تھیں۔

❁❁❁❁

مشکل کشائی

ذہنی رجحان اور انداز فکر کے لامتناہی تضادات نے مشکل کشائی کا مفہوم سمجھنے میں قدرے دشواری پیدا کر رکھی ہے ورنہ ہر صحیح العقل انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ خداوند عالم تو ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے لیکن ہم اپنے نقص اور مادیت کی انتہائی پستیوں میں رہ کر براہ راست اس کی بارگاہِ عظمت و جلالت کا قرب ہوتے ہوئے اس کے فیوض و برکات حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ خدا نہ ہم سے دوبدو گفتگو کر سکتا ہے اور نہ خود کوئی کام کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی شان احدیت و یکتائی میں ممکن نہیں۔ اسی لئے وہ ہمارے اور اپنی احدیت کے درمیان وسیلہ قائم کرتا ہے۔ اس وسیلہ کو حجۃ اللہ یعنی نبی یا امام کہا جاتا ہے جنہیں منتخب بھی خود خدا کرتا ہے۔ وہ جو بھی تعلیم، ہدایت یا مخلوق کی مشکلات دور کرنا چاہتا ہے انہی نبی یا امام جیسے سُفرا کے ذریعہ کرتا ہے۔ سُفرا میں رسولِ خدا اور ان کے اہل بیت ہیں جن کا تعارف اس نے قرآن کی آیات میں بھی کرا دیا ہے۔ یہ ذواتِ مقدسہ کسی کو کچھ عطا کریں یا ان کی مشکلات دور کریں تو وہ مشکل کشائی منجانب اللہ ہی ہوگی۔

"وسخر لکم مافی السموات و مافی الارض و سخر لکم اللیل و النھار و الشمس و القمر و النجوم مسخرات بامر۔"

یعنی (اے حضرات) خداوند عالم نے تمہاری اطاعت میں دے دی ہیں آسمانی اورارضی تمام اشیاء اور شب و روز اور آفتاب و ماہتاب بھی تمہاری اطاعت میں دے دیئے ہیں اور ستارے بھی بامر خدا مسخر ہیں۔"

اگر تسخیر کے حقیقی معنی "انقیادِ تام اور اطاعتِ کلی" کا مطالعہ کرنا ہو تو اس آیت کے مصداقِ کامل محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام ہیں کیونکہ تسخیر حقیقی ان ہی ذواتِ مقدسہ کے لئے ثابت ہے۔ رجعتِ شمس سے تبدیلیٔ لیل و نہار، انشقاق قمر اور ستاروں کا نزول، ان کے گھر اترنے والے ستاروں کی قسم، یہ سب امور اسی گھرانے کے لئے مخصوص ہیں۔ (حقائق الوسائط جلد اول صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳)

جیسا کہ پہلے بھی حوالوں کے ساتھ درج ہو چکا ہے کہ حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدا سے دعا کا نتیجہ ہیں جنہیں وہ اپنا ناصر و مددگار اور قوتِ بازو بنانا چاہتے تھے اور تاریخ شاہد ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت تک نہ اعلانِ رسالت کیا اور نہ کافروں کے خلاف کوئی جہاد کیا۔ علیؑ پیدا ہوئے تو مشکل کشا بن کر اور آپ دیکھیں کہ دعوتِ عشیرہ میں رسول کفار کے مجمع میں دعوت اسلام دینے کے سلسلے میں مدد کے طلب گار ہیں، ہر طرف خاموشی ہے لیکن علیؑ کمسنی کے باوجود لبیک کہتے ہیں۔ دشمنوں میں گھرے ہوئے رسولؐ کے بستر پر علیؑ سو جاتے ہیں کہ اپنی جان جائے رسولؐ محفوظ رہیں، مشکل کشائی کی سخت ترین منزل ہے۔

جنگِ احد کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا "میرے پدر

بزرگوار نے کہ جب روزِ احد لوگ رسولِ مقبولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو سب سے پہلے واپس آنے والوں میں میں تھا۔'' (۱)

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ''شروع میں جب کہ سپاہ اسلام بھاگ گئی سوائے علیؑ کے اور کوئی شخص جنابِ رسولِ خداؐ کے پاس نہیں رہ گیا تھا۔'' حضرت علیؑ محوِ جہاد تھے اور تحفظِ رسالت بھی کر رہے تھے۔ (۲)

جنگِ خندق میں عمر ابن عبدود کی للکار سے سب خاموش تھے، علیؑ نے کل کفر کا سر کاٹ کر کل ایمان کی سند حاصل کی۔ جنگِ خیبر کا تجزیہ کریں۔ جب تمام افواج مایوس ہو کر واپس آئیں اور علیؑ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں۔ تاریخ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو پکارا وہ اس وقت مدینہ میں تھے۔ معاً علیؑ مدینے سے چل دیئے۔ تھوڑے وقفہ سے حضورؐ نے پھر آواز دی کہ کہاں ہیں علیؑ ابن ابی طالب۔ سب نے دیکھا کہ علیؑ پہنچ گئے۔ درِ خیبر اکھاڑ کر فتح خیبر میں مشکل کشا ثابت ہوئے۔

''مدینہ المعاجز علامہ بحرانی ص ۹۲'' کے حوالہ سے ایک طویل حدیث جنگِ تبوک سے تعلق رکھتی ہے جبکہ آنحضرتؐ امیر المومنین علیہ السلام کو مدینہ میں مامور فرما گئے تھے اور تنہا جنگِ تبوک میں تشریف لے گئے تھے۔۔۔۔۔ جنگِ تبوک میں آنحضرتؐ کا لشکر ختم ہو گیا اور آپ سے جدا ہو گیا تو جبرائیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ خداوند عالم نے آپ کو تحفۂ درود و سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر لشکر آپؐ کو چھوڑ گیا ہے تو آپؐ اگر چاہیں تو علیؑ کو پکار لیں وہ فوراً

۱۔ علامہ حاکم: مستدرک علی الصحیحین، الجز الثالث و کتاب المغازی صفحہ ۲۶۔۲۷، امام احمد بن حنبل، شاہ ولی اللہ، تاریخ طبری وغیرہم نے بھی اس روایت کی مکمل تائید کی ہے۔ (حیدر کرار۔ الحاج نذر حسین شاہ)

۲۔ ''چودہ ستارے'' سید نجم الحسن قبلہ صفحہ ۶۷۔

پہنچیں گے یا آپؐ چاہیں تو میں ملائکہ کو آپؐ کی نصرت کے لئے بھیج دوں۔ آنحضرتؐ نے علی علیہ السلام کو پکارنا پسند فرمایا۔ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا آپ اپنا رخ مدینہ کی طرف کیجئے اور نادیا اباالغیث ادرکنی یاعلی ادرکنی یاعلی۔ یعنی پکاریئے ''اے ابوالغیث میری مدد کو پہنچو، یا علی مدد کو پہنچو، یا علیؑ میری مدد کو پہنچو۔'' چنانچہ آنحضرتؐ نے پکارا اور حضرت علیؑ فوراً پہنچ گئے۔''(۱)

رحلتِ رسولؐ کے بعد ادوارِ خلفاءؓ میں ۲۵ سال مدینے میں رہ کر ''آپؑ نے حفاظتِ دین اور استحقاقِ خلافتِ مسلمین کے درمیان ایک راستہ نکالا اور جب بھی اسلام کو خطرہ میں دیکھا اور دشمنوں کے خطرہ کو دفع کرنے کے لئے مدد کی ضرورت محسوس کی حکومت کے ساتھ مسالمت آمیز رویہ اختیار کیا اور اس کی مشکل کشائی کرتے رہے تا کہ امت محفوظ رہے۔ دین تباہ نہ ہونے پائے، واجبِ شرعی و عقلی ادا ہو جائے اور دنیا آخرت پر مقدم نہ ہونے پائے۔''(۲)

خود اپنی خلافت میں راہ چلتے مشکل کشائی سے منہ نہ موڑا۔ حضرت علیؑ شہیدِ راہ حق تھے۔ شہید مرا نہیں کرتے اور اللہ کے نمائندے ہیں تو آج بھی علیؑ کی مشکل کشائی عام ہے۔ صرف خلوص سے پکارنے کی ضرورت ہے۔

پچھلے اوراق میں غیر مسلموں کے خواب میں رسولِؐ خدا اور حضرت علیؑ کے آنے اور ان کی مدد کرنے کے احوال پڑھ چکے ہیں۔ خود میری داہنی آنکھ کا آپریشن ہوا جو ناکامیاب تھا۔ ہاشمانی جیسے سرجن نے بھی جواب دے دیا۔ زیارات پر گیا، محمدؐ و آلِ محمدؐ کو پکارا آنکھ ٹھیک ہو گئی۔ واپسی پر ڈاکٹر ہاشمانی حیران تھا۔

۱۔ حقائق الوسائط جلد اول، علامہ بشیر انصاری، صفحہ ۲۲۸

۲۔ المراجعات سید شرف الدین آملی۔ ص ۳۲۲۔۳۲۴ ''نظریہ عدالت صحابہ، استاذ احمد حسین یعقوب ص ۳۶۱

میری بیوی نے دونوں عظیم ہستیوں کو خواب میں دیکھا اور وہ اس طرح کہ یکم جون ۱۹۷۸ء کو ہمارا جواں سال فرزند فلائنگ آفیسر سہیل منظر ایک حادثہ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ اس کی ماں پر جو کوہِ گراں گرا وہ بیان سے باہر ہے۔ اسی حالت میں انہوں نے ایک رات خواب دیکھا کہ وہ سہیل کو ڈھونڈھتی پھر رہی ہیں کہ کسی نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ سہیل سامنے والے کمرے میں ہے اور وہ کمرے کی طرف گئیں، اب انہی کے الفاظ ہیں کہ "میں کمرے تک گئی سیاہ عبا قبا پہنے بہت سے بچے لیکچر سن رہے ہیں اور دوسری صف میں سہیل بھی موجود ہیں۔ معاً خیال ہوا کہ حضرت علیؑ سیاہ عبا قبا پہنے درس دے رہے ہیں اور وہ نورانی شکل مجھے آج تک یاد ہے۔ عمارت سرخ رنگ کی بہت بڑی اور شاندار تھی۔ اسی شخص نے رہبری کی تھی کہ دوسرے کمرے میں پنجتن پاک بھی ہیں۔ میں ادھر گئی لیکن مجھے کچھ نظر نہ آیا۔"

۱۹۸۱ء میں ہم لوگ حج کرنے گئے وہاں بیگم سخت علیل ہوئیں۔ ان کا بیان ہے کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جبلِ رحمت پر پڑی دم توڑ رہی ہوں اور دعا کر رہی ہوں کہ مجھے مکہ میں موت نہ آئے کہ دو بزرگ ہستیاں سامنے آئیں۔ رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ۔ حضرت علیؑ کو تو دیکھتے ہی میں نے کہا کہ آپ کو تو میں پہچانتی ہوں۔ آپ میرے آقا و مولا علیؑ ہیں۔ دوسرے ضرور رسولؐ خدا ہوں گے۔ میں نے انہیں سے دریافت کیا کہ میری قبر کہاں ہے۔ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے فرمایا کہ تمہارا بیٹا سہیل وادئ سلام میں ہے اور تمہاری قبر بھی وہیں ہے۔"

ایسی پاکیزہ ہستیاں خواب میں آتی ہیں تو وہ جھوٹے خواب نہیں ہو سکتے۔ ان کا خواب میں آنا غم اور پریشانی کا مداوا تھا۔ اس کا اثر ہے کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

یہ سب ہم انسانوں کے بیانات و تجربات ہیں جو خطا و نسیان کے مرکب ہیں۔

پنجتن پاک جن میں حضرت علیؑ شامل ہیں یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ وحسینؑ کے نام سے تو نبیوں کو امداد ملی جبکہ پنجتن اس وقت عالمِ خاکی میں بھی نہ آئے تھے۔

۱۔ پنجتن کے نام سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی:

(قرآن کے پ ا۔ ع ۴۔ آیت ۳۷) میں ہے کہ ''**فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ**'' یعنی آدمؑ نے اپنے پروردگار سے چند الفاظ سیکھ لئے پس خدا نے (ان الفاظ کی برکت سے) ان کی توبہ قبول کرلی۔

بیشتر علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ کلمات جن کی تعلیم حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئی اور انہوں نے اس کے ذریعہ سے توبہ کی اور توبہ قبول ہوگئی' وہ پنجتن پاک ہی تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے کہا: اے آدم تم اس طرح دعا کرو۔ ''خدایا میں محمدؐ و آل محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ میری توبہ قبول کرلے''۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ سے پوچھا کہ آیت میں جن کلمات کا ذکر ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ انہوں نے محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے واسطے سے سوال کیا تھا اور خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی (۱)

۲۔ حضرت نوحؑ نے انہی پانچ مقدس ناموں کے واسطے سے اللہ سے مدد طلب کی:

کشتی نوحؑ کوئی عام کشتی نہ تھی۔ خدا کے حکم سے بنائی گئی تھی جو دریا کی کوہ پیکر موجوں میں صحیح سالم رہ سکے اور نابود نہ ہو۔ مفسرین کی بعض روایات کے مطابق ''کشتی

۱۔ تفسیر درمنثور۔ ج ۱ ص ۶۱۔ کنزل العمال ج ۱ ص ۲۳۴' ینابیع المودۃ۔ ص ۹۷' تفسیر کشاف' تفسیر ثعلبی' مجمع البحرین ص ۱۲۹ طبع پٹنہ'' بحار الانوار'' حصہ اول' علامہ محمد باقر مجلسی صفحہ ۸۵'' صحیفہ معرفت'' صفحہ ۳۴۔

کا طول ایک ہزار دوسو ذراغ اور عرض چھ سو ذراغ تھا۔ (ایک ذراغ کی لمبائی تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہے)۔'' وادی قاف میں اس کے کچھ ٹکڑے ملے۔

❁❁❁❁

عکس لوح چوبی سفینہ حضرت نوح علیہ السلام

اللھم صلی علیٰ محمد وآلِ محمد

۱۹۵۱ء کی جولائی میں روسی ماہرین کی ایک ٹولی وادی قاف میں دیکھ بھال کررہی تھی۔ غالباً کسی نئی کان کی تلاش میں مصروف تھی کہ ایک مقام پراسے ایک لکڑی کے چند بوسیدہ سے ٹکڑے نظر آئے۔ گروپ آفیسر نے اس جگہ کو کریدنا شروع کیا۔ تو معلوم ہوا کہ بہت سی لکڑیاں سنگلاخ زمین میں دبی ہوئی ہیں۔ ماہرین نے چند سطحی علامات سے اندازہ کیا کہ یہ لکڑیاں کوئی غیر معمولی اور پوشیدہ راز اپنے اندر رکھتی ہیں۔ انہوں نے اس مقام کی کھدائی نہایت توجہ سے کرائی۔ بہت سی لکڑیاں اور کچھ دیگر اہم اشیاء برآمد ہوئیں۔ لکڑی کی ایک مستطیل تعویذ نما تختی بھی دستیاب ہوئی مگر ماہرین یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ باقی لکڑیاں تو مرورِایام سے بوسیدگی و کہنگی اختیار کرچکی ہیں لیکن ۱۴ انچ طول اور ۱۰ انچ عرض رکھنے والی یہ تختی امتدادی تغیرات سے محفوظ ہے اور خفیف ارضی اثرات قبول کرنے کے سوااس میں خستگی پیدا نہیں ہوئی۔ ۱۹۵۲ء کے آخر میں ماہرین نے اپنی تحقیقات کو لباس تکمیل پہنا کر یہ انکشاف کیا کہ مذکورہ لکڑی حضرت نوح علیہ السلام کی اس معروف عالم کشتی سے تعلق رکھتی ہے جو کوہ قاف کی ایک

چوٹی جودی (۱) پرآ کر ٹھہری تھی اور یہ تختی بھی جس پر کسی قدیم ترین زبان میں چند حروف کندہ ہیں اس کشتی میں لگی ہوئی تھی۔

جب یہ تحقیق ہو چکی کہ قاف سے برآمد ہونے والی لکڑیاں واقعی کشتی نوح علیہ السلام کی ہیں تو اب یہ امر تشنۂ تدقیق رہ گیا کہ پراسرار چوبی تختی اور اس پر لکھے ہوئے حروف کی کیا حقیقت ہے۔ روس کی سوویت حکومت کے زیر اہتمام اس کے ریسرچنگ ڈیپارٹمنٹ نے مذکورہ تختی کی تحقیق کے لئے ماہرین آثار کا ایک بورڈ قائم کیا جس نے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء میں اپنا کام شروع کردیا۔ اس بورڈ کے اراکین مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) سولے نوف...... پروفیسر ماسکو یونیورسٹی شعبہ لسانیات۔

(۲) ایفاہان خینو...... ماہر السنہ قدیمہ۔ لولوہان کالج جائنا۔

(۳) میشائن۔ لو...... فارنگ افسر اعلیٰ آثار قدیمہ۔

(۴) تانمول گورف...... استاد لسانیات کبفز و کالج۔

۱۔ زمانہ نوحؑ میں اور اس کے بعد چند ازمنہ میں جو زبانیں رائج تھیں ان کو سامی یا سامانی زبانیں کہا جاتا ہے۔ چنانچہ عبرانی، سریانی، قیمانی، قبطی، عربی وغیرہ سامانی ہی کی شاخیں ہیں۔ جناب آدم ثانی نوح علیہ السلام کی اولادیں اور ان کے رفقا کی نسلیں جہاں جہاں آباد ہوئیں وہاں نئی زبانوں نے معمولی تصرف وتکلف کے ساتھ نیا روپ دھارا اور ترقی کرتے کرتے کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔ مورخین اور محققین نے یہاں تک دریافت کیا ہے کہ ترکی، ایرانی، ژندی، پارژندی وغیرہ بھی سامانی سے ہی مخرج ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ عربی اور سنسکرت کو قدیم ترین زبانیں ہونے کا دعویٰ ہے اور ادھر برطانوی ماہرین انگریزی بان کو (Head of the Langugages) زبانوں کی ماں کہہ رہے ہیں۔ بہر کیف قدیم سامانی اکثر زبانوں کا منبع ومصدر ہے اور اس رسم الخط میں تبدیل ہو کر عجیب وغریب شکلیں اختیار کرتا رہا۔

(۵) ڈی راکن...... ماہر آثار قدیمہ، پروفیسر لائنین انسٹی ٹیوٹ
(۶) ایم احمد کولاڈ...... ناظم زنکومن ریسرچ ایسوسی ایشن
(۷) میجر کولٹوف...... نگران دفتر تحقیقات متعلقہ اسٹالین کالج۔

چنانچہ ساتوں ماہرین نے اپنی تحقیقات پر پورے آٹھ مہینے صرف کرنے کے بعد پراسرار تختی سے متعلق یہ انکشاف کیا کہ جس لکڑی سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تیار ہوئی تھی، اسی لکڑی سے یہ تختی بھی بنائی گئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو اپنی کشتی میں تبرک و تقدیس کے طور پر حصولِ امن و عافیت اور ازدیادِ برکت و رحمت کے لئے لگایا تھا۔

موصوف تختی کی درمیان ایک پنجہ نما تصویر ہے جس پر قدیم سامانی زبان میں ایک مختصر سی عبارت اور کچھ متبرک نام مرقوم ہیں جن کی شکل وصورت یہ ہے:

لوح المقدس الخشب يتعلق بفلك النوح

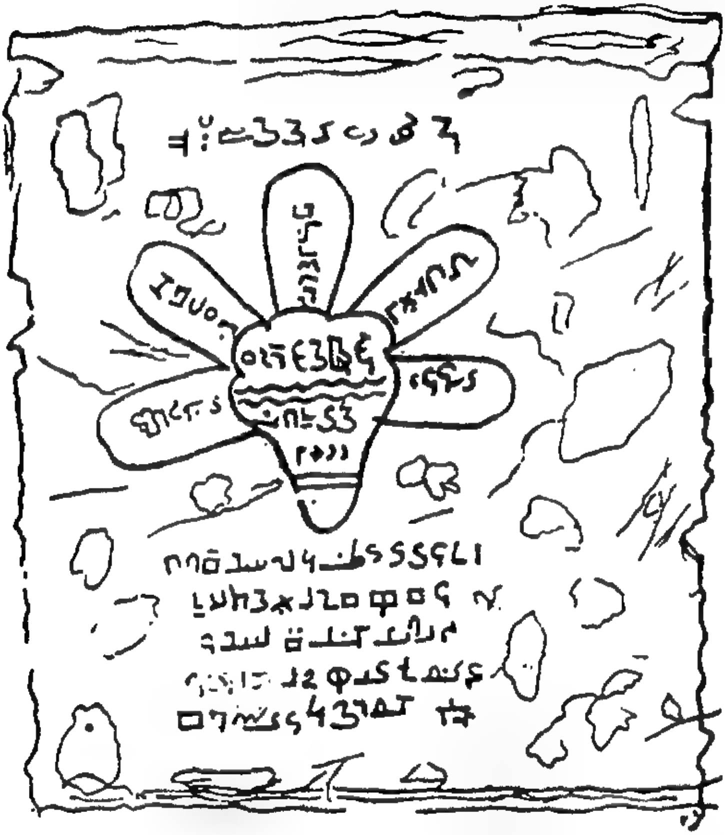

کشتیِ نوح کی مقدس لوح کی یہ نقل شدہ کاپی "العدل" قاہرہ بابت ۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء سے نقل
کی گئی۔ بحوالہ ... ۔ مذکورہ اخبار میں روسی انجنیئر کا ... ۲۰ اکتوبر سن ۱۹۵۳ء
مدینہ ہفت روزہ ۲۱،۲۲ شمارہ بابت دسمبر ۱۹۵۳ء کو ... جہاں سے یہ تصویر حاصل کی۔

روسی ماہرین نے ان حروف کو آٹھ ماہ کی مغز ماری اور دماغی کاوش سے بمشکل تمام پڑھا اور ان کے تلفظ (دیکھیے) کو روسی زبان میں یوں منتقل کیا[۲]

AOFNAT. EEXĀTAM	الفتاہ ایتاجسم	(اوپر کے حروف)
bIKXOEAK	ای قل بیدہ	(نیچے کے دو سطر)
ФÖPEAQOH	فوریکین	
3YЩ	زی شنو	
MOTAMEΔA	محا	(نیچے کے دائیں جانب)
AEXbIAT	ابیا	
ЧOOPA	شترا	
ЧOObIPA	شتیرا	
ФADEM	فسلم	
ГCEÖMAOÜNAФECÖ	خیتو مابیان فیقو	(نچلے حروف)

---

[۱] ماہنامہ TAФAIIEH3ÖO (ماسکو) بابت ماہ نومبر ۱۹۶۷ء اخبار "WESKLY MIRROR" ۲۸ دسمبر ۱۹۶۵ء لندن۔ روزنامہ "الهدیٰ" قاہرہ ۲۱ مارچ ۱۹۶۵ء۔

[۲] روسی رسم الخط کے قریباً ۱۸ حروف انگریزی حروف سے جداگانہ ہیں اور وہ یہ ہیں

Ж (J) T (K) bI (I) Л (L) H (N) O (B) IC (C) Δ (D) Ф (F)

Ö (O) П (P) P (R) b (T) B (V) 3 (Z) Ч (SH) G (S)

AOTCAZAbIMA3UHET اہلیس نارنار

TJTAJTAbbIYOP قتل یا پار

HETbAPÜBbITA Ч بجز وہ ماش

KÖOAE AEECŌJTM اکاؤنڈیزلم

مسٹر ایچ۔ ایف۔ ساکس ماہر لسانیات قدیمہ برطانیہ (مانچسٹر انگلینڈ) نے مندرجہ ذیل الفاظ کا انگریزی میں ترجمہ یوں کیا ہے :-

O my God my Helper — اے میرے خدا میرے مددگار!

Keep my hands with mercy — اپنے رحم وکرم سے میرا ہاتھ پکڑ

And with your Holy Bodies — اور اپنے مقدس نفوس کے طفیل

Muhammad — محمدؐ

Alia. — ایلیاؑ

Shabbar — شبرؑ

Shabbir — شبیرؑ

Fatima — فاطمہؑ

They are all Biggests and Honourables — یہ تمام عظیم ترین اور واجب الاحترام ہیں۔

The world established for — تمام دنیا ان ہی کیلئے قائم کی

(۱) ماہنامہ "اسٹار آف برٹی نے نیا" ماہ جنوری ۱۹۵۴ء مطبوعہ لندن۔ اخبار "سن لائٹ" مانچسٹر ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء۔ اخبار ویکلی مرر لندن۔ یکم فروری ۱۹۵۴ء لندن۔

The world Established for them. Help me by their names. You can reform to Right.

تمام دنیا ان ہی کے لئے قائم کی گئی۔ ان کے ناموں کی بدولت میری مدد کر۔ تو ہی سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

القصہ جب یہ عبارت منظر عام پر آئی تو ملاحدہ و زنادقہ اور کفار اور منکرین کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں شدید حیرت میں مبتلا اس بات نے کیا کہ کشتی کی تمام لکڑیاں خوردہ و بوسیدہ حالت میں برآمد ہوئیں مگر نفوسِ قدسیہ خمسہ کے اسمائے پاک والی یہ تختی ہزار ہا سال گزرنے پر بھی بالکل محفوظ رہی اور تغیرات ازمنہ اس کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔ یہ تختی روس کے مرکز آثارِ قدیمہ و تحقیقات (ماسکو) میں حفاظت سے رکھی ہوئی ہے۔ (ماخذ: کتاب "ایلیا" مرتبہ حکیم سید محمود گیلانی مندرجہ "صحیفہ معرفت" صفحہ ۲۶۰ تا ۲۶۶)

۳۔ حضرت سلیمانؑ نے انہی پانچ پاک ناموں کے وسیلے سے فریاد کی:

عکس لوح نقرئی حضرت سلیمانؑ

اللھم صلی علیٰ محمد و آلِ محمد

۱۹۱۶ء کی بات ہے پہلی جنگ عظیم کا خوفناک شباب خدا تعالیٰ کے قہر و عذاب کے بھیس میں دنیا والوں پر قیامت ڈھا رہا تھا۔ بیت المقدس سے چند میل دور فوجی دستے یلغار کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ اونترہ نامی ایک چھوٹے سے گاؤں کے ٹیلے سے اندھیری رات میں عجیب سی چمک نکلتی دکھائی دی۔ ایک فوجی دستہ جو اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ یہ نرالی قسم کی چمک دیکھ کر ٹھہر گیا۔ چند سپاہی اس روشنی ک

طرف بڑھے۔ جب وہ نزدیک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خاک وسنگ کا ایک تودہ امتدادِ زمانہ سے شق ہو چکا ہے اور اس کی دراڑوں میں سے حیرت ناک روشنی نکل کر ہر راہ گیر کو مشتاق نظارہ بنا رہی ہے۔ سپاہیوں نے اس مقام کو کھودنا شروع کیا تو چار گز کی گہرائی میں چاندی کی ایک مرصع لوح نظر آئی۔ جس سے روشنی کی سفید شعاعیں پھوٹ کر تحیر و استعجاب میں مبتلا کر رہی ہیں۔ انہوں نے اس نقرئی لوح کو جو پون گز لمبی نصف گز چوڑی تھی باہر نکالا تو روشن شعاعوں کا اخراج تو بند ہو گیا۔ انقطاع نور کے اس واقعہ نے متحیر انسانوں کو اور بھی انگلیاں چبانے پر مجبور کر دیا۔ ایک طرف بیش قیمت لوح کے حصول پر وہ شاداں و فرحاں بھی دکھائی دیتے تھے۔ دوسری طرف اس کی روشنی یکا یک منقطع ہو جانے سے خوف و دہشت بھی مسلط تھی۔ آخر وہ لوح کو لے کر اپنے افسر اعلیٰ کے پاس پہنچے۔ یہ انگریزی فوجی افسر میجر اے این گرینڈل تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں لوح کو دیکھا تو مبہوت رہ گیا۔ اس کا حاشیہ گراں بہا جواہرات سے مرصع تھا اور درمیان میں طلائی حروف تھے جو کسی قدیم اجنبی زبان کے معلوم ہوتے تھے۔ میجر کو حروف کی شناخت تو نہ ہو سکی لیکن اس کو یہ علم ضرور ہو گیا کہ لوح کوئی معمولی چیز نہیں اپنے اندر کوئی بہت بڑی فضیلت و اہمیت اور تقدیس و تحریم رکھتی ہے۔

میجر گرینڈل کی سعی و وساطت سے لوح موصوف دست بدست منزلیں طے کرتی ہوئی پایانِ کار افسر انچارج افواج برطانیہ لیفٹننٹ جنرل ڈی۔ اور۔ گلیڈسٹون کے ہاتھ میں پہنچی۔ جس نے اس کو برطانوی ماہرین آثار قدیمہ کے سپرد کر دیا۔

❁❁❁❁

SILVER PLATE OF SULEMAN.

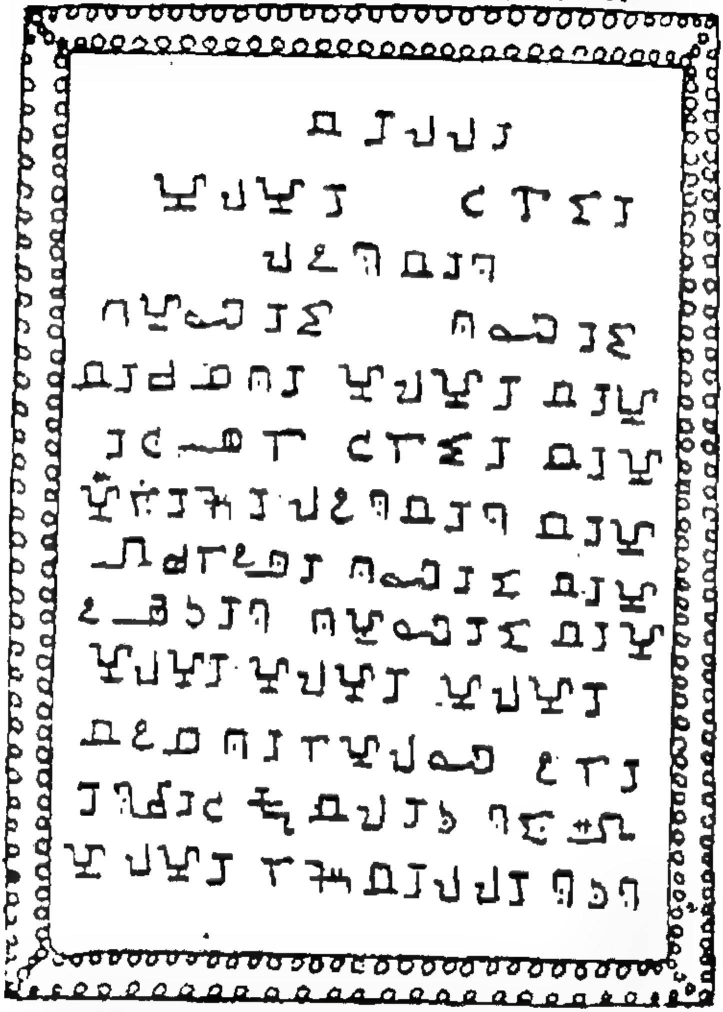

[illegible] —— [illegible]

[illegible] 'Wonderfull show of [illegible]'

جنگ عظیم کے خاتمہ پر ۱۹۱۸ء میں اس لوح سے متعلق تحقیق و تدقیق کا یوں آغاز کیا گیا کہ السنہ قدیمہ کے ماہرین خصوصی کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس میں برطانیہ۔ امریکہ۔ فرانس اور بعض دوسرے یورپی ممالک کے Experts of old languages - نے شمولیت کی۔

کئی ماہ کی دیدہ ریزی دماغ سوزی کاوش شدیدہ اور محنت شاقہ کے بعد آخر یہ راز کھلا کہ یہ ایک مقدس لوح ہے۔ جو لوح سلیمانی کہلاتی ہے۔ اور اس پر جو الفاظ منقش ہیں وہ قدیم عبرانی زبان کے ہیں جو زبور اور غزل الغزلات میں استعمال ہوتے تھے۔

ماہرین کی مساعی بار آور ہوئیں اور ۲۱ جنوری ۱۹۲۰ء کی صبح کو وہ اس صدیوں کے سربستہ اور راز مکتوم کو منکشف کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

لوح مقدس کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں:-

(دائیں سے بائیں پڑھئے)

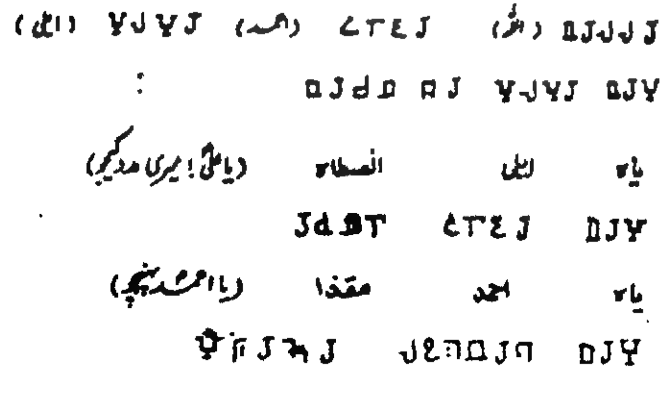

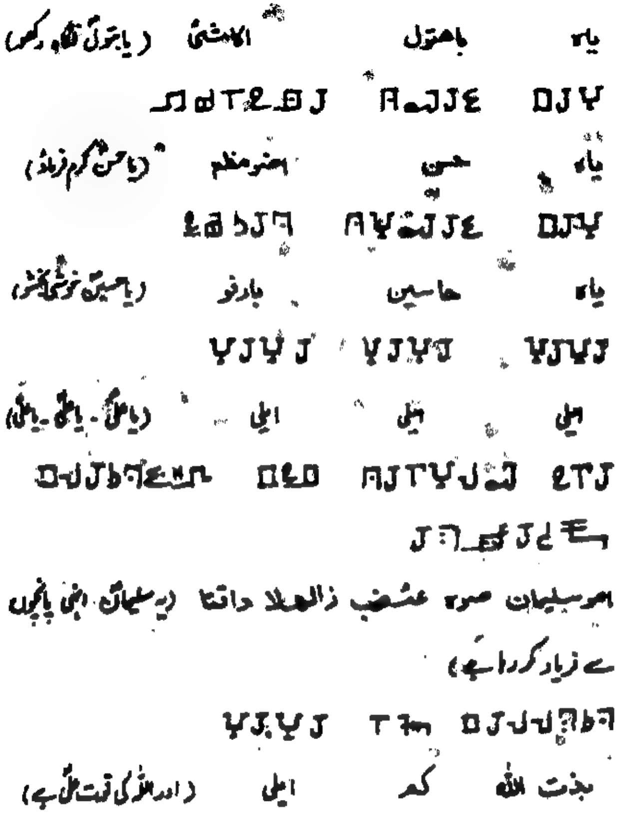

لو جناب! چاندی کی لوح کے الفاظ کا محقق ہونا اور ماہرین کی تحقیقات کا پایۂ تکمیل کو پہنچنا تھا کہ احمدؐ اور علیؑ اور بتولؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے اسمائے مبارک پڑھ کر ارکان کمیٹی کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک نے دوسرے کو دیکھا اور دوسرے نے تیسرے کی طرف چشم حیرت پھیری۔ اور فیصلہ یہ ہوا کہ اس پاک لوح کو برٹش امپریل میوزیم (شاہی عجائب خانہ

برطانیہ) کی زینت بنایا جائے۔ لیکن جونہی انگلستان کے اسقف اعظم لاٹ پادری LORD BISHOP کے پردہ گوش سے یہ خبر ٹکرائی اور اس کو تحقیقات کی تفصیل معلوم ہوئی تو اس کے پاؤں تلے کی زمین سرک گئی اور کیم مارچ ۱۹۲۳ء کو ایک خفیہ حکم نامہ تحریر کیا۔ جس کا ملخص یہ ہے کہ ــــــ اگر اس لوح کو کسی میوزیم یا کسی ایسے مقام پر رکھا گیا۔ جہاں عوام و خواص کی آمد و رفت رہتی ہو۔ تو مسیحیت کی بنیادیں متزلزل ہوجائیں گی اور عیسائیت کا جنازہ خود ان کے کندھوں پر اٹھ جائیگا۔ لہذا بہتر

نوٹ:۔ دوسری زبانوں کی طرح عبرانی میں بھی ہر زمانہ میں تبدیلیاں ہوتی رہیں اور اس کے حروف میں بھی رد و بدل کیا جاتا رہا۔ حضرت سلیمانؑ کے دور کی جس عبرانی عبارت کو بیان کردہ نقرئی لوح مقدس سے لیا گیا ہے۔ اس کے حروف ہجی بقول محققین السنہ قدیمہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

لیکن مروجہ عبرانی کے حروف ابجد بائیں طرف سے دائیں کو لکھے جاتے ہیں۔ جن کی اشکال یہ ہیں:۔

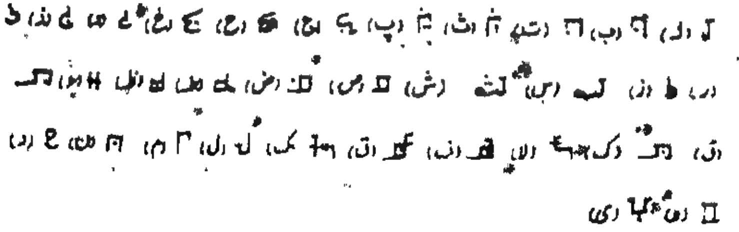

یہ ہے کہ اس Secret church Room (کلیسائے فرنگ کا خفیہ مخصوص کمرہ) میں رکھا جائے۔ جہاں اسقف اور اس کے رازداروں کے سوا کسی کی نگاہ ہی نہ پڑ سکے۔ چنانچہ جب سے آج تک یہ لوح اسی مخصوص کمرہ میں پانچ نفوس مطہرہ کا نور پھیلا رہی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ ونڈر فل اسٹوریز آف اسلام مصنفہ کرنل پی۔ سی۔ ا سپلے لنڈن صفحہ ۲۴۹۔

۲۔ رسالہ تحقیقات غریبہ مولفہ ابو حسن شیرازی صفحہ ۲۱ تا ۲۴۔

لیکن مروجہ عبرانی کے حروف ابجد بائیں سے دائیں کر لکھے جاتے ہیں :۔ جن کے اشکال یہ ہیں ۔

(ج ۔ گ ۔ غ ۔ گھ ۔ جھ) J (ب ۔ بھ)] (الف ۔ ا) N (ز ۔ ض ۔ ظ) T (د) f (ہ) M

(د ۔ دھ) ל (ط) M (ی ۔ ے ۔ ئ) 7 (ط) ट (ح) M (م) bb (ل) ٤

(ک ۔ کھ ۔ خ)] ٦ (ف ۔ پ ۔ پھ) ٦ ٤ (ع) Y (ق) ٧ (ص) ٣٢ (ش) (ر)

ملاحظہ ہو :۔

(۱) دی بک آف لینگوایجز مصنفہ کامل مارٹ صفحہ ۸۹

(۲) تاریخ السنۃ مطبوعہ دمشق مصنفہ عامر صفحہ ۴۱

(۳) اللسان قاہرہ صفحہ ۵۳

(ماخذ : کتاب "ایلیا" مرتبہ حکیم سید محمود گیلانی)

مرثیہ امام شافعی

و مما نفی نومی و شیب لمتی
تصاریف ایام لهن خطوب

''جس نے میری نیند کھو دی اور میرے بالوں کو سفید کر دیا وہ زمانہ کی گردشیں ہیں جنہیں شدائد ہیں۔''

تاوّب همّی و الفوادُ کئیبُ
وارق عینی و الرّقادُ غریبُ

''میرا غم پھر آیا اور دل غمگین ہے جس نے میری آنکھوں کو بیدار کر دیا ہے اور نیند نایاب ہو گئی۔''

تزلزت الدنیا لآل محمدؐ.''
و کادت لهم صم الجبال تذوب

''دنیا آلِ محمدؐ کی وجہ سے زلزلہ میں آ گئی اور قریب ہے کہ بڑے بڑے سخت پہاڑ پگھل جائیں۔''

لئن کان ذنب حبُّ آل محمدٍ

فذلک ذنب لستُ منه اتوبُ

''اگر آلِ محمدؐ سے محبت رکھنا گناہ ہے تو ایسا گناہ ہے جس سے میں توبہ نہ کروں گا۔''

هم شفعائی یوم حشری و موقفی

وجهم للشافعی ذنوب

''یہی لوگ تو میرے شفیع ہیں بروزِ حشر اور ان سے محبت رکھنا شافعی کے لئے گناہ سمجھا جاتا ہے۔'' (ماخوذ: ''صحیفہ معرفت'' صفحہ ۲۶۷)

۞۞۞۞

کاش یہ دنیا، دنیا ہوتی

کتاب اختتام تک پہنچی۔ رحلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت تک بیشتر واقعات آپ کی نظر سے گزرے۔ حضرت علیؑ کے بارے میں قرآنی آیات، رسولؐ خدا کے ارشادات، خلفائے ثلاثہ، مفکرین اسلام اور دیگر محققین کے بیانات بھی پڑھے ان سے علیؑ کے انسانِ کامل ہونے کی تصدیق ہونے کے باوجود بیان میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ علیؑ نے بادِ مخالف کے تند و تیز جھکڑوں میں شمع دین و اسلام کو روشن رکھتے ہوئے انسانی زندگی کو خوشگوار و پاکیزہ بنانے میں جو غیر معمولی صلاحیتوں کی تصویر کشی کی ہے انہیں کوئی مورخ، کوئی مولف کتنا ہی شرح و بساط دے وہ ان کا محاطہ نہیں کر سکتا اور ان میں، میں بھی شامل ہوں۔ میری خواہش تھی کہ میں وہ کچھ لکھوں جس میں علیؑ کے کارناموں کو سمجھ کر علیؑ شناسی کے ساتھ ایسے معاشرہ کی تشکیل ہو جس کا ہر فرد بلا امتیازِ مذہب و ملت، خالقِ حقیقی کے وجود، اس کی قدرت کاملہ، اس کی وحدانیت اور اس کے حبیب بندوں رسولؐ اور آلِ رسولؐ پر صدقِ دل سے یقین رکھے

اور جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کا نہ صرف نظریاتی بلکہ عملی طور پر محافظ ہو ذہنوں میں ان سب سے دلچسپی پیدا ہو جس کے سہارے اعلیٰ انسانی صفات، جمالیاتی اور ثقافتی شعور اور قائدانہ صلاحیت پیدا ہو۔ حضرت علیؑ نے جس طرح اسرارِ ہستی اور زندگی پر فلسفیانہ نظر ڈالی ہے اور خود اس پر عمل کر کے بتلایا ہے قدرت نے انہیں جس کمالِ انسانیت اور حرارت ایمانی پر فائز کیا ہے اس تک پہنچنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میں نے متعدد حوالوں سے علیؑ کی معجزانہ شخصیت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کے ابتر حالات نے بھی معرفت علیؑ کے حصول کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا ہے۔ مسلم ہوں یا عیسائی، ملحد ہوں یا ہندو سب اپنے اپنے انداز فکر سے علیؑ کی عظمتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر بھی معجزاتِ الٰہی سمجھنا آسان نہیں۔ معجزہ اسے کہتے ہیں جو کام اس دور کے انسانوں سے ممکن نہ ہو اور الٰہی نمائندہ اسے مافوق البشر طاقت سے حل کر دے اور اسے نبی یا امام وقت اپنے حق کی دلیل کے طور پر پیش کرے۔ رب العالمین نے معجزات کو وقت کی ضرورت کے ساتھ ہی عنایت فرمایا تا کہ لوگ اپنی عاجزی کے اقرار کے ساتھ اس کی عظمت کا اعتراف کریں۔ اسی طرح رسولؐ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معجزہ، قرآن معجزہ اور علیؑ معجزہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزاتی شخصیت تو اس درجہ کمال کو پہنچی کہ اللہ نے انہیں ساتویں آسمان تک بلا کر تمام ارض وسماں کا مشاہدہ کرا دیا کہ ان سب پر ان کا تصرف ہے اور رحمت العالمین بنا دیا۔ ساتھ میں یہ خصوصیت بھی عطا کی کہ آنحضرتؐ کی تمام گفتگو تابع وحی الٰہی ہوتی۔ اس طرح رسولِ اکرمؐ ان کا کلام اور عمل معجزہ۔

عرب قوم نے اپنی فصاحت، بلاغت، طلاقت اور خطابت پر فخر کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا نزول فرمایا اور بڑے سے بڑا عالم اس کی ایک سورہ کا جواب نہ

ملا سکا۔اس لئے قرآن معجزہ۔

اللہ نے علیؑ کو اپنے گھر میں پیدا کر کے انہیں بچپنے ہی سے معجز نمائی عطا کی' جب شجاعت کے دعوے ہونے لگے تو تلوار بھیج کر ''لافتیٰ الا علیؑ'' کی سند عطا کی۔رسولؐ نے انہیں اپنے شہر علم کا دروازہ کہنے کے ساتھ جب یہ کہہ دیا کہ علیؑ ان سے ہیں اور وہ علیؑ سے ہیں' علیؑ کی معجز نمائی کی تصدیق کر دی۔علیؑ کا خانۂ خدا میں پیدا ہونا ہی کیا کم معجزہ تھا کہ خیبر میں در خیبر اکھاڑ کر علیؑ کا اسے سپر بنالینا اور پھر سلونی کا دعویٰ کرنا ان کے معجز نما ہونے کی دلیل ہے۔اس طرح علیؑ اور ان کے کام معجزہ۔

میں نے جرمنی کے ایک مشہور فلاسفر کی تحریر پڑھی ہے کہ لوگ علیؑ کے زمانے میں بہت کم عقل معلوم ہوتے ہیں۔کاش اس وقت میں ہوتا تو جب انہوں نے سلونی کا دعویٰ کیا تھا کہ ''لوگو مجھے کھونے سے پہلے پوچھ لو کہ میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمانی راہوں سے واقف ہوں۔'' (نہج البلاغہ) تو میں تو خلا کے تمام حالات معلوم کر لیتا جنہیں اتنے عرصہ بعد معلوم کرنے میں دقت' وقت اور پیسے کا ضیاع ہو رہا ہے کیونکہ علیؑ نے از خود ارضیات وفلکیات کے بارے میں جو کچھ بتلایا تھا آج حرف بہ حرف درست ثابت ہو رہا ہے۔

وہ جرمن فلاسفر مسلمان تو نہ تھا لیکن عالم ضرور تھا' اس نے تاریخی حقائق ضرور پڑھے ہوں گے کہ ''دنیا کی ترقی چاند تک پہنچا سکتی ہے' چاند کے ٹکڑے نہیں کر سکتی۔ دنیا کا علم سورج کی گردش کو ناپ سکتا ہے سورج کو پلٹا نہیں سکتا اور رسولؐ و امامؑ کو پروردگار نے یہ تمام طاقتیں عنایت کر دی ہیں اور ان کے پاس یہ ساری صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔''

رسولؐ خدا کے بعد امیر المومنین حضرت علیؑ کے سوا کوئی یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ جو چاہو

پوچھ لو۔ اس میں ماضی، حال اور مستقبل کی تمام معلومات شامل تھیں۔ علم کی اس وسعت میں تمام عالمِ بحر و بر، مادّی اور روحانی اور ملکوتی ولاہوتی علوم شامل تھے لیکن اس وقت کتنے بدقسمت لوگ تھے کہ انہوں نے بنی نوع انسان کے لئے سودمند سوالات کرنے کے بجائے طنزیہ ورکیک سوالات کئے بھلا "انس نخعی" کا یہ بھی کوئی سوال تھا کہ "میرے سر اور داڑھی میں کتنے بال ہیں؟" ویسے اسی دور میں نوزائیدہ مسلمانوں نے بیشتر سوالات اس دور کی ضرورتوں کے مطابق بھی کئے اور مولائے کائنات نے اپنے جوابوں سے قیامت تک کے لئے وجودِ باری تعالیٰ اور توحید جیسے بنیادی عقائد پر وہ مسلسل اور مکمل دلیل دی کہ رہتی دنیا تک اب مسئلۂ توحید میں کسی کو سمجھنے کے لئے کسی اور در پر جانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے خطابات اور مکتوبات ہر آنے والی نسل کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے پوتے امام جعفر صادقؑ نے روئے زمین پر قیامت تک کے لئے شریعت محمدی کے ہر مکتبۂ فکر کے لئے مکمل نمونہ اور ضابطہ عطا کیا۔

نبوت کے اختتام پر خدائی پیغامات کا سلسلہ ختم ہونے کے ساتھ جب قدرت کی طرف سے رسولؐ یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ "اب دین کامل ہو چکا اور نعمتیں تمام ہو چکیں، پروردگار دین اسلام سے راضی ہو چکا" تو اب رسولؐ کے بعد یہ مسئلہ صرف پیغام کے تحفظ اور اس پر عملدرآمد کا باقی رہتا ہے۔

اگر نظر غایت سے دیکھا جائے تو اس کا انتظام بھی خود مالکِ کائنات نے محافظین کی نشاندہی کر کے کبھی آیت تطہیر میں اور کبھی آیت مباہلہ کے ذریعہ کر دیا تھا۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کبھی علیؑ مدینۃ العلم کا باب قرار دے کر کبھی سفینہ نوحؑ سے تشبیہہ دے کر کبھی مثل ہارون کہہ کر، کبھی اپنا بھائی بنا کر، کبھی اپنا جزو قرار دے کر، کبھی اپنا نفس قرار دے کر، کبھی علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے اپنا وصی اور مولا کہہ کر،

بتلا دیا تھا کہ ذمہ داری علیؑ پوری کریں گے اور علیؑ نے ذمہ داری پوری کی دوسروں کی خلافت میں بھی اور اپنی خلافت میں بھی۔ خلفائے ثلاثہ نے بھی علیؑ کے مشوروں اور فیصلوں کو مقدم جانا کہ وہ تحفظ دین وشریعت کا مسئلہ تھا۔ آج لوگ علیؑ کو سمجھنے کی کوشش بھی کرنے لگے ہیں۔ علامہ اقبال حضرت علیؑ کے لئے لکھتے ہیں۔

اے سرِّ خط وجوب و امکاں
تفسیر تو سورہائے قرآن

اے خالق ومخلوق کی درمیانی حد کا راز سارے قرآن مجید کے سورے آپ ہی کی تفسیر ہیں۔

جوش کہتے ہیں:

سلمائے روزگار کو زریں قبا ملی انسانیت کو دولتِ صد ارتقا ملی
ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی آغوش میں رسول کو اپنی دعا ملی
جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

استاد قمر جلالوی نے کہا:

اے نصیری تجھ میں ہم میں فرق ہے دو حرف کا
تو خدا کہتا ہے جن کو ناخدا کہتے ہیں ہم
بسترِ احمدؐ پہ سوئے تھے شبِ ہجرت علیؑ
آنکھوں دیکھا جانشینِ مصطفیٰؐ کہتے ہیں ہم

اس کے باوجود علیؑ کو جس طرح سمجھنا چاہئے اب بھی دنیا نے نہیں سمجھا اور یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں مسلمان تباہ وبرباد ہو رہے ہیں۔ کیا آج پھر اسے سجدۂ شبیری

اورضرب یداللہی ہی کا سبق پڑھانے کی ضرورت ہے؟ نہیں بلکہ میرے خیالِ ناقص میں مولائے کائنات اور امام حسینؑ نے اپنا کردار اور پیغام قیامت تک کے لئے کامل اور مکمل انداز میں پیش کیا ہے۔ آج ہر نسل وفکر میں تمام گمراہیوں کے باوجود حق و باطل اور سیاہ وسفید میں تمیز کرنے کا شعور موجود ہے۔ زمانۂ حاضر کے بڑے طاغوت جس کو ہم ''سرمایہ دارانہ نظام'' کےطور پر مانتے ہیں اس نے فکر انسانی کو اپنے گرداب میں اتنا مغلوب کرلیا ہے کہ ہم حقیقت حال جان کر بھی انجان بنتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ فکر علیؑ اور شعور حسینؑ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرقہ واریت سے ہٹ کر انسانوں میں بیداریٔ عمل پیدا کی جائے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ اسلام کے ڈھانچے میں ڈھل کر علیؑ نے چار بڑے جہاد کئے۔ جہاد بالسیف' جہاد بالنفس' جہاد بالقلم اور جہاد باللسان۔ اسی کے ساتھ ساتھ معبود کے سامنے پاکیزہ نفس اور تہہ دل سے مکمل توجہ کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر مشغولِ عبادت رہتے۔ ان کا کہنا تھا کہ:

> ''ایک گروہ نے عذابِ الٰہی کے خوف سے عبادت کی جو غلاموں کی عبادت ہے۔ ایک گروہ نے نعمتوں کی امید میں عبادت کی جو تاجروں کی عبادت ہے۔ میں تیری عبادت نہ جنت کی طمع میں کرتا ہوں نہ دوزخ کے ڈر سے۔ میں تو تیری عبادت اس وجہ سے کرتا ہوں کہ تو عبادت کے لائق ہے۔''

علیؑ اطاعتِ خداوندی کی کس منزل پر فائز ہیں ہمیں خدا تک پہنچنے کے لئے علی شناسی کی ضرورت ہے۔ شکر ہے کہ آج مسلمانوں کے علاوہ یہ روشنی غیر مذہب کے لوگوں تک پھیلنے لگی ہے۔ ہندوستان کے شاعر ماتھر لکھنوی کہتے ہیں:

کونین دیئے عقدہ کشائی دے دی
اپنی ہی طرح جلوہ نمائی دے دی
لوگوں نے خلافت میں پس و پیش کیا
معبود نے حیدرؑ کو خدائی دے دی

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ نے علیؑ کو کیا کچھ نہیں دیا۔ کعبہ میں ولادت' بچپنے سے اللہ ورسول کی محبت' جوانی میں تمغہ شجاعت' بعد رسول امامت' پیری میں خلافت اور آخر میں شہادت۔ اس سے بڑھ کر معراجِ انسانی کیا ہو سکتی ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود دنیا نے مجموعی طور پر علیؑ سے وہ استفادہ نہیں کیا جس کا حق انہیں خدا اور رسولؐ نے دے رکھا تھا۔

ہوسکتا ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں مکمل علیؑ شناسی کی راہ میں کچھ لوگ سوچتے ہوں کہ اتنی متضاد صفات ایک شخص میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں کہ علیؑ عالم بھی تھے شجاع بھی' نمازی بھی تھے خدمت گزار بھی' امیر ہوتے ہوئے غریب تھے غریب پرور بھی' سخی بھی تھے غمگسار بھی' اسلامی مجاہد بھی تھے امن کے پیغامبر بھی' دیدہ ور قاضی بھی تھے کشور سیف وقلم بھی' عادل تھے اور کفار کے لئے قہر الٰہی بھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ کے محبوب تھے اور جانشینِ مصطفیٰؐ بھی' تو وہ حیران رہ جاتے ہوں گے اور سوچتے ہوں گے کہ یہ سب کرامات اسی دور تک محدود ہوں گی جب یورپ اور باقی دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رسولؐ خدا کے علمی وفکری وارثِ علیؑ کی شخصیت کا آخر اس دور جدید میں کیا اثر ہے؟ اس فکر کا جواب بھی مختلف حوالوں کے ساتھ اسی کتاب میں موجود ہے۔ جہاں آپ نے اسلام کے بنیادی عقائد کو واضح کیا' اسی کے ساتھ اسلام میں سن ہجری' اسلام کی پہلی درسگاہ' قرآن کے حروف پر اعراب' عربی گرامر اور علم نحو'

نظامِ حکومت' افراد کی اصلاح اور معاشرے کی تشکیل' عدالتی نظام' اسلامی دستور کی تحریری شکل' بیت المال کا تصرف' اسلامی سیاسی نظریہ کی ضرورت' علم پھیلانے اور جہل مٹانے کے طریقے' سڑکوں کی تعمیر کی بنیادی ضرورت' کاشتکاری کے اصول اور اصل کاشتکاروں کا تحفظ وغیرہ یہ سب علیؑ ہی کے عطیات ہیں۔ انہوں نے ان بنیادی ضرورتوں پر عمل کر کے بھی دکھلایا تھا اور یہی سب دورِ حاضر کے تقاضے ہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر سے اپنی وصیتوں میں ارشاد فرمایا تھا۔ "یا علیؑ میرے بعد صبر کرنا۔ دوسری وصیت یہ فرمائی تھی کہ اے علیؑ میرے بعد ظاہری مسلمانوں کو بھی اسلام پر باقی رکھنا اور حضرت علیؑ نے یہ دونوں کام انجام دیئے۔"

تاریخِ ادیان کا بغور مطالعہ کرنے سے دو باتیں یقیناً سامنے آتی ہیں کہ چاہے وہ حضرت موسیٰؑ کی وقتی طور پر اپنی قوم سے دوری ہو یا بعد از انبیاء بیشتر قومیں جلد ہی بدل کر واپس اپنے پرانے دین یا بت پرستی کی طرف پلٹ گئیں مگر حضرت علیؑ نے پچیس برس بہ تحقیق ایک لمحہ کے لئے بھی مدینہ کو نہ چھوڑا اور اپنی بصیرت افروز دینی وسماجی قیادت سے حکومت اور عوام الناس کی ہر لمحہ فکری قیادت کی۔ دین اور اسلام کی بقا کے لئے اسلام پر ہونے والے ہر فکری اور فلسفیانہ حملہ کا نہ صرف جواب دیا بلکہ نئے مسلمانوں میں اسلامی اعتماد کی فضا قائم کی اور ہر لمحہ رسولؐ کی حقیقی نیابت اور دینی و دنیاوی قیادت بھی بھرپور طریقے سے فراہم کی۔

حضرت علیؑ کا مقصد حکومت نہ تھا بلکہ بعدِ رسول ملت میں حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کا شعور بیدار کرنا اور فکری عمل کو تیز کر کے اسلام کی حقیقی اساس اور اصولوں کا دفاع کرنے کا جذبہ باقی رکھنے کے عزم کو جلا بخشتا تھا جس کو بعد رسولؐ طرح طرح کے

فکری اور شعوری مسائل سے واسطہ پڑا۔حق اور حقیقتیں خلافت، حکومت، منصبوں، امارتوں اور عصبیت میں گھٹ کر رہ گئی تھیں۔اگر فکرِ علیؑ نہ ہوتی تو امام حسینؑ کو کربلا میں ۷۲ جانثار بھی نہ ملتے اور اسلام بھی حق و باطل کی تمیز دیگر ادیان کی طرح کھو چکا ہوتا۔ یہاں بھی صرف ''طاقت ہی حق ہوتی'' نہ کہ حق طاقت ہے۔ملوکیت اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام سے قبل کی طرح آج بھی اپنی تمامتر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی۔حضرت علیؑ کا یہ عظیم احسان نہ صرف ملتِ مسلمہ کی بقا کا ضامن ہے بلکہ پوری عالم انسانیت پر جو اس وقت تاریکیوں سے گزر رہی تھی ایک عظیم الشان احسان اور اس کی بے مثل رہنمائی ہے۔

حضرت علیؑ بعد رسولؐ ملت کی فکری روش سے پوری طرح آگاہ تھے۔اسی دور میں چن چن کر باصلاحیت اور زرخیز اذہان کی آبیاری کرتے رہتے۔ جہاں سلمان فارسیؓ، بلالؓ، ابوذر غفاریؓ، مقداد و عمار یاسرؓ جیسے اصحاب رسولؐ کی رہنمائی کی وہیں محمد ابن ابوبکرؓ، مالک اشترؓ جیسے افراد بھی اپنے گرد جمع کئے اور ان کی تربیت کی۔اگر حضرت علیؑ تلوار اٹھا لیتے تو آج ہر کس و ناکس اپنے حق کے لئے صرف تلوار اٹھانے کا راستہ اختیار کرتا اور اسلام کی تعلیم صبر اور معاشرہ کی سلامتی ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جاتی۔

رسولؐ کے بعد علیؑ نے اسلام اور دین کو اس طرح پہنچوایا جو عین مرضی رب ہے لیکن علیؑ کے بعد ملوکیت نے ایک بار پھر اسلام کو خطرے میں ڈال دیا۔ دنیا پرستی غالب آ گئی تو علیؑ ہی کا خون تھا جو ریگزار کربلا میں ان کے فرزند امام حسینؑ کی رگوں سے بہا اور اسلام کو حیاتِ جاودانی دے دی۔

آج اسلام کی روح تو بالکل ویسی ہی ہے جیسی پیغمبرؐ خدا نے پیش کی تھی مگر اس کی شکل تبدیل ہوگئی کہ پہچانی نہیں جاتی۔جس زاویے سے نظر دوڑائی جائے رنگ

وروغن چڑھی ہوئی شکلیں نظر آتی ہیں جنہیں اجنبی دیکھ کر آج یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اسلام کی اصل شکل کیا ہے' اس کا رنگ اور اس کا لباس کیسا ہے۔ قلم کاری کے رنگوں کے دبیز پردوں میں دبی تہہ بہ تہہ پرتوں کو ہٹا کر اصل شکل نکالنا مشکل ہو گیا ہے۔ کاش یہ دنیا وہی ہو جاتی جیسی اللہ نے بنائی تھی۔ کاش ویسی ہو جاتی جیسی اسلامی دنیا رسول اکرمؐ اور علیؑ نے بنانا چاہی تھی' کاش یہ اسلامی دنیا کہلاتی۔ کاش!

"کاش یہ دنیا' دنیا ہوتی

دنیا میں دنیا کی کمی ہے"

حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات

☆ سچا سچائی سے اس مرتبے کو پہنچ جاتا ہے جسے جھوٹا مکروفریب سے نہیں پا سکتا۔
☆ دولت کی مستی سے خدا کی پناہ مانگو۔ اس سے بہت دیر میں ہوش آتا ہے۔
☆ لوگ طلبِ علم سے اس لئے بے رغبت ہو گئے کہ اکثر عالم عمل سے بے پرواہ ہیں۔
☆ جب تک کسی شخص سے بات چیت نہ ہو اسے حقیر نہ سمجھو۔
☆ غریب آدمی جو رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھے اس امیر سے اچھا ہے جو ان سے قطع تعلق کرے۔
☆ دنیاداروں کی دوستی معمولی بات سے ختم ہو جاتی ہے۔
☆ جاہلوں کی دوستی سریع الزوال ہے۔
☆ صاحب علم اگرچہ حقیر حالت میں ہو اسے ذلیل نہ سمجھ۔
☆ احمق اگرچہ بڑے مرتبے والا ہو اسے بڑا نہ جان۔
☆ مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔
☆ تھوڑا علم فسادِ عمل کا باعث ہے۔
☆ کلام میں کئی آفات ہیں متکلم کو وقت اور موقع کا خیال رکھنا لازم ہے۔
☆ جب تک نحوست کا مزہ نہ چکھو سعادت کی لذت محسوس نہیں ہوتی۔
☆ خلق اچھا ہو تو کلام لطیف ہو جاتا ہے۔

☆احسان کا بدلہ ادا نہ کر سکو تو زبان سے شکریہ ضرور ادا کرو۔
☆اگر تو کمزوروں کو کچھ دے نہیں سکتا تو ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آ۔
☆بوڑھے کی رائے جوان کی قوت اور زور سے اچھی ہے۔
☆آدمی کے چہرے کا حسن اللہ کی عمدہ عنایت ہے۔
☆بہترین کلام وہ ہے جس سے سامع کو ملال اور بوجھ نہ ہو۔
☆نیک کام پر سب سے زیادہ قادر وہ ہے جسے غصہ نہ آئے۔
☆بڑا احمق وہ ہے جو دوسروں کی برائیوں کو برا سمجھے اور خود ان پر جما ہوا ہو۔
☆شریف عالم متواضع ہوتا ہے اور کمینہ صاحب علم تکبر کرنے لگتا ہے۔
☆ناجائز خواہشات کو علم کے ساتھ اور غضب کو علم کے ساتھ مار ڈال۔
☆کبھی تلواروں کے وار خالی جاتے ہیں اور کبھی خواب سچے ہو جاتے ہیں۔
☆تو کسی پر احسان کرے تو چھپا۔ کوئی تجھ پر احسان کرے تو ظاہر کر۔
☆غیبت سننے والا غیبت کرنے والوں میں داخل ہے۔
☆جو شخص حق کے خلاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کا مقابلہ کرتا ہے۔
☆جو شخص اپنے ہر کام کو پسند کرتا ہے اس کی عقل میں فتور آ جاتا ہے۔
☆خلق کے ساتھ نیکی حقیقی شکر گزاری ہے۔
☆علم کی خوبی عمل میں اور احسان کی خوبی نہ جتلانے میں ہے۔
☆خندہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔
☆کارخانہ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے۔
☆ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔
☆عادت پر غلبہ حاصل کرنا کمال فضیلت ہے۔

☆ موت بے اطلاع ساتھی ہے۔

☆ عاقل پست بن کر بلند ہوتا ہے احمق بلندی کے دعوؤں سے ذلیل ہوتا ہے۔

☆ گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے' نیکی میں غرور نیکی کو برباد کرتا ہے۔

☆ خواہش پرستی مہلک رفیق ہے اور بری عادت زبردست دشمن ہے۔

☆ انسان کی قابلیت زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔

☆ معافی اچھا انتقام ہے۔

☆ سچائی میں اگرچہ خوف ہے' مگر نجات بھی ہے۔

☆ بے صبری صبر سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

☆ علم بے عمل آزار اور عمل بے اخلاص بے کار ہے۔

☆ عاقل دوسروں سے عبرت حاصل کرتا ہے دوسروں کے لئے عبرت نہیں بنتا۔

☆ مال وجۂ فتنہ' ذریعۂ حوادث' باعثِ تکلیف اور رنج و مصیبت کی سواری ہے۔

☆ کشادہ روئی نیکی ہے جو بے مشقت حاصل ہوتی ہے۔

☆ مصیبت میں گھبرانا بے حد مصیبت ہے۔

☆ علماء اس لئے غریب ہیں کہ جاہلوں کو ان کی قدر نہیں ہے۔

☆ علم مال سے بہتر ہے کہ تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو۔

☆ میزانِ اعمال کو خیرات کے وزن سے بھاری کرو۔

☆ شرافت عقل و ادب سے ہے نہ کہ مال و نسب سے۔

☆ حرام کاموں سے نفس کو روکنا صبر کی ایک قسم ہے۔

☆ زیادہ علم والوں سے علم سیکھ اور کم علموں کو اپنا علم سکھلا۔

تمام محبان رسول' اہل بیت واصحاب کے لئے

دعائے امام زین العابدینؑ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم سے دعا طلب کرو۔ تمام صاحبان ایمان دعائیں مانگتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے پوتے امام زین العابدینؑ نے جو دعا کی وہ پیغمبرؐ کے تمام اتباع کرنے والوں کے لئے بالعموم اور اصحاب کے لئے بالخصوص ہے جسے تمام محبان رسول و اہل بیت دہراتے رہتے ہیں جو ان کے اخلاص و مودت کی بہترین مثال ہے اور جو صحیفۂ سجادیہ میں درج ہے۔ میں نے کتاب ''نظریہ عدالت صحابہ'' تحریر استاذ احمد حسین یعقوب سے نقل کی ہے اور یہ دعا اتحاد بین المسلمین کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔

''خدایا...... وہ مرسلین کے پیرو اور غائبانہ طور پر اس وقت ان کی تصدیق کرنے والے جب دشمن تکذیب کر رہے ہوں اور حقائق ایمان کے ساتھ ان کی طرف ہر اس زمانے میں سبقت کرنے والے جب تو نے کوئی رسول بھیجا یا اہل زمانہ کے لئے کوئی رہنما مقرر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام ائمۂ ہدایت اور قائدین اہل تقویٰ علیہم السلام تھے۔ خدایا! انہیں

مغفرت و رضوان کی منزل میں یاد رکھنا خصوصاً وہ اصحابِ محمدؐ جنہوں نے صحبت کا حق ادا کیا اور ان کی نصرت میں مصیبتوں کا سامنا کیا۔ ان کی خدمت میں فوراً حاضر ہوئے اور ان کی دعوت پر پہلی فرصت میں لبیک کہی۔ جب انہوں نے پیغام رسالت سنایا تو قبول کیا اور اظہارِ کلمۂ حق کے لئے اپنی جان اور اولاد سے بھی جدا ہو گئے۔ استحکام نبوت اور نصرتِ دین کے لئے اپنے اہل خاندان سے بھی جنگ کی۔ ان کی محبت کے رشتہ سے منسلک رہے اور ان کی محبت میں اس تجارت کے امیدوار رہے جس میں کوئی تباہی نہیں ہے۔ قبائل نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن وہ نبیؐ کے دامن سے وابستہ رہے۔ قرابت داروں نے ان سے رشتے توڑ لئے لیکن وہ ان کی قرابت کے زیر سایہ رہے۔

خدایا ۔۔۔ جو کچھ انہوں نے تیرے لئے اور تیری راہ میں چھوڑا ہے اسے فراموش نہ فرمانا۔ اپنی رضا سے انہیں راضی رکھنا۔ یہ تیرے رسولؐ کے ساتھ تیری طرف دعوت دینے والے تھے اور مخلوقات کو تیری طرف لانے والے تھے۔ ان کی اس سعی کو مشکور قرار دینا کہ انہوں نے تیری خاطر اپنی قوم کے وطن کو چھوڑ دیا اور وسعتِ عیش سے تنگیٔ حیات کی طرف چلے گئے اور اعزازِ دین کی خاطر بے شمار مظالم برداشت کئے۔

خدایا ۔۔۔ نیکی میں ان کا اتباع کرنے والے جن کا قول یہ ہے کہ خدایا! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دینا جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے انہیں بھی بہترین جزا عنایت فرمانا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اصحاب کا رخ اختیار کیا اور ان کے راستہ کو تلاش کیا اور انہی

کے نقش قدم پر چلے۔ نصرت حق میں کوئی شک انہیں منحرف نہیں کر سکا اور اتباعِ آثارِ اصحاب واقتداء ہدایتِ حق میں کوئی شبہ ان کے دل میں پیدا نہیں ہو سکا۔ باہم شانہ بہ شانہ ایک دوسرے کے ہمدرد رہے۔ انہی کے دین پر قائم اور انہی کی ہدایت سے وابستہ رہے۔ انفاق کرتے رہے اور کبھی کوئی اتہام نہیں رکھا۔

خدایا۔۔۔۔ان تابعین پر آج سے لے کر قیامت تک رحمت نازل فرما اور ان کے ازواج وذریت پر بھی بلکہ ان کی اطاعت کرنے والوں پر بھی۔ وہ رحمت جو انہیں معصیت سے محفوظ رکھ سکے اور باغاتِ جنت میں وسعت پیدا کر سکے۔ انہیں شیطان کے مکر سے بچائے رکھنا اور جو نیکی کرنا چاہیں اس پر ان کی مدد کرنا۔ شب و روز کے ہر وارد ہونے والے شر سے انہیں محفوظ رکھنا علاوہ اس کے جو پیغام خیر لے کر آئے۔ ان میں بہترین امیدوار اپنی نعمتوں کی طمع کا اعتقاد بیدار کر دینا اور لوگوں کے اموال کی طرف تہمت کی نظر سے نہ دیکھنے دینا تاکہ تیری طرف رغبت کریں۔ تجھ سے خوف زدہ رہیں۔ دنیا کی وسعتوں سے کنارہ کش رہیں۔ آخرت کے لئے عمل کو دوست رکھیں۔ موت کے بعد کی تیاری کریں۔ ان کی ہر مشکل کو آسان کر دے اس دن جب روح جسم سے جدا ہو جائے۔ فتنے جو خطرات پیش کرتے ہیں ان سے محفوظ رکھنا چاہے وہ جہنم میں داخلہ کی شکل میں ہوں یا وہاں خلود کی شکل میں اور مقام متقین کے امن سے سرفراز فرمانا۔'' (صحیفہ سجادیہ ص ۴۳ تا ۴۵)

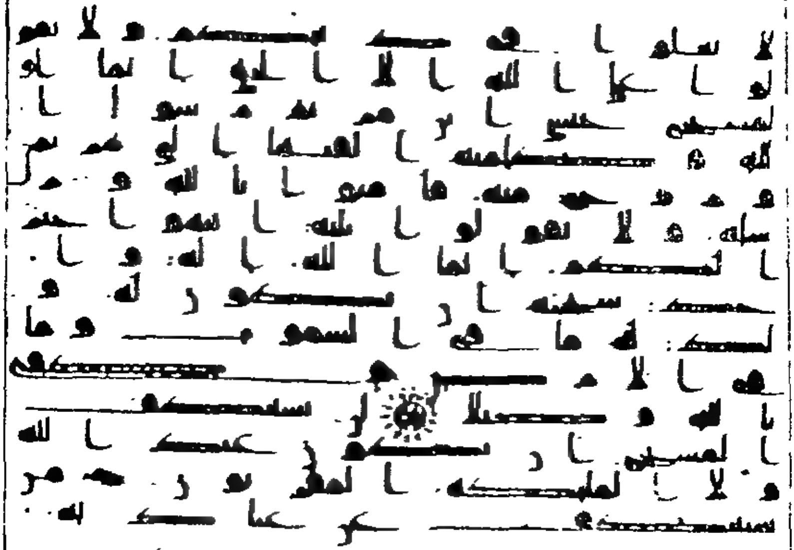

حضرت علیؑ کے دست مبارک سے خط کوفی میں لکھا ہوا قرآن پاک کا ایک صفحہ۔ یہ قرآن پاک مشہد کے کتب خانہ
رضویہ میں موجود ہے

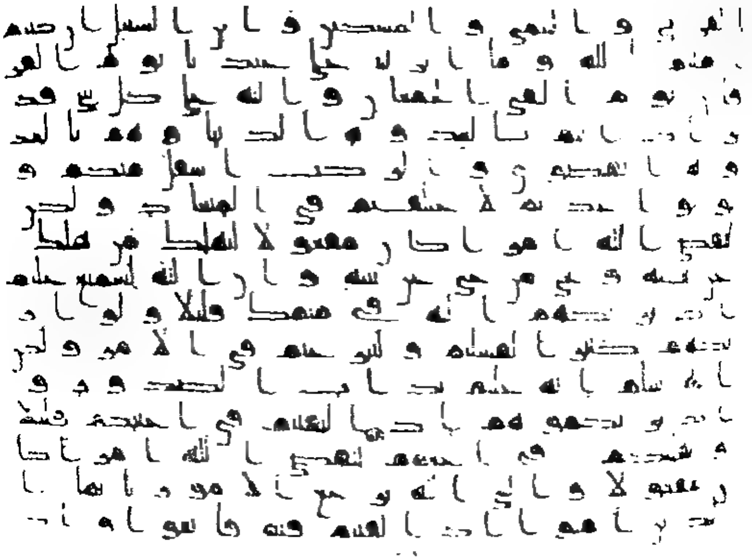

حضرت امام زین العابدینؑ کے دست مبارک سے خط کوفی میں لکھا ہوا قرآن پاک کا ایک صفحہ۔ یہ قرآن
پاک مشہد کے کتب خانہ رضویہ میں موجود ہے

کتابیات

۱۔ قرآن

۲۔ نہج البلاغہ — پبلشر شیخ غلام علی اینڈ سنز

۳۔ صحیح بخاری شریف — ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار۔ لاہور

۴۔ صحیح مسلم شریف — ترجمہ علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ تاریخ طبری — علامہ ابن جریر الطبری

۶۔ اسوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — سید اولاد حیدر فوق بلگرامی

۷۔ حیات القلوب — علامہ مجلسی علیہ الرحمہ

۸۔ ینابیع المودۃ — علامہ جلیل شیخ سلیمان حسینی، بلخی، قندوزی

۹۔ بحار الانوار — علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ

۱۰۔ تفسیر نمونہ	استاد محقق آیت اللہ العظمٰی ناصر مکارم شیرازی
۱۱۔ الدمعۃ الساکبہ (جلد اول)	مولف آقائے محمد باقر دہدشتی بہبہانی نجفی
۱۲۔ تجلیاتِ حکمت	سید اصغر ناظم زادہ قمی
۱۳۔ کمال الدین وتمام النعمہ	شیخ الصدوق علیہ الرحمہ
۱۴۔ میں بھی سچوں کے ساتھ ہوجاؤں	علامہ محمد التیجانی السماوی
۱۵۔ الشافی ترجمہ اصول کافی	علامہ محمد الشیخ بن محمد یعقوب کلینیؒ
۱۶۔ من لایحضرہ الفقیہ (مترجم)	شیخ الصدوق علیہ الرحمہ
۱۷۔ مغز متفکر اسلام (سپریمین ان اسلام) "امام جعفر صادق علیہ السلام"	۲۵ محققین (غیر مسلم و مسلم اسلامک اسٹڈیز سینٹر اسٹرابرگ)
۱۸۔ اہلِ ذکر	ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی
۱۹۔ المیہ جمعرات	ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی
۲۰۔ خورشید خاور ترجمہ شبہائے پیشاور	حجۃ الاسلام آقائے سید محمد شیرازی
۲۱۔ علل الشرائع (اردو)	شیخ الصدوق علیہ الرحمہ
۲۲۔ نہج الاسرار (من کلام حیدر کرار)	تالیف سلطان العلماء سید غلام حسین رضا آقا مجتہد

۲۳۔ احیائے دین میں ائمۂ اہل بیت کا کردار	علامہ محقق سید مرتضیٰ عسکری
۲۴۔ حقائق الوسائط	علامہ محمد بشیر انصاری
۲۵۔ معجزاتِ آلِ محمدؐ	تالیف علامہ سید ہاشم البحرانی قدس سرہ
۲۶۔ فاطمہؑ فاطمہؑ ہے	ڈاکٹر علی شریعتی
۲۷۔ کشف العقائد	سید باقر نثار زیدی
۲۸۔ اسلامی ریاست	سید ابوالاعلیٰ مودودی
۲۹۔ چودہ ستارے	مولانا نجم الحسن قبلہ کراروی
۳۰۔ ندائے عدالتِ انسانی	جارج جرداق بیروت (لبنان)
۳۱۔ خلافت وملوکیت	سید ابوالاعلیٰ مودودی
۳۲۔ نظریہ عدالتِ صحابہ	استاذ احمد حسین یعقوب
۳۳۔ علیؑ فی القران	آقائے سید صادق حسین شیرازی
۳۴۔ کتاب سلیم بن قیس ہلالی (تہذیب ترجمہ اردو)	سلیم بن قیس ہلالی متوفی حدود ۷۰ھ
۳۵۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	دی رائٹ آنریبل سید امیر علی مرحوم
۳۶۔ الامام	مولانا ادیب الھندی
۳۷۔ حیدر کرار علیہ السلام	الحاج سید نذر حسین شاہ مشہدی
۳۸۔ علی ابن ابی طالبؑ	پروفیسر اختر رضا زیدی
۳۹۔ سیاست نامۂ عرب	علی حسن رضوی
۴۰۔ کشکول نیوجرسی	ناشر مسلم فاؤنڈیشن نیوجرسی۔ امریکہ

۴۱۔ سیرتِ مولائے کائنات علیؑ	سید مراد علی جعفری
۴۲۔ ائمۂ معصومین کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ	استاد عادل ادیب
۴۳۔ فلسفۂ معجزہ	آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی
۴۴۔ فضائلِ علیؑ	شوکت عابد
۴۵۔ اسلام پر کیا گزری	مولانا محمد باقر شمس
۴۶۔ تاریخ کی گواہی	آغا انور گل
۴۷۔ ناؤ کی تحریر	طلعت سیدہ
۴۸۔ صحیفۂ معرفت	سید اشتیاق حسین نقوی
۴۹۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ مارچ ۱۹۸۲ء (علیؑ نمبر)	مجیب الرحمٰن شامی
۵۰۔ The Brother of the Prophet Mohammad (The Imam Ali)	Mohammad Jawad Chirre
۵۱۔ History of the Caliphs	Rasul Jafarian
۵۲۔ The Voice of Human Justice	George-Jordac lebanon
۵۳۔ Polarization and The Character of Ali Ibn Abi Talib	Morteza Mutahhari

٥٣ـ	The Saqifa	Allama Mohammad Reza Al Mudhafar
٥٥ـ	Ali- The Magnificent	Yousuf N. Lalljee
٥٦ـ	An Affair of the Heart	Anita Rai

یادداشت